بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیرِ اشرفی

جلد ششم

قال الم ۱۶ - اِقتَرَبَ لِلنّاسِ ۱۷ - قد افلح ۱۸

شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور-کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد ششم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کمپیوٹرائزڈ کتابت و کور ڈیزائن: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

اجازت نامہ، طباعت واشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

جانشین محدث اعظم ہند

فقط

سجادہ نشین و متولی درگاہ ... حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

کچھوچھا شریف، ضلع امبیڈکر نگر، یو پی، انڈیا۔

فہرست

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیرِ اشرفی کی اِس جلد ششم کے متنِ تفسیر میں ۹،۶۳،۲۸۰ (نو لاکھ ترسٹھ ہزار دو سواسی) حروف---
۱،۰۶،۵۶۱ (ایک لاکھ چھ ہزار پانچ سو اکسٹھ) الفاظ---۸،۵۲۴ (آٹھ ہزار پانچ سو چوبیس)
سطریں---اور ۳،۹۸۷ (تین ہزار نو سو ستاسی) پیراگراف شامل ہیں---
کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جا چکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے،
تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں--- ﴿ادارہ﴾

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ۔۔۔اَمَّا بَعۡدُ

عرض ناشر

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کہ رب تبارک وتعالیٰ کی توفیقِ رفیق سے سید التفاسیر المعروف بہ تفسیرِ اشرفی کی جلد ششم جوکہ سولہویں، سترہویں اور اٹھارویں پارہ کی تفسیر پر مبنی ہے، قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ مفسرِ محترم حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرتِ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی صحت اور عمر میں برکت عطا ہو، اور تفسیری کام اسی طرح چلتا رہے اور جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ﴿آمین﴾

ہم شیخ الاسلام والمسلمین کے پُر اخلاص خادمین کے بھی شکر گزار ہیں جو ہر دفعہ ہمارے ساتھ کمپوزنگ، پروفنگ، اور دوسرے طباعتی واشاعتی مراحل میں ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن تمام اصحاب وافراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو مفسرِ محترم کی سرپرستی میں رہتے ہوئے دینِ اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ اٰمین! بِجَاہِ النَّبِیِّ الۡکَرِیۡمُ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ﴾

۱۲ر ربیع اوّل ۱۴۳۳ھ ۔۔بمطابق۔۔ ۵ر فروری، ۲۰۱۲ء

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یوایس اے

۱۶

قال الم

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

یکم ربیع الاوّل شریف ۱۴۳۲ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۵ فروری ۲۰۱۱ء

بروز شنبہ، سولھویں پارے کی تفسیر کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور پورے قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل

کی سعادت مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرمَتِ حَبِیبِكَ سَیِّدِ الْمُرسَلِینَ

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت پر کار بند رہتے، تو اُن کی صحبت طویل ہوتی۔ اور بھی کئی عجیب وغریب واقعات پیش آتے، لیکن وہ اپنے شرعی منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکتے، اور جب بھی کوئی بات بظاہر خلافِ شرع ہوتی، تو اس پر ضرور ٹوکتے۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ متعلّم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس نے پہلے بالکل کچھ بھی نہ پڑھا ہو۔ ظاہر ہے کہ اُستاد اُس کے سامنے مسئلے کی جو بھی تقریر کرے گا، اُس کا شاگرد اُس کو بلا چون وچرا تسلیم کرے گا۔ دوسری قسم وہ ہے جس نے پہلے کچھ پڑھ لیا ہو اور اس کو اپنے پڑھے ہوئے پر مکمل اعتماد اور یقین ہو، یہ شخص اُستاد کی اُسی بات کو تسلیم کرے گا، جو اُس کے پڑھے ہوئے کے مطابق ہوگا، اور جو اُس کے مخالف ہوگا اُس کے قبول کرنے میں اُس کو تامل ہوگا اور اُس پر وہ اعتراض کرے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریع کے نبی ہیں اور جو بات ظاہر شرع کے خلاف ہوگی اُس پر وہ اعتراض کریں گے، جب کہ حضرت خضر علیہ السلام تکوین کے نبی تھے اور اُن کو معلوم تھا، کہ اُن کے کئی کام ظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور اُن پر حضرت موسیٰ اعتراض کریں گے، اور اِس طرح تعلیم اور تعلّم کا سلسلہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا، اس لیے انہوں نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی کہہ دیا کہ "آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے اور اُس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا"۔۔ چنانچہ۔۔ جب بے گناہ بچے کے قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض فرمایا۔۔ تو۔۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ

انہوں نے کہا کہ "ہم نے نہیں بتا دیا تھا آپ کو، کہ آپ نہ کر سکیں گے میرے ساتھ رہ کر صبر"● بولے کہ "اگر اب میں نے آپ سے

عَنْ شَيْءٍ ۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾

کچھ پوچھا، تو آپ ساتھ نہ رکھیے گا مجھ کو۔ بلاشبہ آپ نے معذوری میری وجہ سے انتہا کو پہنچا دی"●

(انہوں نے) یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے **(کہا کہ "ہم نے نہیں بتا دیا تھا آپ کو، کہ آپ نہ کر سکیں گے میرے ساتھ رہ کر صبر")** یعنی میرا کام دیکھ کر آپ خاموش نہ رہ سکیں گے اور ضرور اعتراض فرمائیں گے۔ اِس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام **(بولے کہ "اگر اب میں نے آپ سے کچھ پوچھا، تو آپ ساتھ نہ رکھیے گا مجھ کو۔ بلاشبہ آپ نے معذوری میری وجہ سے انتہا کو پہنچا دی")**، یعنی جب تین۳ بار میں آپ

کی مخالفت کر چکوں، تو بے شک میرا ساتھ چھوڑ دینے میں آپ معذور ہیں۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اِسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا

تو دونوں چل پڑے۔۔ یہاں تک کہ جب آئے ایک آبادی والوں میں، تو کھانا مانگا وہاں والوں سے،

اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ

تو سب نے انکار کر دیا اُن کی مہمانداری کرنے سے، پھر پایا آبادی میں ایک دیوار، کہ گرا چاہتی ہے، تو اس کو کھڑا کر دیا۔

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

کہا موسیٰ نے، "اگر آپ چاہتے تو لے لیتے اِس پر مزدوری" ●

(تو) پھر (دونوں چل پڑے) اور آگے بڑھے۔۔۔ **(یہاں تک کہ جب آئے ایک آبادی والوں میں)**۔۔۔

اُس آبادی کا نام کیا تھا، اِس کے تعلق سے مختلف اقوال ہیں جن میں راجح 'انطاکیہ' ہے جس میں بسنے والوں کا حال یہ تھا کہ جب شام ہوتی، تو دروازہ بند کر لیتے اور کسی کے واسطے نہ کھولتے۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام اِس گاؤں پر پہنچے اور چاہا کہ گاؤں میں داخل ہوں، کسی نے دروازہ نہ کھولا۔۔۔

(تو) اُن دونوں نے (کھانا مانگا وہاں والوں سے)، اور اُن سے یہ بات کہی کہ یہاں پر ہم مسافرانہ آئے ہیں اور بھوکے ہیں، اگر ہمیں گاؤں میں نہیں آنے دیتے، تو کھانا ہی ہمارے واسطے بھیج دو۔ **(تو سب نے انکار کر دیا اُن کی مہمان داری کرنے سے)**۔۔الغرض۔۔ پورے گاؤں نے اپنے پلے درجے کی بخالت کا مظاہرہ کیا، اور یہ حضرات گاؤں کے باہر بھوکے پڑے رہے۔ پھر صبح کو آگے کی راہ لی۔

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ دونوں حضرات کا کھانا طلب کرنا اور بھوکا رہنا یہ ظاہر کرتا ہے، کہ حضرت خضر علیہ السلام انسان ہی ہیں۔۔لہٰذا۔۔ اُن لوگوں کا خیال غلط ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کو فرشتہ قرار دیتے ہیں۔

(پھر) اثناءِ راہ میں **(پایا آبادی میں ایک دیوار)** ایک طرف جھکی ہوئی، ایسا **(کہ گرا چاہتی ہے)**۔

یعنی گرنے کی پوزیشن میں ہے اور جڑ سے اُکھڑ جانے کی حالت میں ہے۔۔۔

(تو) حضرت خضر نے اپنے اشارے سے **(اُس کو کھڑا کردیا)**۔۔یا۔۔اُس کو سیدھا کر دیا اِس طرح کہ اُس کی جڑ کو گارے اور پتھر سے مضبوط کر دیا۔ اِس منظر کو دیکھ کر اُن سے **(کہا)** حضرت **(موسیٰ نے)** کہ اِس گاؤں والوں نے نہ ہمیں جگہ دی اور نہ کھانا بھیجا، تو آپ نے اُن کی دیوار کیوں بنادی؟ **(اگر آپ چاہتے، تو لے لیتے اِس پر مزدوری)** اور پھر اُس مزدوری کے پیسے سے کچھ خرید کر اپنی بھوک مٹالی جاتی۔ حضرت موسیٰ کی اس بات پر حضرت خضر نے۔۔۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ

جواب دیا کہ "یہ میری آپ کی جدائی ہے۔ ابھی میں بتائے دیتا ہوں آپ کو اصلی بات

مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

جس پر تم صبر نہ کر سکے ●

(جواب دیا کہ یہ میری آپ کی جدائی ہے) یعنی آپ نے کہہ دیا تھا، کہ اگر تیسری بار میں کچھ تم سے پوچھوں، تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ تو اب جدائی کا وقت آ گیا، اس لیے **(ابھی میں بتائے دیتا ہوں آپ کو اصلی بات جس پر تم صبر نہ کر سکے)** اور صرف اُس کے ظاہر کو دیکھ کر، اُس کام کو بُرا گمان کیا۔ اِس سلسلے کی پہلی بات۔۔۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا

وہ کشتی! تو مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کیا کرتے تھے، تو میں نے چاہا کہ اُس کو عیب دار کردوں،

وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾

کہ اُن کے اِدھر ایک بادشاہ تھا، جو پکڑ لیتا ہے ہر کشتی کو زبردستی ●

(وہ کشتی) ہے جسے میں نے عیب والا کر دیا۔ **(تو)** اُس کا قصہ یہ ہے کہ وہ چند **(مسکینوں کی تھی)**، وہ محتاج دس[۱۰] بھائی تھے، پانچ[۵] بیمار بے کار اور پانچ[۵] مَلّاح **(جو)** معاش پیدا کرنے کو **(دریا میں کام کیا کرتے تھے، تو)** خدا کے حکم سے **(میں نے چاہا کہ اُس)** کشتی **(کو عیب دار کردوں)**، کیوں **(کہ اُن کے اُدھر)** یعنی آگے اُن کی راہ میں **(ایک بادشاہ تھا جو پکڑ لیتا تھا ہر)** صحیح اور سالم وثابت **(کشتی کو زبردستی)**

۔۔الغرض۔۔اُس کی عادت یہ تھی کہ جو کشتی صحیح ودرست اُس کی طرف سے گزرتی اُس پر جبراً قبضہ کر لیتا۔ اِسی لیے میں نے اُس کشتی کو حکمِ الٰہی سے عیب دار بنادیا، کہ بیچارے جن غریبوں کا معاش اُس پر منحصر ہے، وہ اپنے ذریعۂ معاش سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں اور وہ محتاج لوگ بالکل محروم نہ رہ جائیں۔

وَ اَمَّا الۡغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤۡمِنَیۡنِ فَخَشِیۡنَاۤ اَنۡ یُّرۡہِقَہُمَا طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا ﴿۸۰﴾

اور لڑکا! تو اُس کے ماں باپ ایمان والے تھے، تو ہم نے خطرہ دیکھا کہ چڑھادے انہیں سرکشی اور کفر میں ●

(اور) اِس سلسلے کی دوسری بات وہ (لڑکا) ہے جسے قتل کردیا گیا۔ (تو) اُس کا قصہ یہ ہے، کہ (اُس کے ماں باپ ایمان والے تھے) اور یہ بچہ ایسا تھا کہ اِس پر کفر کی مہر لگادی گئی تھی، (تو ہم نے خطرہ دیکھا کہ چڑھادے انہیں)، یعنی اپنے والدین کو (سرکشی اور کفر میں)۔

۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب یہ بالغ ہوجائے گا، تو اس میں یہ برائیاں پائی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ جس کے متعلق اِس قسم کا غلبۂ ظن ہو اُس کو قتل کردیا جائے۔۔۔

فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَہُمَا رَبُّہُمَا خَیۡرًا مِّنۡہُ زَکٰوۃً وَّ اَقۡرَبَ رُحۡمًا ﴿۸۱﴾

تو ہم نے چاہا کہ بدل دے انہیں اُن کا پروردگار اُس سے بہتر پاکیزگی میں، اور زیادہ رحم دل ●

(تو) اُس کو قتل کرکے (ہم نے چاہا کہ بدل دے اُنہیں اُن کا پروردگار) ایسا، جو اُن کے حق میں (اُس سے بہتر) ہو (پاکیزگی میں اور زیادہ) ہو (رحم دل) ہونے میں۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ اُس لڑکے کے ماں باپ کو بالواسطہ۔۔یا۔۔بلاواسطہ اُس سے بہتر لڑکا عطا فرمادے جو پاکیزہ سیرت کا حامل ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا ہو۔

پھر اُن کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس سے ایک پیغمبر نے نکاح فرمایا اور جس کے بطن سے ستر نبی پیدا ہوئے۔

وَ اَمَّا الۡجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیۡنِ یَتِیۡمَیۡنِ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ وَ کَانَ تَحۡتَہٗ کَنۡزٌ لَّہُمَا

اور دیوار! تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی اِس شہر میں، اور اِس کے نیچے اُن کا خزانہ تھا،

وَ کَانَ اَبُوۡہُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّہُمَا

اور اُن کا باپ لیاقت مند تھا، تو چاہا آپ کے رب نے کہ پہنچ جائیں وہ اپنی جوانی کو،

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِيْ ؕ

اور نکالیں اپنا خزانہ۔ رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے۔ اور یہ سب میں نے نہیں کیا اپنے حکم سے۔

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ ﴿۸۲﴾

یہ ہے اصلی بات، جس پر آپ صبر نہ کرسکے" ●

ع ۱۲ ۱

(اور) اب رہ گئی اِس سلسلے کی آخری بات **(دیوار)** والی۔ **(تو وہ) دیوار (دو یتیم بچوں کی تھی)** جو **(اِس شہر میں)** جس کا ذکراوپر ہوا رہتے تھے، ان میں ایک کا نام 'احرم' تھا اور دوسرے کا 'حریم'۔ **(اور اِس) دیوار (کے نیچے اُن کا خزانہ تھا)**، تو اگر دیوار گر پڑتی تو خزانہ کھل جاتا اور لوگ اٹھالے جاتے۔ **(اور)** صورتِ حال یہ تھی، کہ **(اُن کا باپ لیاقت مند تھا)** اور نہایت ہی نیک اور صالح تھا جس کا نام 'کاسح' تھا۔

اور ایک قول کے مطابق ان لڑکوں اور مردِ صالح کے درمیان میں سات پشتیں تھیں۔

تو حق تعالیٰ نے اُس صالح کی صلاح کی برکت سے سات پشتوں کے اُس کے پوتوں کے واسطے خزانے کی حفاظت فرمائی، **(تو چاہا آپ کے رب نے کہ پہنچ جائیں وہ اپنی جوانی کو)** اپنی قوت اور کمالِ بندگی کو، **(اور)** پھر **(نکالیں)** خود ہی **(اپنا خزانہ)**۔ یہ نوازش اور یہ حفاظت ونگہداشت دراصل **(رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے)**۔ **(اور یہ سب)** جو کچھ آپ نے دیکھا، **(میں نے نہیں کیا اپنے حکم سے)** اور اپنی طرف سے، بلکہ خدا کے حکم سے میں نے کیا ہے۔ اِس واسطے کہ اُس نے چاہا کہ خزانہ مستحقوں کو پہنچے۔

وہ خزانہ کیا تھا، اُس کے تعلق سے بھی بہت سارے اقوال ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ راجح یہ ہے، کہ وہ خزانہ سونے چاندی سے بھرا تھا۔

(یہ ہے اصلی بات، جس پر آپ صبر نہ کرسکے)، یعنی جن جن حالات کو دیکھ کر آپ اُس پر صبر نہ کرسکے اُن سب کی اصل حقیقت یہی ہے جو میری مذکورہ بالا وضاحتوں سے ظاہر ہے۔

نبی کریم اپنے دعوئ نبوت میں صادق ہیں یا کاذب؟ اِس کو معلوم کرنے کے لیے یہود نے مشرکین کو تین [۳] سوالات سکھائے تھے، جن کے تعلق سے پہلے بھی وضاحت کی جاچکی ہے۔ اِن تینوں سوالوں میں اُن کا آخری سوال یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ سے ذوالقرنین کے

متعلق سوال کرو۔ اِس کا ذکراب آگے کے ارشادات میں آرہا ہے۔ چونکہ قرآنِ مجید تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے، اس لیے اُس میں اُن کی زندگی کے وہی اہم ترین واقعات بیان فرمائے ہیں، جن کے ضمن میں رشد وہدایت کا پہلو ہے۔

ذوالقرنین کے تعلق سے سوال کے جواب کو نبوت کی نشانیوں میں اس لیے شمار کرایا گیا، کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں گزراتھا۔ وہ آپ پر ایمان لایا تھااور آپ علیہ السلام کی اتباع کی تھی، اوراُس کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اس کے تفصیلی حالات کسی کتاب میں محفوظ نہیں تھے، ہاں توارت میں اُس کا ذکرخوداُس کے نام سے ہے، تواب اُس کے حالات وواقعات کا صحیح علم وحیٔ الٰہی کے ذریعہ ہی حاصل کیا جاسکتا تھا، تو پھر جونبی ہوگا وہی اُس کے واقعات بیان کرسکتا تھا۔

یہ ذہن نشین رہے کہ ذوالقرنین "سکندرِ رومی ابن فیلیس مقدونی یونانی" نہیں ہے۔ کیوں کہ سکندرِ رومی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین ۳۰۰ سوسال پہلے گزرا ہے، جس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطاطالیس تھا۔۔الختصر۔۔قرآنِ کریم میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے، وہ وہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں گزراتھا۔ گوانہیں بھی سکندر کہا گیا ہے، مگر وہ سکندرِ رومی کے سوا تھے۔ اُن کو ذوالقرنین کہنے کی وجہ میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ وہ مشرق سے مغرب تک کے بادشاہ تھے اور اِسی جہت سے انہیں ذوالقرنین کہا گیا ہے، کہ وہ مشرق اور مغرب کے کنارے کا چکر لگاچکے تھے۔۔یا۔۔اُن کے زمانے میں لوگوں کے دو۲ قرن گزرے، اس لیے وہ ذوالقرنین کہے گئے۔۔یا۔۔اُن کے تاج میں دوشاخیں تھیں۔۔یا۔۔ ہاتھ اور رکاب دونوں سے جنگ کرتے تھے۔۔یا۔۔علمِ ظاہر اور علمِ باطن دونوں انہیں حاصل تھے۔۔یا۔۔وہ 'کریم الطرفین' تھے۔۔یا۔۔وہ گندھے ہوئے دوگیسوسر کے دونوں طرف رکھتے تھے۔ اُن کی نبوت میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ وہ نبی نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے۔

تواَے محبوب! عرب کے مشرکین امتحاناً یہود کے کہنے سے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ۭ

اور دریافت کرتے ہیں تم سے ذوالقرنین کے بارے میں، جواب دو کہ "ابھی ظاہر کیے دیتا ہوں تم پر اُن کا واقعہ" ●

(اور دریافت کرتے ہیں تم سے ذوالقرنین کے بارے میں) اور ان کا حال جاننا چاہتے ہیں، تو آپ اُن کو (جواب دو کہ "ابھی ظاہر کیے دیتا ہوں تم پر اُن کا واقعہ")۔ یعنی میں منجانب اللہ ذوالقرنین کے متعلق نازل فرمودہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا ہوں جس سے تمہیں اُن کے تعلق سے اہم واقعات کا علم ہو جائے گا، تو غور سے سنو! ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾

بے شک ہم نے زوردار کر دیا تھا انہیں زمین میں، اور دے دیا تھا ہر چیز کا ایک راستہ ●

(بے شک ہم نے زوردار کر دیا تھا انہیں زمین میں)، یعنی ہم نے ذوالقرنین کو تدبیر ورائے اور اسباب پر تصرف کرنے کی قدرت بخشی۔ یہاں تک کہ بادل بھی اس کے تابع کر دیے اور اسباب کی فراوانی دی اور اُسے ایسا نور بخشا، کہ وہ رات اور دن کو برابر دیکھتا تھا۔ اور زمین کے سفر اُس کے لیے آسان کر دیے گئے اور اُس کے راستے ہموار تھے۔ یہاں تک کہ وہ اَبر پر سوار ہو کر جہاں چاہتا جاتا، (اور) وہ اس لیے کہ (دے دیا تھا) ہم نے اُسے (ہر چیز کا ایک راستہ) یعنی ایک سبب، کہ اُس سبب سے وہ چیز اُسے میسر ہو جاتی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ جس دن روم سے نکل کر مصر کو فتح کیا، اور حبشیوں سے لڑ کر اُن پر غالب ہوا، اور مغرب کا قصد کیا۔۔۔

فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾

تو پیچھے گئے وہ ایک راستے کے ●

(تو پیچھے گئے وہ ایک راستے کے) یعنی ایک ایسے سبب کے جو مغرب میں پہنچ سکے۔ وہ اُس سبب سے وسیلہ ڈھونڈتے جاتے تھے۔۔۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ

یہاں تک کہ جب پہنچے سورج ڈوبنے کی جگہ، اُس کو پایا کہ ڈوبتا ہے ایک چشمے میں سیاہ کیچڑ کے،

وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَن تُعَذِّبَ

اور پایا اُس کے پاس ایک قوم۔۔۔ ہم نے حکم دیا کہ "اے ذوالقرنین، یا انہیں سزا دو

وَإِمَّا أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾

اور یا کر وان میں بھلائی" ●

(یہاں تک کہ جب پہنچے سورج ڈوبنے کی جگہ) یعنی مغرب کی آبادی کی حد پر۔

ایسے مقام پر پہنچے جہاں مغرب میں کوئی عمارت نہیں، تو سورج کو غروب کے وقت دیکھا، تو انہیں ایسا محسوس ہوا، کہ گویا وہ ظلمۃ الارض کے کیچڑ میں ڈوب رہا ہے، جیسے دریا میں کشتی کا سوار دیکھتا ہے، کہ گویا سورج دریا میں ڈوب رہا ہے۔ یہ اُس وقت محسوس ہوتا ہے کہ دریا کا کوئی کنارا نہیں۔ حالانکہ سورج دریا میں نہیں ڈوبتا بلکہ دریا کے پار اُوپر کہیں جا کر ڈوبتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سورج اپنے فلک پر چلتا ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے وہاں کوئی قوم نہیں۔۔ الختصر۔۔ حضرت ذوالقرنین نے اِس مقام پر جو منظر محسوس کیا، اِس آیت میں اُن کے اِسی وجدان کی وضاحت کی جارہی ہے، نہ کہ حقیقتِ حال کی۔۔ الختصر ۔۔ اِس آیت میں مغرب سے زمین کا منتہی مراد ہے جو بجانبِ مغرب ہے، کہ اُس کے بعد کسی کو امکان نہیں کہ وہاں سے متجاوز ہوسکے۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت ذوالقرنین وہاں پہنچ کر دریائے محیط کے کنارے پر کھڑے ہوگئے۔۔ پھر۔۔

(اُس کو) یعنی آفتاب کو **(پایا)** یعنی محسوس کیا **(کہ ڈوبتا ہے ایک چشمے میں سیاہ کیچڑ کے)**، یعنی گندے پانی کے چشمے میں جس میں مٹی ملی ہوئی تھی، **(اور پایا اُس) چشمے (کے پاس ایک قوم)**۔ یعنی عمارت کی انتہا کے آگے یعنی دریائے محیطِ غربی کے کنارے پر پایا۔

ایک قول کے مطابق جس قوم کو پایا وہ لوگ بُت پرست تھے، اُن کی آنکھیں سبز اور سرخ تھیں اور اُن کا لباس حیوانات کے چمڑے، اور اُن کی خوراک آبی حیوانات کا گوشت تھا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق اُس قوم سے اہل جابلص مراد ہیں۔ جابلص ایک شہر کا نام ہے جسے سریانی بولی میں 'جرجیسیا' کہا جاتا ہے۔ یہ قوم ثمود کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ وہ حضرات تھے جو حضرت صالح پر ایمان لانے کی وجہ سے عذابِ الٰہی سے بچ گئے تھے۔

جب نبی پاک ﷺ شبِ معراج تشریف لے گئے، تو آپ کا اُس شہر جابلص سے بھی گزر ہوا اور وہاں کے تمام باشندے حاضر ہوکر دولتِ اسلام سے نوازے گئے۔

۔۔ الختصر۔۔ **(ہم نے حکم دیا)** اُس عہد کے نبی کے ذریعے ۔یا۔ بطورِ الہام **(کہ اَے ذوالقرنین!)** دعوتِ دینی پیش کردینے کے بعد اگر وہ قوم انکار کرے، تو تمہیں اختیار ہے **(یا) تو (اُنہیں سزا دو اور یا کرو اُن میں بھلائی)**۔ یعنی خواہ تم انہیں قتل کے عذاب میں مبتلا کردو، اور خواہ اُن کے ساتھ احسان و مروّت کے ساتھ پیش آؤ، اور اُنہیں توبہ و استغفار کی مہلت دے دو۔

اِس ارشاد کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ انہیں قتل کر دیں اگر دینِ حق سے انکار کریں
اور اگر وہ دین کو قبول کریں، تو آپ اُن کے ساتھ احسان ومروّت سے پیش آئیں۔۔ چنانچہ۔۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾

وہ بولے کہ "جس نے اندھیر کیا، تو اُس کو ہم سزا دیں گے، پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے پروردگار کی طرف، تو وہ سزا دے گا اُسے ناقابل برداشت ●

(وہ) یعنی حضرت ذوالقرنین (بولے کہ "جس نے اندھیر کیا) اور ہماری دعوتِ دینی کو قبول نہ کیا، (تو اس کو ہم سزا دیں گے) اور دنیا میں اُسے قتل کے عذاب میں مبتلا کریں گے"۔

۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت ذوالقرنین کافروں کو دینِ حق کی دعوت دیتے، اگر کوئی انکار کرتا تو اس کو آگ کی دیگ میں ڈال دیتے اور اگر کوئی دینِ حق کو قبول کر لیتا، تو اُسے انعام واکرام سے نوازتے۔

رہ گیا منکر کافر، تو اُسے تو دُنیا میں سزا ملے گی ہی (پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے پروردگار کی طرف) مرنے کے بعد آخرت میں، (تو وہ سزا دے گا اُسے ناقابلِ برداشت) اور وہ عذابِ جہنم ہے۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ

ہاں جو ایمان لایا اور لیاقت والے کام کیے، تو اُن کے لیے ہے سب اچھا ثواب۔ اور بتائیں گے ہم اُسے

مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ؕ

اپنا آسان کام" ●

(ہاں جو ایمان لایا) اور میری دعوت قبول کی (اور) ایمان کے مقتضا پر (لیاقت والے کام کیے) یعنی نیک عمل انجام دیے، (تو اُن کے لیے ہے) دارین میں (سب اچھا ثواب)۔۔ الغرض۔۔ انہیں نیک اجر نصیب ہوگا، (اور بتائیں گے ہم اُسے اپنا آسان کام) یعنی اُسے ہم اپنے تمام اوامر آسان کر کے بتائیں گے۔ یعنی اُن پر ہمارے امر کردہ احکام آسان ہوں گے۔

"امرِ آسان" ہر وہ کام ہے جس کے ادا کرنے میں انسان کو تکلیف نہ ہو۔ ذوالقرنین نے تاریکی کا لشکر، یعنی وہ لشکر جس کو تاریکی میں لڑنے پر مامور کیا جاتا تھا، یعنی رات کے اندھیرے میں کام کرنے والے جانور اور حشرات الارض وغیرہ، اُس بت پرست قوم پر، جس کو قوم ناسک کہا جاتا ہے، متعین کیا۔ یہاں تک کہ وہ لشکر اُس قوم کی آنکھوں اور کانوں میں گھس گیا اور وہ قوم پناہ مانگ کر ایمان لائی۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾

پھر پیچھے لگے ایک راستے کے ●

(پھر) ذوالقرنین نے اپنی دوسری مہم کا آغاز کیا اور (پیچھے لگے ایک راستے کے) جو مشرق سے اُتّر کی طرف لے جاتا تھا۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمَا قَوۡمًا ۙ

یہاں تک کہ جب پہنچے دو پہاڑوں کے درمیان، تو پایا اُن کے اِدھر ایک قوم،

لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾

جو سمجھتے نہیں معلوم ہوتے کوئی بات ●

(یہاں تک کہ جب پہنچے دو پہاڑوں کے درمیان) زمینِ ترک کے اختتام پر جو مشرق کی جانب واقع ہے اور اُن کے پیچھے یاجوج وماجوج کا بسیرا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ جب ذوالقرنین وہاں پہنچے (تو پایا اُن کے اِدھر) اُن دو پہاڑیوں کے سامنے (ایک) عجیب وغریب (قوم، جو سمجھتے نہیں معلوم ہوتے کوئی بات)، اور ذوالقرنین کے لشکر میں سے بھی کوئی اُن کی بات نہ سمجھتا تھا، تو اپنے ترجمان کے ذریعے۔۔۔

قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ

سب نے درخواست کی، کہ "اَے ذوالقرنین، واقعہ یہ ہے کہ یاجوج وماجوج بڑے فسادی ہیں زمین میں،

فَہَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَہُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾

تو کیا ہم مقرر کرلیں آپ کا کچھ خراج اِس پر، کہ آپ کھنچوادیں ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار" ●

(سب نے درخواست کی)۔

۔۔یا۔۔ اُس قول کی بنیاد پر کہ حضرت ذوالقرنین ہر زبان کو سمجھتے تھے، تو اس صورت میں سب نے براہِ راست اپنا معروضہ پیش کیا اور عرض کیا۔۔۔

(کہ اَے ذوالقرنین! واقعہ یہ ہے کہ یاجوج وماجوج بڑے فسادی ہیں زمین میں)، جب یہ دونوں پہاڑوں سے نکلتے ہیں، ہری گھاس کی قسم سے جو پاتے ہیں کھا جاتے ہیں، اور جو خشک چیز ہوتی ہے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، اور ہم سب کے چارپایوں کو مار کر کھا لیتے ہیں۔ اور اگر چارپائے نہیں پاتے ہیں، تو اُن کے عوض آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔

دراصل یہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں۔ اِس قوم کے لوگوں کی شکلوں اور صورتوں میں اختلاف ہے۔ اُن کے تعلق سے ہمارا اِس پر ایمان ہے کہ یاجوج ماجوج پیدا ہو چکے ہیں اور قربِ قیامت میں اُن کا ظہور ہوگا۔ قرآنِ مجید اور احادیث میں ان کے مصداق کا تعین نہیں کیا، اور نہ اُن کی واضح اور حتمی صفات بیان کی ہیں۔ ان کی صفات اور مصداق کے متعلق جو کچھ بھی کہا گیا، وہ سب ظن وتخمین اور اندازوں پر مبنی ہے۔ اُس کی نظیر یہ ہے کہ ہمارا اِس پر ایمان ہے کہ جنت اور دوزخ موجود ہے، لیکن ہم قطعی طور پر یہ نہیں بتا سکتے کہ جنت اور دوزخ کس جگہ پر ہے۔ جن 'اخبارِ آحاد' سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے، اُن سب سے ظنی ثبوت ہوتا ہے نہ کہ قطعی۔ غرضیکہ اُس گروہ نے حضرت ذوالقرنین سے یہ بات کہی کہ ہم اُس قوم سے تنگ آ گئے ہیں۔۔۔

(تو کیا ہم مقرر کرلیں آپ کا کچھ خراج اِس پر، کہ آپ کھنچوا دیں ہمارے اور اُن کے درمیان ایک دیوار)۔ اِس پر آپ نے۔۔۔

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ

جواب دیا کہ "جو طاقت بخشی ہے مجھ کو اِس میں میرے رب نے، وہ سب سے بہتر ہے، پس تم لوگ میری مدد کرو

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾

زورِ بازو سے، تو میں بنادوں تمہارے اور اُن کے درمیان مضبوط روک ●

(جواب دیا کہ جو طاقت بخشی ہے مجھ کو اِس میں میرے رب نے، وہ سب سے بہتر ہے)۔ یعنی مجھ کو اِس کام کو انجام دینے کی تم سے کوئی مزدوری نہیں چاہیے، اور اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو، (پس تم لوگ میری مدد کرو) اپنے (زورِ بازو سے)۔ یعنی اِس کام کے لیے تمہاری قوم کے جس عملی تعاون اور جن اسباب واشیاء کی ضرورت ہو اُن کو حاضر کردو، تاکہ اِس کام میں مجھے قوت ملے۔۔ المختصر۔۔ تم میرے معاون ہو جاؤ، (تو میں بنادوں تمہارے اور اُن کے درمیان ایک مضبوط روک) اور ایک سخت آڑ، کہ اس میں بعض بعض پر مرکب ہے۔۔ تو۔۔

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ

لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں،" یہاں تک کہ جب برابر کردیا اسے دونوں پہاڑوں کے کناروں سے، حکم دیا کہ "سب لوگ پھونکو،"

حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴿ؕ۹۶﴾

یہاں تک کہ جب کر دیا اُس کو دہکتی آگ، حکم دیا کہ "لاؤ میں انڈیل دوں اس پر پگھلا تانبا" ●

(لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں)، جو لوہے کے ٹکڑوں اور لوہے کی اینٹوں سے تیار کی گئی ہوں۔

ساتھ ہی ساتھ آپ نے انہیں یہ بھی بتا دیا، فلاں مقام پر لوہے کی کان ہے اور فلاں مقام پر تانبے کی کان ہے۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت ذوالقرنین کے حکم سے لوہے کی چادریں بنائی گئیں۔ جب چادریں بن چکیں، تو حکم کیا کہ دو پہاڑوں کے درمیان کہ چار[۴] ہزار قدم کا فاصلہ ہے، اس میں پینسٹھ[۶۵] گز چوڑی نیو کھودو۔۔ چنانچہ۔۔ اتنی گہری نیو کھودی، کہ پانی نکل آیا۔ پھر زمین کی تہہ میں پانی پر پتھر کی چٹان رکھی اور اِس پر لوہے کی چادریں بچھادیں۔

(یہاں تک کہ جب برابر کر دیا اُسے دونوں پہاڑوں کے کناروں سے) اور دو پہاڑوں کا درمیانی فاصلہ اوپر تک پہاڑوں کے برابر کر دیا، یعنی پہاڑوں کے درمیانی فاصلے کے خلا کو اوپر سے پانی کی تہہ تک بھر دیا اور اس میں دھو نکنے اور پھونکنے کی راہیں اِدھر اُدھر بنائیں۔

اس دیوار کی بلندی دو[۲] سو گز اور اُس کی چوڑائی پچاس[۵۰] گز تھی۔ دیوار کی تکمیل کے بعد درمیان والی لکڑیوں اور کوئلوں کو مضبوط کرنے کے لیے انہیں ایک طرف سے آگ لگا دی، پھر حضرت ذوالقرنین نے تمام عملے کو۔۔۔

(حکم دیا کہ سب لوگ پھونکو) لوہے کی چادروں میں، (یہاں تک کہ جب کر دیا اُس کو دہکتی آگ)، یعنی اُن چادروں اور لوہے کی تختیوں کو دہکتا شعلہ بنا دیا، تو آپ نے (حکم دیا) انہیں جو سیسہ پگھلانے اور لوہے کے اندر کی لکڑیوں اور کوئلہ وغیرہ جلانے پر مامور تھے، (کہ لاؤ) میرے سامنے وہ پگھلا ہوا سیسہ، تا کہ (میں اُنڈیل دوں) یعنی میرے حکم سے اُنڈیل دیا جائے (اِس پر پگھلا تانبا)۔

چونکہ یہ سارا کام آپ کے حکم سے انجام دیا جا رہا تھا، تو گویا یہ سب کچھ آپ ہی کر رہے تھے۔ اس لیے اس کے کرنے کی نسبت آپ کی طرف کر دی گئی۔ لوہے کی چادریں اور درمیان کا کوئلہ اور سیسہ وغیرہ آپس میں مل کر سخت مضبوط پہاڑ کی طرح ہو گئے اور ساتھ ساتھ زبردست چکنے بھی رہے۔۔۔

فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾

تو وہ سب نہ چڑھ سکے اُس پر، اور نہ سوراخ کر سکے ●

(تو) اُس کے چکنے پن اور بلندی کی وجہ سے، (وہ سب نہ چڑھ سکے اُس پر)۔۔الغرض۔۔ اُس پر یاجوج ماجوج کا چڑھنا دشوار ہوگیا۔ کیونکہ چکنے پن کی وجہ سے اُس پر کسی کا قدم نہیں ٹھہر سکتا تھا ۔۔مزید برآں۔۔دیوار کی بلندی مانع تھی اِس بات سے کہ کوئی اُس پر چڑھ سکے۔ (اور) سختی کا یہ عالم، کہ (نہ) ہی (سوراخ کر سکے) اس میں، اس لیے کہ وہ سخت بھی تھی اور ضخیم بھی، تو اتنے بڑے فاصلے کو کس طرح نقب لگا سکتے تھے۔ تو ہزار کوششوں کے باوجود یاجوج ماجوج اُس دیوار کو پار کرنے پر قادر نہ ہوسکے۔ دیوار بنانے کے بعد۔۔۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ

ذوالقرنین نے کہا کہ "یہ رحمت ہے میرے رب کی طرف سے، پھر جہاں آیا میرے رب کا وعدہ، تو یہ ریزہ ریزہ کیا رکھا ہے۔

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾

میرے پروردگار کا ہر وعدہ درست ہے" ●

(ذوالقرنین نے کہا کہ یہ) دیوار اور اِس کو پورا کرنے کی قدرت، (رحمت ہے میرے رب کی طرف سے) اُن لوگوں پر جو یاجوج ماجوج کے فتنے سے ڈرتے تھے۔ (پھر جہاں آیا میرے رب کا وعدہ) قیامت کے آثار کے تعلق سے۔

۔۔مثلاً: یاجوج ماجوج کا دیوار کا توڑنا اور دجال کا آنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا وغیرہ وغیرہ۔

(تو) صاف طور پر دیکھا جاسکے گا، کہ (یہ ریزہ ریزہ کیا رکھا ہے)۔ یعنی باوجودیکہ یہ دیوار بہت زیادہ مضبوط ہے، لیکن وقت آنے پر یہ ریزہ ریزہ ہوکر چٹیل میدان ہوجائے گا۔۔الغرض۔۔حق تعالیٰ اس دیوار کو یاجوج ماجوج کی راہ میں سے اُٹھالے گا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ ہر وہ کام جو اگرچہ بندوں کے عمل سے تیار ہوکر خلق خدا کو فائدہ پہنچائے، تو وہ بھی احسان و کرم خداوندی ہے، تو دیوار کا بنانا خدائے رحیم کی رحمت کو ظاہر کرتا ہے اور دیوار کو جڑ سے ہٹا دینا، یہ قادرِ مطلق کی قدرت کو بیان کرتا ہے۔

حق تعالیٰ نے قیامت کے تعلق سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ہوکے رہے گا، اس لیے کہ (میرے پروردگار کا ہر وعدہ درست ہے) وہ ضرور پورا ہوگا۔

ربانی ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْۤ اَوْلِيَآءَ

تو کیا گمان کرلیا ہے جنہوں نے کفر کیا، کہ بنالیں میرے بندوں کو، مجھے چھوڑ کر، اپنا دوست۔

اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾

بے شک ہم نے تیار کررکھا ہے جہنم کو کافروں کی مہمانی کو●

(تو کیا گمان کرلیا ہے جنہوں نے کفر کیا کہ بنالیں میرے بندوں کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست) اور معبود، جو مدد دے کر ان کو میرے عذاب سے بچائیں گے اور انہیں نفع پہنچائیں گے؟ یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام کو جو انہوں نے خدا ٹھہرایا، اُس سے اُن کو کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، بلکہ **(بے شک ہم نے تیار کررکھا ہے جہنم کو کافروں کی مہمانی کو)**، یعنی اُترنے اور پھرنے کی جگہ۔

۔۔یا۔۔ ماحضر جو جلدی میں مہمانوں کے واسطے لاتے ہیں۔ اور اِس معنی میں اِس بات کی تنبیہ ہے کہ کافروں پر ایسے عذاب ہوں گے کہ ان کے سامنے دوزخ حقیر چیز ہوگی۔ یہ نادان اپنی خام خیالی کی وجہ سے سمجھ ہی نہ سکے، کہ کون سا عمل اُن کے حق میں نفع بخش ہوگا اور کس عمل سے اُن کا دیوالیہ نکل جائے گا۔۔تو۔۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

کہہ دو کہ "کیا میں بتادوں تمہیں عمل میں سب سے زیادہ دیوالیہ"● وہ جن کی کوشش گم ہوگئی

الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

دُنیاوی زندگی میں، اور وہ خیال کررہے ہیں کہ وہ خوب کررہے ہیں کام●

اَے محبوب! اُن سے **(کہہ دو کہ کیا میں بتادوں تمہیں عمل میں سب سے زیادہ دیوالیہ)** کس میں ہے؟ **(وہ جن کی کوشش گُم ہوگئی)** اور ضائع ہوگئی، اور بظاہر نیک کاموں کے لیے اُن کا دوڑنا برباد کردیا گیا **(دنیاوی زندگی میں)**، اور وہ خیال کررہے ہیں کہ وہ خوب کررہے ہیں کام۔

جیسے یہود و نصاریٰ کے عابد و زاہد لوگ کہ اکثر اپنے معبد میں روزہ نماز کرتے تھے، لیکن کفر کے سبب سے اُن کے سارے اعمال باطل ہیں جن کا کچھ ثواب انہیں نہیں ملے گا۔ یوں ہی جو کفار اپنے رشتہ داروں سے میل رکھتے، فقیروں کو کھانا کھلاتے، لونڈی غلام آزاد کرتے تھے۔

(اور) اُن کا حال یہ ہے، کہ (وہ) اپنے طور پر (خیال کررہے ہیں کہ وہ خوب کررہے ہیں کام)۔ یہ لوگ بھی کسی طرح کا کوئی اجر پانے والے نہیں۔ کیوں کہ یہ۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا

وہی ہیں جنہوں نے انکار کردیا اپنے رب کی آیتوں کا، اوراُس کے ملنے کا، تو غارت ہوگئے اُن کے سب کام، تو

نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا

نہ رکھیں گے ہم اُن کا قیامت کے دن کوئی وزن ● یہ اُن کی سزا ہے جہنم، کہ انہوں نے کفر کیا تھا

وَ اتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾

اور بنالیا تھا میری آیتوں اور رسولوں کا مذاق ●

(وہی) تو (ہیں جنہوں نے انکار کردیا اپنے رب کی آیتوں کا)، یعنی قرآن کا۔۔یا۔۔دلائلِ توحید کا (اوراُس کے ملنے کا) جو بعث ونشر کے وقت اہلِ محشر کو میسر آنے والا ہے، (تو غارت ہوگئے ان کے سب کام) جو ظاہر میں نیک معلوم ہوتے تھے۔۔چنانچہ۔۔وہ اِن کاموں کی نیک جزا نہ پائیں گے۔ (تو نہ رکھیں گے ہم اُن کا قیامت کے دن کوئی وزن) یعنی ترازو، کہ اس میں اُن کے وہ اعمال تولیں۔ اس واسطے کہ وہ عمل تو سب نیست ونابود ہوگئے۔۔یا۔۔اُن کے واسطے ہم کچھ وزن نہ رکھیں گے، یعنی وہ کافر مقدار اور اعتبار نہ رکھیں گے، بلکہ ذلیل اور گرفتارِ بلاء ہوں گے۔ (یہ) یعنی یہی کام جو کہا گیا، کہ اُن کے عمل باطل ہوں گے اور اُن کی کچھ قدر نہ ہوگی (اُن) اعمالِ باطلہ والوں (کی سزا ہے جہنم)، کیوں (کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور بنالیا تھا میری آیتوں اور رسولوں کا مذاق) یعنی کتاب اور پیغمبر کے ساتھ مسخراپن کرتے تھے۔ اِن کے برعکس وہ خوش نصیب لوگ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

بے شک جو مان گئے اور لیاقت والے کام کیے، انہیں کی فردوس کے باغ مہمانی ہیں ●

(بے شک جو مان گئے) یعنی دِل کی سچائی کے ساتھ ایمان والے ہوگئے (اور لیاقت والے کام کیے)، یعنی ایسے کام انجام دیے جو مومنین کی شایانِ شان ہیں، بس (انہیں کی فردوس کے باغ مہمانی ہیں)۔ ایسے باغ جن میں درخت ہوں گے اور ان میں اکثر انگور کی ٹہنیاں ہوں گی۔ اور اُن

میں اُن کی ایسی خاطر مدارات ہوگی، جو مہمانوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔اُن کو ہر طرح کی دل شکنی سے محفوظ رکھا جائے گا۔

اِس مقام پر اُس مہمانی کی تعبیر **نُزُل** سے کی گئی ہے، اس لیے کہ **نُزُل** اُس کھانے کو کہتے ہیں، جو بے تکلف مہمان کے لیے جلدی لایا جائے، اور تکلف کے ساتھ ضیافت اُس کے بعد ہوتی ہے۔حق تعالیٰ نے فردوس کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا ہے اور دُنیا کے دنوں میں ہر دن کی جو مقدار ہے، اُس مقدار کے ہر روز پچاس بار اُس کی طرف نظر کر کے فرماتا ہے، کہ "اپنا حسن و جمال اور تازگی اور پاکیزگی میرے دوستوں کے واسطے زیادہ کر"۔ وہاں اُن دوستوں کے لیے ایسے عطیے ہوں گے، کہ فردوس کی نعمتیں اُس کے سامنے ایک حقیر چیز ہوسکتی ہیں اور وہ 'دولتِ لقاء' کی عطا ہے، جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جنتوں میں سب سے بلند درجہ فردوس ہے، اس واسطے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم خدا سے مانگو، تو فردوس مانگو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جنتوں کے ناموں میں سے ایک نام فردوس ہے، کہ ایمان والے وہاں اُتریں گے۔

اور حال یہ ہے، کہ وہ۔۔۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

ہمیشہ رہنے والے اُس میں، نہ چاہیں گے اُس سے تبدیلی ●

(ہمیشہ رہنے والے) ہوں گے **(اُس میں)**، ایسا کہ **(نہ چاہیں گے اُس سے تبدیلی)**۔یعنی کوئی بدلا۔۔یا۔۔نہ ڈھونڈیں گے وہاں سے دوسرے مکان میں جانا، اس واسطے کہ ان کے سب مطلب وہیں مہیا ہوں گے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ جنت کسی حال میں بھی کمتر وخسیس نہیں ہے، ہاں اُس کی نعمتوں میں فرقِ مراتب ضرور ہے۔جنت کی نعمتوں میں سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع نعمت، اللہ تعالیٰ کی لقاء اور اُس کی رضا ہے۔ یہود نے یہ اعتراض کیا تھا، کہ تم کہتے ہو کہ تمہارے نبی کو حکمت دی گئی ہے اور تمہارے قرآن میں ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو خیرِ کثیر دی گئی، پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ تم کو بہت کم علم دیا گیا؟ اِس کا جواب یہ ہے، کہ بے شک نبی ﷺ کو خیرِ کثیر دی گئی ہے اور آپ کا علم بہت عظیم ہے، تمام مخلوق کا علم آپ کے علم کے مقابلے میں

ایک قطرہ ہے، اور آپ کا علم تمام مخلوق کے مقابلے میں سمندر ہے، لیکن آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اس طرح بھی نہیں ہے، جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو، کیونکہ قطرے کی نسبت سمندر کی طرف 'متناہی' کی نسبت 'متناہی' کی طرف ہے، اور آپ کے علم کی نسبت اللہ کے علم کی طرف 'متناہی' کی نسبت 'غیر متناہی' کی طرف ہے۔۔تو۔۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

کہہ دو کہ "اگر ہو جائے سمندر روشنائی، میرے رب کے کلمات کے لیے، تو ضرور سمندر ختم ہے قبل اس کے کہ ختم ہوں

كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

میرے رب کے کلمات، گو ہم لے آئیں اسی طرح مدد کو" ●

اَے محبوب! (**کہہ دو کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی، میرے رب کے کلمات**) یعنی قرآن کے معنی۔۔یا۔۔خدا کے علم میں جو چیزیں ہیں انہیں لکھنے (**کے لیے، تو ضرور سمندر ختم ہے**)، یعنی اس کا فنا ہو جانا یقینی ہے (**قبل اِس کے کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات**)۔

چونکہ سمندر جسم ہے اور ہر جسم 'متناہی' ہوتا ہے، تو اُس کا پانی اپنی انتہا کو پہنچ سکتا ہے، لیکن 'غیر متناہی علوم الٰہیہ' کو لکھ نہیں سکتا۔۔الحاصل۔۔ اِس روشنائی سے جو 'متناہی' ہے 'کلماتِ نامتناہی' نہیں لکھے جاسکتے۔۔۔

(**گو ہم لے آئیں اِسی طرح مدد کو**) اس روشنائی کی، اور اُس روشنائی پر زیادہ کردیں۔

اب یہودیوں کو دیے گئے مذکورہ جواب کا حاصل یہ ہوا، کہ حق تعالیٰ کا علم بے نہایت ہے اور کسی کا علم کتنا ہی زیادہ ہو جائے، وہ علم الٰہی کے مقابلے میں کم سے کم ہی رہے گا۔۔تو۔۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ

کہہ دو کہ "میں بس چہرہ مہرہ رکھنے میں تمہارے روپ میں ہوں، وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ تمہارا معبود بس معبود اکیلا ہے،"

يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾

تو جو امیدوار ہے اپنے پروردگار سے ملنے کا، تو چاہیے کہ کام کرے لیاقت والا، اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ●

اَے محبوب! (**کہہ دو، کہ**) میں نے اِس بات کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں نے تمام علوم الٰہیہ کا

احاطہ کرلیا ہے، اور کوئی 'متناہی' اِس بات کا دعویٰ کر بھی نہیں سکتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو، کہ (میں بس چہرہ مہرہ رکھنے میں تمہارے روپ میں ہوں)۔ یعنی جیسے تم چہرہ مہرہ رکھتے ہو، ویسے ہی میں بھی چہرہ مہرہ رکھتا ہوں۔ تو صرف چہرہ مہرہ رکھنے میں میں تمہاری طرح ہوں، نا کہ چہرہ مہرہ میں۔ اس لیے کہ میرا چہرہ مہرہ بلکہ ہر ہر عضوِ بدن، معجزانہ شان والے ہیں جو تمہیں میسر نہیں۔

چہرہ مہرہ رکھنے اور صاحبِ بُشرہ ہونے کی وجہ سے مجھے بشر کہا جاسکتا ہے، لیکن میرے بشرے کو جو عظمت و برتری حاصل ہے، وہ تمہارے بشرے کو کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔ اِس عظیم فرق کے باوجود میری ذات اور صفات بہرصورت 'متناہی' ہیں، وہ 'غیر متناہی' صفاتِ ربّانیہ کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ اور مجھے اِس کا دعویٰ بھی کب ہے؟ میں تو صرف اِس بات کا مدعی ہوں، کہ (وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ تمہارا معبود بس معبود اکیلا ہے)۔ الٰہیت میں جس کا کوئی شریک نہیں۔

میں تمہاری اِس خام خیالی کو دُور کرنا چاہتا ہوں جو تم لوگوں نے اپنے طور پر گمان کررکھا ہے، کہ کوئی بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ تو دیکھو میں بشر بھی ہوں جبھی تو صاحبِ بشرہ ہوں، اور نبی بھی ہوں اِسی لیے تو میری طرف وحی کی جاتی ہے، اور میں تمہیں ہدایت ونجات اور دارین کی صلاح وفلاح کی راہ دکھاتا ہوں۔ (تو) غور سے سن لو! (جو امیدوار ہے اپنے پروردگار سے ملنے کا)، یعنی لقاءِ ربّانی کا طلب گار ہے اور جنت میں قربِ الٰہی چاہتا ہے، (تو) اُسے (چاہیے کہ کام کرے لیاقت والا)، یعنی ایسا کام جو خدا کو پسندیدہ ہو۔

اور ظاہر ہے کہ عملِ صالح، پیغمبر علیہ السلام کی متابعت اور راہِ سنت پر چلنا ہے۔ اور اپنے اعمال کو نام ونمود اور ریاء کاری سے بچا کے رکھنا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ عمل کرنے والا نیک عمل کرے، (اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو)، یعنی کسی کو دکھانے سنانے کے لیے اور اپنی واہ واہی کے لیے عمل نہ کرے، اس لیے کہ ریاء چھوٹا شرک اور عمل کو غارت اور تباہ کرنے والا ہے۔

تو پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ کی ریاء سے عمل میں اور بچاؤ چاہتے ہیں ہم اُس کے سبب سے رسوائیوں میں پڑنے سے۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۳ ربیع النور شریف ۱۴۳۲ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء

بروز پنج شنبہ کوسورۂ کہف کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے

کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اَجْمَعِیْنَ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج بتاریخ

۱۷ ربیع النور شریف ۱۴۳۲ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۱ فروری ۲۰۱۱ء

بروز دوشنبہ، سورۂ مریم کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور پورے قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل کی

سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ حَبِیْبِكَ

صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ مَرْيَمَ

سُوْرَةُ مَرْيَمَ ١٩ مَكِّيَّةٌ ٤٤ — اٰيَاتُهَا ٩٨ رُكُوْعَاتُهَا ٦

۱۹۔ سورۂ مریم مکیہ ۔۴۴ — آیاتہا ۹۸ رکوعاتہا ۶

اِس سورت کا نام ’سورۂ مریم‘ ہے اس لیے کہ سیدہ مریم کا جس تفصیل کے ساتھ اس میں ذکر ہے، وہ قرآنِ کریم کی کسی دوسری سورت میں نہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ یہ ’سورۂ طٰہٰ‘ سے پہلے اور ’سورۂ فاطر‘ کے بعد نازل ہوئی۔ ’سورۂ طٰہٰ‘ حضرت فاروقِ اعظم کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوچکی تھی۔۔لہٰذا۔۔ اِس سورت کا نزول بعثتِ نبوی کے چوتھے سال میں ہوا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اِس سورت کا نزول حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہوا ہے اور نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے اِس سورت کی تلاوت کی تھی۔

اِن حروفِ مقطعات سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ یہ وہی جانے۔۔یا۔۔اُس کے بتانے سے وہ نبی جانے جس پر اِن حروف کو نازل فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔اُسی کے بتانے سے اُس کے دیگر محبوبین میں سے وہ جانیں، جنہیں اُس کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔سب سے اسلم راستہ یہ ہے کہ کہہ دیا جائے، کہ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اِن کلمات سے اُس کی اپنی مراد کیا ہے؟

بعض مفسرین نے کہا ہے یہ حروف اسماءِ الٰہی ہیں۔حضرت علی سے منقول ہے کہ آپ اپنی بعض دُعاؤں میں کٓهٰیٰعٓصٓ۔۔یا۔۔حٰمٓ عٓسٓقٓ پڑھتے تھے۔اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کافی، کبیر اور کریم جو اسماءِ الٰہی ہیں 'کاف' اُن کی کنجی ہے، اور 'ہا' اسم ہادی کی طرف اشارہ ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ ﷻ کے کسی نام کی ابتداء میں 'ی' نہیں ہے، تو کہتے ہیں کہ 'ی' یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ 'اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے'، کی طرف اشارہ ہے۔اور ایک قول یہ بھی ہے کہ 'ی' یَامَنْ یُّجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ، 'اُے وہ جو پناہ دیتا ہے اور نہیں پناہ دیا جاتا اُس پر'، کی طرف اشارہ ہے۔اور 'عین'، علیم، عزیز، عدل کا ہے، اور 'ص' صادق کا ہے۔

بعض عارفین کا کہنا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تین[۳] صورتیں ہیں:

☆۔۔ایک صورتِ بشری: جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی 'اے محبوب! فرمادو کہ میں بس چہرہ مہرہ رکھنے میں اور صاحبِ بشرہ ہونے میں تمہاری طرح ہوں۔

☆۔۔دوسرے ملکی: جیسا کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بے شک میں نہیں ہوں تم میں سے کسی کے مثل، میں رہتا ہوں اپنے رب کے پاس، وہ کھلاتا ہے مجھے اور پلاتا ہے مجھ کو"۔

☆۔۔تیسری حقی: جیسا کہ خود آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے واسطے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے، کہ نہیں گنجائش رکھتا اُس وقت میرے ساتھ کوئی فرشتہ نہ نبی بھیجا ہوا"۔ اور اس سے بھی کھلی ہوئی یہ حدیث ہے: "جس نے مجھے دیکھا، اُس نے حق دیکھا"۔

تو حضرتِ حق ﷻ نبی کی ہر ہر صورت میں آپ ﷺ سے ہم کلام ہوا۔ہاں ہر صورت کی مناسبت سے الگ الگ عبارت نازل فرمائی۔تو 'صورتِ بشری' کے لیے مرکب کلمے جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور 'صورتِ ملکی' میں حروفِ مفردہ جیسے کٓهٰیٰعٓصٓ وغیرہ مقطعات اور 'صورتِ حقی' میں کلامِ مبہم۔۔مثلاً: فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی، پھر وحی بھیجی اپنے بندے

کی طرف جو وحی بھیجی'۔۔اور۔۔ وَنُنۡشِئَكُمۡ فِيۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ 'اور پیدا کریں ہم تمہیں اُس جہاں میں جسے تم نہیں جانتے'۔۔الختصر۔۔حروفِ مقطعات حق تعالیٰ اور اُس کے حبیبِ کریم ﷺ کے درمیان میں ایک رمز ہیں۔اُنہیں میں سے ایک ہے **كٓهٰيٰعٓصٓ**۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سورت کا نام ہو اور اُس کا مابعد اِس کے ساتھ مترتب ہو،یعنی یہ سورت۔۔۔

ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّاۤ ۞۲

تذ کرہ ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا،اپنے بندے زکریا پر●

(تذ کرہ ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا اپنے بندے زکریا پر)۔

جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی نسل سے ایک عالی شان پیغمبر تھے اور بیت المقدس کے خادموں اور مجاوروں کے سردار اور مقربِ بارگاہِ الٰہی تھے۔

پس اَے محبوب! آپ اُن کا قصہ پڑھو اور یاد کرو۔۔۔

اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۞۳

جب کہ پکارا تھا اپنے رب کو دھیمی آواز سے●

(جب کہ پکارا تھا اپنے رب کو دھیمی آواز سے)۔

اس لیے کہ یہ پکارنا اخلاص سے زیادہ قریب ہے۔۔یا یہ کہ۔۔آپ دُعا تو بآوازِ بلند ہی کرتے تھے،مگر قوم سے پوشیدہ رہ کر،تاکہ آپ کی آواز کوئی سن نہ سکے۔اس واسطے کہ آپ اِس بات سے شرم کرتے تھے،کہ خود ننانوے[99] برس کے بوڑھے اور بی بی صاحبہ بانجھ بوڑھی،اِس حال میں لوگوں کے سامنے فرزند پیدا ہونے کی کیا دُعا کروں۔۔یا یہ کہ۔۔بڑھاپے کی وجہ سے اُن کی آواز ایسی ضعیف ہوگئی تھی کہ ہر چند بآوازِ بلند دُعا مانگتے مگر کوئی بھی نہ سنتا۔

۔۔الغرض۔۔انہوں نے کمال آرزو کے ساتھ یہ۔۔۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّيۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا

دُعا کہ"پروردگارا بے شک میں،تو ہڈی کمزور ہو چکی میری،اور سر نے بڑھاپا بھڑکا دیا

وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۞۴

اور کبھی نہ رہا تجھ سے دُعا کر کے پروردگارا محروم●

(دُعا) کی **(کہ پروردگارا! بے شک میں تو)** اس حالت میں ہوں کہ **(ہڈی کمزور ہو چکی میری)**، اور جب ہڈی جو تمام بدن کے اجزاء میں سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے وہ سست اور کمزور ہوگئی، تو تمام بدن بطریقِ اولیٰ کمزور ہوگا۔۔ الحاصل۔۔ میں کمزور ہو گیا **(اور سر نے بڑھاپا بھڑکا دیا)**، یعنی میرا سر بڑھاپے سے سفید ہو گیا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے سفیدی کو روشنی میں آگ سے تشبیہ دی ہے اور بال سفید ہونے کو آگ کے شعلے مارنے سے تشبیہ دی ہے۔

یعنی بڑھاپے کی وجہ سے میرا سر روشن اور چمکدار ہو گیا، **(اور کبھی نہ رہا تجھ سے دُعا کر کے پروردگارا محروم)** و ناکام اور بے نصیب و ناامید۔

یعنی میں نے جب جب دُعا کی، تُو نے اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائی۔ اِسی عنایاتِ بے پایاں کی وجہ سے مجھے دُعا کرنے کی عادت ہوگئی۔

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ

اور مجھے ڈر لگا ہے قرابت داروں کا اپنے بعد، اور میری بی بی بانجھ ہی رہ گئی، تو تُو ہی دے دے مجھے

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۗ

اپنی قدرت سے ایک ایسا کام کا ● جو میرا وارث بھی ہو اور نسلِ یعقوب کا وارث بھی ہو۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦

اور کر دے اُس کو پروردگارا اپنی پسند کا" ●

(اور) اِس وقت میرا حال یہ ہے، کہ **(مجھے ڈر لگا ہے قرابت داروں کا اپنے بعد)** کے لیے۔ یعنی میں ڈرتا ہوں اپنے چچازاد بھائیوں سے، کہ یہ میرے قرابت دار نیک کام کرنے اور دین قائم رکھنے کے کام میں سستی کریں اور میری امت میں میری خلافت کا حق اچھی طرح ادا نہ کریں، تو میرے بعد کے لیے کوئی میرا خلیفہ چاہیے، **(اور)** حال یہ ہے کہ **(میری بی بی بانجھ ہی رہ گئی)** جو اٹھانوے[۹۸] سال کی بڑھیا ہے، تو عادتاً اِس سے اولاد کی امید نہیں کی جاسکتی، لیکن میرے پروردگار تُو قادرِ مطلق ہے، تیری قدرت بڑی ہے، **(تو تُو ہی دے دے مجھے اپنی قدرت سے ایک ایسا کام کا)** فرزند، **(جو)** امورِ دین کا متولی ہو اور استحقاق کی رُو سے **(میرا وارث بھی ہو اور نسلِ یعقوب کا وارث بھی ہو)**، یعنی میراث

لے مجھ سے امانت اورنکوکاری کی، اور یعقوب بن اسحاق کے علم وحکمت کا وارث بنے۔

حضرت زکریا نے مال کے وارث کے لیے دُعا نہیں کی تھی، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا، بلکہ اُن کے علم اور نبوت کا وارث بنایا جاتا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ مجھے نیک فرزند عطا فرما (اور کردے اُس کو پروردگارا اپنی پسند کا) نیک اور شائستہ، کہ اُس کے قول وفعل سے تُو راضی ہو۔

حضرت زکریا یہ دُعا کرنے کے بعد سجدے میں عاجزی اور زاری کرتے تھے، کہ اللہ جل شانہ نے اپنے کرم سے اُن کی دُعا قبول فرمائی۔۔ چنانچہ۔۔ یہ ندا آئی، کہ۔۔۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

"اے زکریا، بلاشبہ ہم مژدہ سناتے ہیں تمہیں ایک لڑکے کا، جن کا نام ہے یحییٰ۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے ان کا پہلے کوئی ہم نام" ●

(اَے زکریا! بلاشبہ ہم مژدہ سناتے ہیں تمہیں ایک لڑکے کا، جن کا نام ہے یحییٰ)، جو اس شان کے ہیں، کہ (نہیں پیدا فرمایا ہم نے اُن کا پہلے کوئی ہم نام)۔ اور وہ بھی ایسے کہ جن کے نام رکھنے کو خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم میں لے لیا ہو، اور اُن کے ماں باپ کے حوالے نہ کیا ہو۔

۔۔الغرض۔۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی فضیلت کا بنیادی سبب یہ نہیں ہے کہ اُن سے پہلے کوئی اُن کا ہم نام نہ تھا، اس لیے کہ بہتیرے آدمی ایسے پیدا ہوئے ہوں گے کہ اُن سے قبل ان کا ہم نام نہیں پیدا ہوا ہو، بلکہ اُن کی فضیلت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کا نام رکھنے کو اپنے ذمۂ کرم میں لے لیا تھا۔ یہ شرف اُن سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔۔ ہاں۔۔ اُن کے بعد ایک ایسی ذاتِ ستودہ صفات آنے والی تھی، جس کو خدا نے کئی ناموں کے ساتھ مخصوص فرمایا اور اُس کا اسم شریف اپنے اسمِ مبارک سے مشتق فرمایا، اور وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ جامع الکمالات ہے۔ حضرت زکریا نے جب مذکورہ بالا خوشخبری سماعت فرمائی، تو فرطِ مسرت میں سرشار ہوگئے اور یہ جاننے کے لیے گزارش کر بیٹھے، کہ اَے میرے پروردگار کیا تُو مجھے جوان کرے گا۔۔ یا۔۔ اِسی بڑھاپے کی حالت میں اپنی قدرتِ کاملہ سے مجھے فرزند دے گا۔۔ چنانچہ۔۔ آپ نے۔۔۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ

کہا کہ "پروردگارا کیسے ہوگا میرے لڑکا؟ اور میری بی بی تو بانجھ ہی رہی، اور میں پہنچ چکا

مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾

بڑھاپے سے آخری حد کو" ●

(کہا کہ پروردگارا! کیسے ہوگا میرے لڑکا، اور) حال یہ ہے کہ (میری بی بی تو بانجھ ہی رہی اور میں پہنچ چکا بڑھاپے سے آخری حد کو)، تو اَے قادرِ مطلق! کیا تُو مجھے جوان کرکے اور میری بی بی کو تندرست کرکے لڑکا عطا فرمائے گا۔۔یا۔۔ہم دونوں کو اِسی بڑھاپے کی حالت میں رکھتے ہوئے اپنی قدرتِ کاملہ کی شان دکھائے گا؟۔۔۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ

فرمایا، "یونہی ہے۔" تمہارے رب کا فرمان ہے کہ "وہ مجھ پر آسان ہے، اور تم کو بھی تو میں پہلے پیدا کر چکا،

وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾

حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے" ●

(فرمایا یوں ہی ہے)۔یعنی اِسی طرح بڑھاپے اور ناطاقتی کی حالت میں تجھے فرزند عطا فرمائے گا۔کیونکہ (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے)، یعنی ایسے دو شخصوں سے اس سن میں فرزند پیدا کرنا میری قدرتِ کاملہ کے سامنے آسان ہے۔(اور) اَے زکریا! تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ (تم کو بھی تو میں) یحیٰی سے (پہلے پیدا کر چکا، حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے)، یعنی تم معدوم محض تھے، میں نے تمہیں موجود کیا۔تو میں "جو تمہیں عدم سے وجود میں لایا" قادر ہوں کہ دو بوڑھوں سے بیٹا بھی پیدا کر دوں۔

زکریا علیہ السلام اِس خوشخبری سے خوش ہوئے، مگر انہیں یہ معلوم نہ ہوا، کہ عنقریب فرزند پیدا ہوگا۔۔یا۔۔مدت کے بعد۔۔تو۔۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ

عرض کیا، "پروردگارا بتادے مجھ کو کوئی نشانی۔" فرمایا، "تمہاری نشانی ہے کہ مت بولو لوگوں سے تین رات دن،

سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ

تندرست رہتے ہوئے" ● تو نکلے اپنی قوم پر محرابِ مسجد سے، پھر انہیں اشارہ کیا

اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾

کہ "اللہ کی پاکی بولتے رہو صبح وشام" ●

(عرض کیا پروردگارا! بتادے مجھ کو کوئی نشانی)۔یعنی کوئی علامت مجھے ایسی بتادے، کہ جس سے مجھے معلوم ہوجائے، کہ اب وہ فرزند عنقریب پیدا ہونے والا ہے۔**(فرمایا تمہاری نشانی ہے کہ مت بولو لوگوں سے تین رات دن تندرست رہتے ہوئے)**۔یعنی تم تین۳ دن رات برابر لوگوں سے بات نہ کر سکوگے۔۔یا یہ کہ۔۔تندرست ہونے کے باوجود بات کرنے پر قادر نہ رہوگے۔

روایت ہے کہ اُسی وقت اُن کی زبان منہ میں بہت موٹی ہوگئی، حتی کہ اُس کو حرکت دینے کی مجال نہ تھی۔

(تو نکلے) اُس رات کی صبح کو جس رات آپ کی بی بی اشیاع نامی حاملہ ہوئیں، **(اپنی قوم پر محراب مسجد سے، پھر انہیں اشارہ کیا کہ اللہ)** تعالیٰ **(کی پاکی بولتے رہو صبح وشام)**، یہ کہ نماز پڑھو۔۔یا تسبیح کرو اپنے خدا کی صبح وشام۔

۔۔الغرض۔۔تین۳ دن اِسی حال میں گزرے۔پھر زکریا علیہ السلام اپنی حالت اِصلی میں آئے۔اور مدتِ حمل گزرنے کے بعد یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔لڑکپن میں ٹاٹ پہنتے اور ریاضت کے طور پر عبادت میں عابدوں کا ساتھ دیتے۔حتی کہ اُن پر وحی آئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴿ۙ۱۲﴾

اَے یحییٰ! "تھام لو کتاب کو مضبوطی سے،" اور دے رکھا تھا ہم نے انہیں دانائی بچپن ہی میں●

(اَے یحییٰ! تھام لو کتاب) توریت **(کو مضبوطی سے)** کوشش اور محنت سے۔۔یا۔۔قوتِ دل سے۔یعنی پوری قوت سے تورات کو حفظ کرلو، اُس میں غور وفکر کرو اور اُس کے احکام پر عمل کرو۔۔چنانچہ ۔۔وہ حکمِ الٰہی پر عمل کرتے رہے **(اور)** کیوں نہ ایسا ہوتا، اس لیے کہ ارشادِ ربانی ہے، کہ **(دے رکھا تھا ہم نے انہیں دانائی بچپن ہی میں)**۔

اِسی لیے جب بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیل کود کے لیے بُلایا اُس وقت آپ کی عمر شریف صرف تین۳ سال۔۔یا۔۔سات سال کی تھی۔تو آپ نے جواب دیا کہ ہم کھیل کود اور تماشے کے لیے نہیں پیدا ہوئے۔**اِس جواب سے اُن لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے، جو زندگی بھر کھیل تماشے میں وقت ضائع کرتے ہیں اور دُنیا کے دامِ تزویر میں پھنسے** رہتے ہیں۔ایک قول کے مطابق **حُکۡم** سے نبوت مراد ہے، اس لیے کہ انہیں تین۳۔۔یا۔۔

سات سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ نبوت کو حُكْمَ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے، کہ اُن کی بچپن سے ہی عقل پختہ اور مضبوط تھی۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچپن میں وحی سے نوازا۔۔نیز۔۔ارشادِ خداوندی ہے، کہ۔۔۔

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ۭ وَ كَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ

اورنرم دلی اپنی طرف سے، اور پاکیزگی، اوراللہ سے بڑے ڈرنے والے تھے● اورنیک سلوک کرنے والے اپنے ماں باپ سے،

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾

اور نہ تھے زبردستی کرنے والے نافرمان●

(اور) ہم نے عطا کی اُن کو **(نرم دلی اپنی طرف سے)**، یعنی ہم نے اُن کے دل میں رحمت اور والدین وغیرہما کے لیے شفقت پیدا فرمائی **(اور پاکیزگی)** مرحمت فرمائی۔۔چنانچہ۔۔وہ خشیتِ الٰہی والے، فرمانبردار اور گناہوں سے بچنے والے **(اور اللہ)** تعالیٰ **(سے بڑے ڈرنے والے تھے)**۔ **(اور نیک سلوک کرنے والے اپنے ماں باپ سے، اور نہ تھے زبردستی کرنے والے نافرمان)**۔یعنی اپنے ماں باپ کو ایذا دینے والے اور اُن کا حکم نہ ماننے والے اور خدا کے گنہگار نہ تھے۔

یعنی انہیں ایسی شفقت نصیب ہوئی، کہ ان کو ادائیگیٔ وجوب میں خلل اندازی سے بچاتی تھی۔اس لیے کہ بعض اوقات شفقت انسان کو ادائیگی وجوب سے روک لیتی ہے۔تو اب معنی یہ ہوا۔۔۔

کہ ہم نے انہیں والدین وغیرہما پر شفقت و رحمت کرنے کی ایسی طبیعت بخشی جس سے وہ ادائیگیٔ وجوب میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

اور سلامتی ہے اُن پر اُن کے میلاد کے دن، اور وصال کے دن، اور جس دن اُٹھائے جائیں گے زندہ●

(اور سلامتی ہے اُن پر اُن کے میلاد کے دن اور وصال کے دن، اور جس دن اُٹھائے جائیں گے زندہ)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یحییٰ علیہ السلام پر اِن احوال میں سلامتی ہے، جب کہ یہ احوال انسان کے لیے زیادہ وحشت ناک ہوتے ہیں۔اِسی لیے ان حالات کی وحشت کی دُوری

صرف **سلم** کے ثبات و دوام سے ہوسکتی ہے اور بس۔ پیدائش کے وقت شیطان ڈراتا ہے لیکن ربِّ کریم نے سلامتی اور امان نازل فرما کر یحییٰ علیہ السلام کو محفوظ فرمالیا۔ اور اُس وقت جب کہ وہ طبعی موت سے واصل باللہ ہوں گے، یہ وقت بھی اور اُس کے بعد قبر کے اوقات وحشت ناک ہوتے ہیں، لیکن خداوندِ کریم نے یحییٰ علیہ السلام کو امن وسلامتی سے نوازا اور اُس وقت جب وہ قیامت میں زندہ ہو کر اٹھیں گے، تو انہیں قیامت کی وحشت اور عذابِ نار سے سلامتی اور امن بخشے گا۔

وِلادت، موت اور قبر سے محشر کے لیے اٹھنے کے مواقع اس لیے وحشت ناک ہیں، کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے، تو اُسے دُنیا کا عالم ایک اجنبی ملک محسوس ہوتا ہے۔ اِسی لیے پیدا ہوتے ہی دھاڑیں مارتا ہے۔ اور جب مرے گا، تو قبر میں ایسے لوگوں سے ملاقات ہوگی جو دُنیاوی زندگی سے غیر مانوس ہوں گے۔ اور محشر میں اٹھے گا، تو اپنے کو ایسے علاقے میں پائے گا جسے اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یحییٰ علیہ السلام کو اِن وحشت ناک مقامات سے امان اور سلامتی بخشی گئی۔

سورۂ مریم کا اختتام حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی وِلادت سے کیا گیا ہے۔ اِسی ضمن میں حضرت زکریا کی فرزند کے لیے دُعا اور پھر اُنہیں بیٹے کی بشارت کا بھی ذکر آ گیا ہے۔۔ نیز۔۔ یہ ذکر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت عطا فرمادی۔ اِس کے بعد مقدس، پاکدامن، پارسا کنواری، دوشیزہ سیدہ مریم علیہا السلام سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وِلادت کا ذکر ہے، تاکہ خلافِ عادت کاموں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ دوسری دلیل ہوجائے۔ اِسی اثنائے کلام میں دوسرے اہم واقعات اور عجائباتِ قدرت کا بھی ذکر آ گیا۔

پھر آگے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اپنے عُرفی باپ، آزر سے مناقشے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام جو بانجھ تھیں، خلافِ عادت انہیں بھی اولاد عطا فرمائی گئی، جن کا اسم گرامی اسحاق رکھا گیا۔ اور اِس سے پہلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ اِس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جن کی طوٗر پر مناجات کے ذکر کے ساتھ اِس بات کا بھی تذکرہ ہے، کہ اُن کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنایا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہے جو صادق

الوعد تھے۔ اِس کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے۔ یہ سب کچھ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذُرّیت سے اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام پر انعام فرمایا۔ اُنہیں لوگوں کی طرف نبی ورسول بنا کر بھیجا، کہ وہ اُنہیں توحید کی دعوت دیں اور شرک کو ترک کرنے کا حکم دیں۔۔المختصر۔۔حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تعلق سے بیان فرمانے کے بعد۔۔۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾

وقف لازم

اور تذکرہ کرو کتاب میں مریم کا۔۔۔جب کہ الگ ہٹ گئیں اپنے لوگوں سے پورب کی سمت ایک جگہ ●

(اور) اُن کے بارے میں بشارت کا ذکر کردینے کے بعد اَے محبوب! **(تذکرہ کرو کتاب میں مریم کا)** یعنی اس کتاب میں ان کا ذکر کیجیے اور اُن کے واقعات کو یاد کیجیے، **(جب کہ الگ ہٹ گئیں اپنے لوگوں سے پورب کی سمت ایک جگہ)**۔

حضرت مریم بنتِ عمران کی یہ عادت تھی کہ ہمیشہ بیت المقدس کی مسجد میں رہتیں۔ جب عذر واقع ہوتا، تو اپنی خالہ کے گھر چلی جاتیں اور پاک ہونے کے بعد مسجد میں پھر آجاتیں۔ ایک دفعہ اپنی خالہ کے گھر میں تھیں اور انہیں غسل کی حاجت ہوئی، غسل کرنے کو ایک جگہ ڈھونڈی۔حق تعالیٰ اُس سے خبر دیتا ہے کہ جب دُور ہوگئی مریم۔۔یا۔۔کنارہ کیا اپنے لوگوں، یعنی اپنی خالہ اور ان کے لوگوں سے، ایسے مکان میں جو بیت المقدس سے پورب کی طرف تھا۔۔یا۔۔خود اُن کی خالہ کے مکان کے مشرقی حصہ میں تھا اور اس کا منہ آفتاب کی طرف تھا۔ یہ نکلنا جاڑے کے دنوں میں نہانے کے لیے تھا۔۔۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا

پھر ڈال لیا اُن کی طرف سے پردہ۔۔۔پھر بھیجا ہم نے اُن کی طرف اپنے روحانی کو،

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾

تو روپ بھرا انہوں نے اُن کے حق میں ایک تندرست بشر کا ●

(پھر ڈال لیا اُن کی طرف سے پردہ)۔یعنی اُن کی طرف سے ایسا پردہ کرلیا کہ اُس کی آڑ میں نہائیں اور کوئی انہیں دیکھ نہ سکے۔ جب نہا چکیں اور کپڑے پہن لیے، **(پھر بھیجا ہم نے اُن کی طرف اپنے رُوحانی کو)**، یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو، جن کو اُن کے تقدس وعظمت اور بارگاہِ الٰہی میں

ایک خاص نسبت کی وجہ سے 'روح اللہ' قرار دیا گیا۔

ویسے بھی اُن کی روحانیت کا یہ عالم تھا کہ وہ بحالتِ تمثل جس شے کو بھی مَس کرتے، وہ شے زندگی پالیتی اور اُنہی کی وجہ سے اُس میں حیات سرایت کر جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت سامری نے جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی مٹی سے مٹھی بھر کر بچھڑے میں ڈالی، باوجودیکہ وہ سونے چاندی کے زیورات سے تیار شدہ تھا، لیکن مٹی پھونکنے سے وہ آواز دینے لگا، اس لیے کہ اُس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اثرات سرایت کر گئے تھے۔۔۔

(تو روپ بھرا انہوں نے اُن کے حق میں ایک تندرست بشر کا)، تا کہ بی بی مریم اُن سے مانوس ہو کر ہم کلام ہو سکیں اور وہ حکم جو اللہ تعالیٰ سے لائے، اسے پوری طور پر حاصل کر سکیں۔۔۔

ورنہ اگر وہ ملکی صورت میں آتے، تو بی بی مریم اُن سے وحشت کر کے اُن سے کلامِ الٰہی نہ سن سکتیں۔۔علاوہ ازیں۔۔وہ بی بی مریم کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح پھونکنے آئے تھے۔ اِسی لیے بشری لباس میں آئے، تا کہ عیسیٰ علیہ السلام بشری صورت میں دنیا میں تشریف لا سکیں۔ اگر وہ ملکی صورت میں تشریف لاتے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحانیین سے ہوتے اور حکمتِ ایزدی پوری نہ ہو سکتی۔۔المختصر۔۔حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے غسل خانے میں جب ایک اجنبی مرد کو دیکھا۔۔تو۔۔

قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ

بولیں کہ "خدائے مہربان کی پناہ ہے تم سے، اگر تم اُس سے ڈرتے ہو" ● وہ بولے کہ "میں تمہارے رب کا قاصد ہوں،

رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ

تا کہ دے دوں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا" ● بولیں، "کیسے ہوگا میرے بیٹا؟ حالانکہ

یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾

نہ کسی بشر نے مجھے چھوا، اور نہ میں بدکار رہوں" ●

(بولیں خدائے مہربان کی پناہ ہے تم سے) یعنی تمہارے شر سے **(اگر تم اُس سے ڈرتے ہو)**، یعنی کمال درجے کی پاکدامنی اور پرہیزگاری رکھتے ہو، جب بھی میں تجھ سے پرہیز کرتی ہوں اور خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ پھر اگر ایسا نہ ہو، تو کیونکر پرہیز نہ کروں اور پناہ نہ مانگوں۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کا اضطراب دیکھا۔۔تو۔۔**(وہ بولے کہ میں تمہارے رب کا قاصد**

ہوں) جس سے تم پناہ طلب کرتی ہو۔ مجھے اُس نے یہاں تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے، (تا کہ دے دوں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا)۔ یعنی خدا کے حکم سے تجھے ایک صاف ستھرا اور ایک اچھا فرزند بخشوں۔ اِس پر حضرت مریم (بولیں، کیسے ہوگا میرے بیٹا؟ حالانکہ نہ کسی بشر نے مجھے چھوا اور نہ میں بدکار ہوں)۔ یعنی مباشرت کے طور پر اب تک کسی کا ہاتھ مجھ تک نہیں پہنچا اور نہ ہی میں کبھی بدکاری، خرابی اور بُرائی ڈھونڈنے والی تھی۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام ---

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

بولے، "یونہی ہے۔" فرمایا ہے تمہارے رب نے کہ "وہ مجھ پر آسان ہے۔ اور تا کہ بنادیں ہم اُسے نشانی لوگوں کے لیے،

وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اور رحمت اپنی طرف سے۔ اور یہ طے شدہ معاملہ ہے"●

(بولے، یوں ہی ہے)۔ یعنی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتی ہو، کہ کسی نے نکاح --یا-- سفاح کے طور پر تمہیں ہاتھ نہیں لگایا، مگر (فرمایا ہے تمہارے رب نے کہ وہ مجھ پر آسان ہے)، یعنی بے باپ کے بیٹا دینا مجھ پر آسان ہے۔ ہم تجھے بیٹا دیتے ہیں، تا کہ تُو اُس کے سبب سے میری قدرت پر دلیل پکڑے، (اور تا کہ بنادیں ہم اُسے نشانی لوگوں کے لیے) کہ اُس کے حال پر غور کر کے میری قدرت پہچانیں، (اور) تا کہ کریں اُسے (رحمت اپنی طرف سے) اُن لوگوں کے واسطے جو اُن کا ایمان لے آئیں (اور یہ طے شدہ معاملہ ہے)۔ یعنی حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے کا حکم مقدر و مقرر ہو چکا ہے اور لوحِ محفوظ میں تحریر کیا جا چکا ہے، تو یہ تو واقع ہو کر ہی رہے گا۔ پھر جبرائیل امین حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آئے اور اُن کی آستین --یا-- گریبان --یا-- منہ میں پھونکا---

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

تو حاملہ ہوگئیں، اور اُس کو لے کر دُور مقام کو کنارے ہٹ گئیں ●

(تو) حضرت مریم (حاملہ ہوگئیں)۔ اُسی دَم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے حمل میں آئے (اور) پھر آپ (اُس کو) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں (لے کر) شہر سے (دُور مقام کو کنارے ہٹ گئیں) یعنی ایک ایسے مکان میں چلی گئیں جو شہر سے دُور تھا اور شہر کے کنارے تھا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ پورب کی طرف پہاڑ پر گئیں --یا-- بیت لحم کے میدان میں گئیں،

جو شہر ایلیا سے چھ۶ میل دور تھا۔نو۹۔۔یا۔۔آٹھ۸ مہینے کے بعد وضع حمل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔اور بعضوں نے کہا، کہ حمل رہنا اور عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا ایک ہی ساعت میں واقع ہوا۔بعض نے نو۹ ساعت کا ذکر کیا ہے۔اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک ساعت میں لوتھڑا ہوا، ایک ساعت میں صورت بنی اور ایک ساعت میں ولادت ہوئی۔ بہر تقدیر جب وضع حمل کا وقت قریب پہنچا، تو حضرت مریم نے کھجور کا ایک خشک درخت دیکھا، کہ اس کی شاخیں کٹ گئی ہیں اور وہ سوکھا ہوا درخت کھڑا ہے۔۔۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ

پھر لے آیا انہیں دردِزہ کھجور کی جڑ تک۔ بولیں، "اے کاش میں مرجاتی

قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾

اِس سے پہلے، اور ہوجاتی بھولی بسری" ●

(پھر لے آیا انہیں دردِزہ) اُسی (کھجور کی جڑ تک) اور آپ اُسی کھجور کے تنے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئیں اور (بولیں، اَے کاش! میں مرجاتی اِس) حال (سے پہلے اور ہوجاتی بھولی بسری)، یعنی کوئی مجھے نہ جانتا اور مجھے حساب میں نہ لاتا۔اور حال یہ ہے کہ بیت المقدس کے عابد لوگ سب مجھے جانتے ہیں، اِس واسطے کہ اُن کے امام کی لڑکی ہوں اور حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں ہوں اور اب تک کنواری ہوں۔ میرا کوئی شوہر نہیں، اور اِس امر کی ندامت سے نہیں جانتی کہ کیا کر گزروں گی۔۔۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾

تو آواز دی اُن کو اُن کے نشیب سے کہ "رنج مت کرو، بے شک بہادیا تمہارے رب نے تمہارے نیچے نالہ ●

(تو آواز دی اُن کو اُن کے نشیب سے) فرشتے نے کھجور کے درخت کے نیچے سے، یعنی جہاں وہ بیٹھی تھیں اُس کے نشیب سے۔

۔۔یا۔۔آواز دی اُس نے جو اُن کے پیٹ میں تھا۔اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، کہ انہوں نے اپنی ماں سے بات کی اور ندا دی۔۔۔

(کہ رنج مت کرو) اور موت کی تمنا نہ کرو، (بے شک بہادیا تمہارے رب نے تمہارے نیچے نالہ) یعنی پانی کی نہر، کہ اس میں سے پیو اور اس کے پانی سے طہارت کرو۔۔۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ

اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کی جڑ کو، گریں گی تازہ پختہ کھجوریں ● تو کھاؤ

وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ

اور پیو اور ٹھنڈک دو اپنی آنکھ کو۔ پھر اگر دیکھو کسی بشر کو، تو بتادو، کہ میں نے منت مانی ہے

نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ۚ

اللہ مہربان کے لیے روزے کی، تو میں بات نہ کروں گی آج کسی انسان سے" ●

(اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کی جڑ کو) یعنی اُس کے سوکھے ہوئے تنے کو، تو **(گریں گی تازہ پختہ کھجوریں)** خواہ وہ کھجوریں خود گر پڑیں۔یا۔درخت گرادے۔**(تو)** پھر **(کھاؤ)** تروتازہ کھجوریں **(اور پیو)** صاف وشفاف برکت والا پانی، **(اور ٹھنڈک دو اپنی آنکھ کو)** فرزند سے۔یا۔خوش ہو درخت ہرا ہونے اور پھل دینے سے، کہ تیرے حال سے مناسبت رکھتا ہے، اس واسطے کہ جو اِس بات پر قادر ہے کہ خشک درخت سے خرمے پیدا کرے، وہ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ ماں سے بے باپ کے لڑکا پیدا کرے۔

پھر حق تعالیٰ نے ملائکہ کو بھیجا اور وہ حضرت مریم کے گرد آئے اور جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، تو انہیں اُٹھالیا اور نہلایا اور جنت کے حریر میں لپیٹ کر مریم علیہا السلام کی گود میں دے دیا اور آواز آئی۔۔۔

(پھر اگر دیکھو کسی بشر کو) اور وہ پوچھے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا، **(تو بتادو کہ میں نے منت مانی ہے اللہ)** تعالیٰ **(مہربان کے لیے روزے کی، تو میں بات نہ کروں گی آج کسی انسان سے)**۔یہ باتیں بھی میں ملائکہ سے کر رہی ہوں اور خدا سے مناجات کر رہی ہوں۔اِسی سے انہیں نذر کی خبر ہو جائے گی۔۔یا۔۔اشارے سے یہ بات کہہ کر نذر جتادی جائے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ ان لوگوں کا روزہ یہ تھا، کہ کھانا اور بات کرنا چھوڑ دیتے تھے۔۔الغرض۔۔مسجدِ اقصیٰ کے لوگوں نے مریم علیہا السلام کو جب محرابِ عبادت میں نہ پایا، تو انہیں ڈھونڈنا شروع کیا۔ہر جگہ ڈھونڈتے ہر ایک سے پوچھتے، یہاں تک کہ کسی نے اُن لوگوں کو خبر دی، کہ مریم کو میں نے بیت لحم میں دیکھا ہے۔پس حضرت مریم کی قوم وہاں پہنچی۔ جب مریم علیہا السلام نے انہیں دیکھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں اٹھا کر اُن کی طرف متوجہ ہوئیں۔۔المختصر۔۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ

پھر لے آئیں بچے کو اپنی قوم کے پاس گود میں لیے، سب بولے،" اَے مریم تُو تو نہایت بُرا کام کر آئی ● اَے ہارون کی بہن،

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ

نہ تو تیرا باپ بُرا شخص تھا، اور نہ تیری ماں بدچلن تھی" ● تو مریم نے اشارہ کیا بچے کی طرف۔

قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾

سب بولے کہ "کس طرح بات چیت کریں ہم اِس سے جو گود میں بچہ ہے" ●

(پھر لے آئیں بچے کو اپنی قوم کے پاس گود میں لیے)۔ جیسے ہی اِس گروہ کی نگاہ اُن پر پڑی **(سب بولے، اَے مریم! تُو تو بہت بُرا کام کر آئی)**۔ تیرے گھر میں ایسا امر نہ ہوا تھا۔ **(اَے ہارون کی بہن!)**۔۔۔

ان کے ایک بھائی کا نام ہارون تھا۔۔ یا یہ کہ۔۔ بنی اسرائیل میں ہارون ایک مردِ صالح تھا، صلاحیت اور نیک بختی میں اُن سے مثال دیتے۔۔ یا یہ کہ۔۔ ہارون نام کا کوئی مردِ فاسق تھا، فاسقوں کے لیے ضرب المثل کے طور پر اُس کا ذکر کرتے تھے، تو لوگوں نے حضرت مریم سے یہ بات کہی کہ ہارون صالح کی ایسی عفت اور پرہیزگاری میں۔۔ یا۔۔ ہارون فاسق کے مثل گنہگاری میں۔۔۔

(نہ تو تیرا باپ برا شخص تھا اور نہ) ہی **(تیری ماں بدچلن تھی)**، بلکہ تیرا باپ تو مسجدِ اقصیٰ کا امام اور عابدوں میں بہت شریف اور عالی مقام تھا، ایسے ہی تیری ماں 'حنہ بنتِ فاقوذ' بھی نہایت ہی نیک اور صالح خاتون تھیں۔ تو ایسے شریف النفس والدین اور ہارون صالح کی بہن ہو کر تجھ سے ایسی قبیح غلطی کیسے ہوگئی؟ جس کے نتیجے میں بطورِ طنز ہارون فاسق سے تمہاری مثال دی جانے لگے۔۔ المختصر۔۔ ایسے ماں باپ کی بیٹی ہو کر، بے باپ کا لڑکا تُو نے کہاں سے جنا؟ **(تو مریم نے اشارہ کیا بچے کی طرف)** کہ اس سے بات کرو اور جواب لو۔ **(سب بولے کہ کس طرح بات چیت کریں ہم اس سے جو گود میں بچہ ہے)**؟ یہ بچہ تو گہوارے کے قابل ہے، نہ تو یہ بات سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی جواب دے سکتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے۔ جب لوگوں کی بات سنی تو پستان چھوڑ کر قوم کی طرف پھرے اور جس کو قوم نے صرف بچہ سمجھ رکھا تھا بزبانِ فصیح۔۔۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ

بول پڑا وہ بچہ، کہ "بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔۔۔اُس نے دی ہے مجھے کتاب اور کر دیا مجھ کو نبی ● اور کر دیا مجھے مبارک جہاں

مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۡ

بھی رہوں۔اور حکم دیا ہے مجھ کو نماز و زکوٰۃ کا، جب تک جیوں ● اور اپنی ماں کے ساتھ احسان کرنے کا،

وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ

اور نہیں کیا مجھے زبردستی کرنے والا بدنصیب ● اور مجھ پر اللہ کا سلام ہے، میرے میلاد کے دن،

وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

اور میرے وصال کے دن، اور جس دن اٹھایا جاؤں زندہ" ●

(بول پڑا وہ بچہ، کہ بلاشبہ میں اللہ) تعالیٰ **(کا بندہ ہوں۔اُس نے دی ہے مجھے کتاب)** یعنی مجھ کو انجیل دینے کا حکم اَزل میں کر چکا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔شکمِ مادر ہی میں مجھے انجیل کی تعلیم فرما چکا ہے **(اور کر دیا مجھ کو نبی)**۔

یعنی اِس عمر ہی میں آپ کو نبوت مل چکی۔۔چنانچہ۔۔اعجاز کے طور پر کلام فرمانے لگے۔۔۔

(اور کر دیا مجھے مبارک) برکت اور منفعت والا **(جہاں بھی رہوں۔اور حکم دیا ہے مجھ کو نماز و زکوٰۃ کا جب تک جیوں)**۔**(اور اپنی ماں کے ساتھ احسان کرنے کا، اور نہیں کیا)** ہے **(مجھے زبردستی کرنے والا بدنصیب)**۔یعنی نہ تو میں سرکش ہوں اور نہ ہی متکبر اور بدنصیب، کہ حکمِ الٰہی کو نہ مانوں۔۔ الختصر۔۔میں صاحبِ شریعت پیغمبر ہوں اور دُنیا و آخرت کی صلاح و فلاح میری اطاعت اور مجھ سے مخلصانہ وابستگی سے ہم رشتہ ہے۔**(اور مجھ پر اللہ)** تعالیٰ **(کا سلام ہے)** حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح **(میرے میلاد کے دن، اور میرے وصال کے دن، اور جس دن اٹھایا جاؤں)** گا **(زندہ)**۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾

یہ ہیں عیسیٰ فرزندِ مریم۔ٹھیک ٹھیک بات، کہ جس میں شکّی لوگ اختلاف کرتے ہیں ●

جن کا ابھی ابھی اوپر ذکر ہوا اور اُن کا حال اور وصف بیان کیا گیا، **(یہ ہیں عیسیٰ فرزندِ مریم)** نصاریٰ جن کو اپنی خام خیالی سے خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں، تو اُن کا حضرت مریم کا فرزند ہونا ہی درست و صحیح ہے۔**(ٹھیک ٹھیک بات، کہ جس میں شکّی لوگ اختلاف کرتے ہیں)**۔

--- چنانچہ--- یہودی آپ کے تعلق سے ناشائستہ باتیں کرتے ہیں، اور نصاریٰ میں بعض آپ کو خدا کہتے ہیں، اور بعض خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور بات سچی یہی ہے، کہ آپ حضرت مریم کے بیٹے ہیں نہ کہ خدا کے۔ اس لیے کہ---

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ

اللہ کو زیبا نہیں، کہ اختیار فرمائے اولاد۔ پاکی ہے اُس کی، جب طے فرمالیا کسی چیز کو، تو بس فرما دیتا ہے اُسے کہ

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

'ہوجا'، تو وہ ہوجاتی ہے ● اور" بے شک اللہ میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے، تو اُسی کو پوجو۔ یہ ہے سیدھا راستہ" ●

(اللہ) تعالیٰ (کو زیبا نہیں کہ اختیار فرمائے اولاد)۔ اس لیے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہونا چاہیے اور ممکنات کے ساتھ ہم جنس ہونے سے حق تعالیٰ منزہ ہے۔ (پاکی ہے اس کی) یعنی اللہ تعالیٰ نصاریٰ کے بہتان سے پاک ہے، اس لیے کہ 'قدیم' کی کوئی جنس نہیں۔ اور (جب) اللہ تعالیٰ نے (طے فرمالیا کسی چیز) کے ہونے (کو، تو بس فرما دیتا ہے اُسے کہ 'ہوجا'، تو وہ ہوجاتی ہے)۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، تو اُس کے لیے کوئی شے حائل نہیں ہوتی--- بلکہ--- جونہی وہ ارادہ فرماتا ہے اور کُنْ فرماتا ہے، تو وہ شے فی الفور ہو جاتی ہے--- چنانچہ--- اِسی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کُنْ 'ہوجا'، تو وہ باپ کے بغیر پیدا ہوگئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ بالا کلام کا آخری حصہ---

(اور) تتمہ یہ ہے، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے، تو اُسی کو پوجو۔ یہ ہے سیدھا راستہ) یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور اُس کے لیے اولاد اور بیوی کو نہ ماننا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ ایسا راستہ جس پر چلنے والا گمراہ نہیں ہوسکتا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

پھر مختلف ہوگئے فرقے اُن کے درمیان۔ تو ہلاکی ہے جنہوں نے انکار کیا،

مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

بڑے دن کی حاضری سے ●

(پھر مختلف ہوگئے فرقے اُن کے درمیان)۔

یہاں اَحْزَابْ سے مراد وہ قوم ہے کہ حضرت عیسیٰ جس کی طرف مبعوث فرمائے گئے--

چنانچہ۔۔ جماعت نسطوریہ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام 'ابن اللہ ہیں۔اور یعقوبیہ نے کہا، کہ وہ خود خدا ہیں جو آسمان سے زمین پر تشریف لا کر پھر آسمان کی طرف واپس تشریف لے گئے ہیں۔اور تیسرے نے "جس کے پیروکاروں کا نام اسرائیلیہ ہے" کہا، کہ وہ تین[۳] میں کا تیسرا ہے۔اللہ معبود ہے اور وہ یعنی عیسیٰ معبود ہیں اور اُس کی ماں معبود ہے۔

اُن کے برخلاف اُن میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اُس کے رسول، اُس کی روح اور اُس کا کلمہ ہیں۔۔الغرض۔۔اُن میں سے ہر ایک مختلف عقائد کے پیروکار تھے۔ایک قول یہ ہے کہ **اَحۡزَابُ** سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جو ایک دوسرے کی تکذیب کرتے تھے، اور ایک تیسرا قول یہ ہے، کہ اِس سے مراد کفار ہیں جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں اور ہمارے نبی کے زمانے کے کفار بھی داخل ہیں۔۔۔

(تو ہلاکی ہے جنہوں نے انکار کیا) اور کافر ہوئے اور تعجب میں رہے **(بڑے دن کی حاضری سے)**۔یعنی قیامت کے دن کی حاضری کا اُنہیں یقین نہ رہا۔۔یا۔۔اُس دن کے ہولوں کے مشاہدے کے وہ منکر رہے۔مگر اُس دن۔۔۔

اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ

کیا کہنے ہیں اُن کے سننے اور دیکھنے کو، جس دن یہ آئیں گے ہمارے پاس، لیکن اندھیر والے آج

فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝۳۸

تو کھلی گمراہی میں ہیں●

(کیا کہنے ہیں اُن کے سننے اور دیکھنے کو، جس دن یہ آئیں گے ہمارے پاس)۔اُس دن اُن کا دیکھنا بھی تیز ہوگا اور سننا بھی۔یعنی وہ اللہ جل شانہٗ کے وعدے دیکھیں گے اور یقین کرلیں گے۔ مگر یہ دیکھنا اور یقین کرلینا اُنہیں کچھ فائدہ نہ پہنچائے گا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے، کہ یہ بات تہدید اور دھمکی کے طور پر ہے، یعنی اُس دن کیا وحشت دلانے والی باتیں سنیں گے اور ہولوں کے سبب سے کیا سختیاں دیکھیں گے۔میدانِ حشر میں تو سبھی کو حاضر ہونا ہے۔

(لیکن اندھیر والے) خود ہی مشاہدہ کرلیں گے، کہ **(آج تو)** وہ **(کھلی گمراہی میں ہیں)**، یعنی اُن کو خود اپنے گمراہ ہونے میں شک نہ رہ جائے گا۔تو اَے محبوب ابھی سے خبردار کردو۔۔۔

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ

اور ڈرادو انہیں پچھتاوا کرنے کے دن سے، جب کہ کام ختم کر دیا گیا۔۔۔اور وہ لوگ اُس سے غفلت ہی میں ہیں

وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾

اور مانتے ہی نہیں●

(اور ڈرادو انہیں) یعنی مکہ کے کافروں کو **(پچھتاوا کرنے کے دن سے)** جس دن بُرے آدمی حسرت کریں گے کہ ہم نے کیوں بُرا کیا اور نیک لوگ حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکی زیادہ کیوں نہ کی۔ یہ حسرت اور پچھتاوے کا دن وہ ہوگا، **(جب کہ کام ختم کر دیا گیا)** اور حساب و کتاب مکمل کر دیا گیا اور حکم فرمادیا گیا، کہ ایک فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں۔ غور کرو اور سوچو کہ ایسا دن سامنے ہے **(اور وہ لوگ اُس سے غفلت ہی میں ہیں اور مانتے ہی نہیں)** آخرت کو، اور اُن چیزوں کو جو آخرت سے متعلق ہیں۔ یاد رکھو! کہ۔۔۔

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۴۰﴾

بے شک ہم ہی رہ جائیں گے مالک زمین کے، اور جو بھی اُس پر ہے، اور ہمارے ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے●

(بے شک ہم ہی رہ جائیں گے مالک زمین کے اور جو بھی اُس پر ہے)۔

اِس مقام پر ذہن نشین رہے کہ حقیقت میں ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مالک ہے، لیکن ظاہر میں دُنیا اور زمین کی بہت سی چیزوں کے لوگ مالک ہیں۔ اگر چہ اُن کی ملکیت عارضی اور فانی ہے اور بعد والوں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے، لیکن ظاہری اور مجازی طور پر اُن کو زمین اور اُس کی چیزوں کا مالک کہا جاتا ہے، لیکن قیامت آنے سے اُن کی یہ ظاہری اور مجازی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی، اور ہر چیز کی ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ پر وارث کا اطلاق اِسی ظاہری ملکیت کے اعتبار سے ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ اس دن ہم ہی مالک ہوں گے۔۔۔

(اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے)۔۔ الغرض۔۔ مرنے کے بعد سب کو ہمارے ہی حضور میں آنا ہے۔

اِس سورت سے مقصود ہے توحید، رسالت، قیامت اور حشر کو بیان کرنا اور منکرینِ توحید وہ تھے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اُور کو معبود مانتے تھے، پھر اُن کے دو گروہ تھے: ایک گروہ زندہ

انسان کو معبود مانتا تھا اور دوسرا گروہ پتھروں کے تراشیدہ بتوں کو خدا مانتا تھا۔ ہر چند یہ دونوں گروہ گمراہ تھے، لیکن دوسرے فریق کی گمراہی زیادہ شدید تھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے، کہ دونوں گروہ پلے درجے کے بے عقل تھے، مگر دوسرے گروہ کی بے عقلی ایسی تھی جو بہت ہی ظاہر و روشن تھی۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے پہلے قسم کے بے عقلوں کا رد کیا اور اب دوسرے قسم کے زیادہ بے عقلی والوں کا رد فرمایا، اور اُس کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے کیا۔ آپ علیہ السلام کے ذکر اور اس کے پہلے حضرت زکریا، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ذکر میں حکمتِ ربانی یہ تھی، کہ سب کو معلوم تھا کہ ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی قوم اور آپ کے صحابہ کتابوں کے مطالعہ، مدرسہ اور پڑھنے لکھنے سے شغف نہیں رکھتے تھے، پھر جب آپ نے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کردیے، تو لامحالہ آپ نے غیب کی خبریں بیان کیں اور آپ کا غیب پر مطلع ہونا آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

﴿١﴾۔۔عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ کہتے تھے اور اُن کے دین اور اُن کی ملت کو برحق مانتے تھے۔ تو اب اُن سے کہا جارہا ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ مانتے ہو اور تم اپنے باپ دادا کے دین کو برحق مانتے ہو، تو تمہارے سامنے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہارے باپ ابراہیم کی ملت اور اُن کا دین پیش کررہے ہیں سو اُس کو مانو اور قبول کرو۔

﴿٢﴾۔۔عرب کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا بت پرستی کرتے آئے تھے، ہم ان کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اِس کا رد فرمایا، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عُرفی باپ دادا بت پرستی کرتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے عرفی باپ دادا کے طریقے کو نہیں اپنایا بلکہ توحید کو مانا، سو تم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلو۔ اور اگر باپ دادا کی اتباع کرنی ہے، تو جو سب سے معظم و مکرم باپ ہیں اور سب کے نزدیک مسلم ہیں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، تو اُن کی اِتباع کرو۔

﴿٣﴾۔۔اکثر کفار اپنے باپ دادا کی تقلید کا دعویٰ کرتے تھے۔ اُن کو بتایا کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تقلید نہیں تھا، بلکہ دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اپنانا تھا، سوتم بھی دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اختیار کرو۔

اِنہیں مذکورہ بالا حکمتوں کے پیشِ نظر اَے محبوب! فرمادو۔۔۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾

اور تذکرہ کرو کتاب میں ابراہیم کا۔۔ بلاشبہ وہ تھے راست باز نبی●

(اور تذکرہ کرو کتاب میں ابراہیم کا)۔ یعنی اَے محبوب! یاد کرو اپنی قوم کے واسطے قصہ ابراہیم کا، کہ سب ملتوں والے اُن کی بزرگی کے مقر ہیں اور عرب کے مشرکین اُن کی اولاد میں ہونے کی سبب سے فخر کرتے تھے، تو ابراہیم کے موحد ہونے کی ان مشرکوں کو خبر دو۔ (بلاشبہ وہ تھے راست باز نبی)، یعنی سچ بولنے والے، توحید میں مبالغہ کرنے والے، درست کام کرنے والے، اور صحیح بات کہنے والے پیغمبر عالی قدر تھے۔ اَے محبوب! یاد کرو اُسے۔۔۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾

جب کہ کہا اپنے بابا کو کہ "اَے بابا کیوں پوجتے ہو؟ جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تمہارے کچھ●

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا

اَے بابا! بلاشبہ آ گیا ہے میرے پاس علم کا وہ حصہ، جو نہیں آیا تم تک، تو میرے پیچھے لگے رہو، میں لے چلوں گا تم کو

سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾

سیدھی راہ● اَے بابا! شیطان کو نہ پوجو۔ کہ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہی رہا●

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

اَے بابا! میں ڈرتا ہوں کہ لگ جائے تمہیں عذاب اللہ مہربان کا،

فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾

تو ہو جاؤ تم شیطان کے دوست"●

(جب کہ کہا اپنے بابا کو) یعنی اپنے باپ کے بھائی 'آزر بن ناخورا' سے، (کہ اَے بابا کیوں پوجتے ہو جو نہ سنے) تیری دُعا اور آرزو کو، (اور نہ دیکھے) تیری عاجزی اور فروتنی کو جو اُن کے ساتھ تو رغبت سے کرتا ہے، (اور نہ کام آئے تمہارے کچھ) یعنی کوئی بری چیز یا ضرر دفع کرنے اور منفعت حاصل

(جواب دیا کہ تجھے تو میرا اسلام ہے) اور وہ بھی سلام تحیت و تعظیم نہیں --- بلکہ --- 'سلام متارکہ' ہے، جو کسی کو چھوڑنے اور قطع تعلق کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ تو اب میں تیرے پاس سے جاتا ہوں اور تجھے رخصت کرتا ہوں۔

دھمکی اور ملامت کے جواب میں یہ شریفانہ اور حکیمانہ اسلوبِ بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اعلیٰ ظرفی اور رحیم الفطرتی کا اشارہ ہے، جو ایک سلیم الطبع انسان کے دل میں ایمان لانے کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ اِس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کریمانہ شان کا یہ منظر بھی سامنے آیا، کہ آپ آزر کی گفتگو سے دل برداشتہ نہیں ہوئے، اور نہ ہی غیظ و غضب کا مظاہرہ فرمایا، بلکہ اُس سے یہ فرمایا کہ---

(اب بھی میں تیری مغفرت کے لیے عرض کروں گا اپنے پروردگار سے) کیوں (کہ وہ مجھ پر مہربان ہی رہا ہے)، تو میں اپنے خیر خواہانہ جذبے کا مظاہرہ کروں گا اور خدا سے یہ دُعا کروں گا، کہ وہ تجھے ایمان کی توفیق عطا فرمائے، آگے جو ربِّ قدیر کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔

کافروں کے واسطے استغفار کا معنیٰ یہی ہے، کہ ان کے لیے ایمان کی توفیق کی دُعا کی جائے، اس واسطے کہ ایمان ہی مغفرت کا سبب ہوسکتا ہے۔ ہاں کفر پر جس کی موت کا یقینی علم ہو جائے، تو اب ایسے کے لیے ایمان کی توفیق کی دُعا کا بھی کوئی محل نہیں رہ جاتا۔ اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ سلام کا حقیقی معنیٰ تو دُعا ہے، یعنی:

﴿۱﴾ --- اللہ تم کو سلامت رکھے اور ہر مصیبت سے محفوظ و مامون رکھے --- یا ---

﴿۲﴾ --- تم جس حال میں ہو اس میں سلامت رکھے---

پہلے معنیٰ کے اعتبار سے کفار اور فساق کو سلام کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں نہ تو کفر و فسق پر سلامت رہنے کی دُعا ہے اور نہ ہی کفار و فساق کی تعظیم و تحیت مقصود ہے۔

وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّيۡ ۖ

اور تم کو بھی چھوڑتا ہوں اور تمہارے بتوں کو بھی، جن کی اللہ کے مقابل دُہائی دیتے ہو۔ اور میں تو دُہائی دیتا ہوں اپنے پروردگار کی،

عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّيۡ شَقِيًّا ۝

کہ عنقریب نہ رہ جاؤں اپنے رب کی دُہائی کی بدولت محروم"●

(اور) سنو کہ میں (تم کو بھی چھوڑتا ہوں)۔

یہاں "تم" سے مراد آزر اور اُس کے مثل دوسرے بت پرست ہیں۔

۔۔الغرض۔۔حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ **میں تم سب سے جدائی اور دوری چاہتا ہوں (اور تمہارے بتوں کو بھی) چھوڑتا ہوں**۔۔الغرض۔۔اُن سے بھی کنارہ کش ہوتا ہوں **(جن کی اللہ) تعالیٰ (کے مقابل دُہائی دیتے ہو)** اور اُنہیں پوجتے ہو۔**(اور)** اِس کے برخلاف میرا حال یہ ہے، کہ **(میں تو دُہائی دیتا ہوں اپنے پروردگار کی)** اور اُسی کو وحدۂ لاشریک سمجھ کر پوجتا ہوں۔اور یہ میں اس لیے کرتا ہوں تا **(کہ عنقریب نہ رہ جاؤں اپنے رب کی دُہائی کی بدولت محروم)**۔انشاء المولیٰ تعالیٰ اپنے خدا کو پکارنے اور پوجنے کے سبب سے خدا کے فضل سے ناامید اور اُس کی رحمت سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ جیسے کہ تم بتوں کے پوجنے کے سبب بے نصیب اور خراب و برباد ہو۔ میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ سے ضرور بہت اچھی طرح بہرہ مند ہوں گا۔

۔۔المختصر۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل سے فارس کے کوہستان میں آئے اور سات برس تک اِن پہاڑوں کے گرد سیر کرتے رہے۔اور پھر جب بابل آئے اور بتوں کی مذمت شروع کی، اس بار انہوں نے بت توڑ ڈالے اور نمرود کی آگ اُن پر ٹھنڈی ہوگئی اور حضرت سارہ اور حضرت لوط کے ساتھ ملک شام کا قصد کیا، تو حق تعالیٰ نے اُن کی اِس ہجرت کی خبر دی اور فرمایا، کہ۔۔۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗ إِسْحٰقَ وَ

چنانچہ جب چھوڑ دیا اُن کو اور اُن کے بتوں کو جن کو معبود مانتے اللہ کے مقابلے پر، تو ہم نے دیا انہیں اسحاق و

يَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا

یعقوب، اور اُن سب کو بنایا نبی ● اور دیا ان سب کو اپنی رحمت سے،

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾

اور کردی اُن کے لیے بلند ناموری ●

(چنانچہ جب چھوڑ دیا اُن کو اور اُن کے بتوں کو) جنہیں خدا کے سوا وہ پوجتے تھے اور **(جن کو معبود مانتے) تھے (اللہ) تعالیٰ (کے مقابلے پر، تو ہم نے دیا انہیں)** حضرت سارہ علیہا السلام سے **(اسحاق و یعقوب)** یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا **(اور)** کرم بالائے کرم یہ، کہ **(اُن سب کو بنایا نبی**

● اور دیا اُن سب کو اپنی رحمت سے) مال و اولاد (اور کردی اُن کے لیے بلند ناموری)۔ یعنی دیا ہم نے انہیں بات کہنا سچائی کے ساتھ ۔۔یا۔۔ نیک اور بلند ذکر لوگوں میں۔

یہ اشارہ ہے ابراہیم علیہ السلام کی وہ دُعا قبول ہوجانے کی طرف، جوانہوں نے مانگی تھی وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ یعنی پچھلوں میں میرا ذکرِ خیر باقی رکھ۔ پانچ[5] اولوالعزم رسولوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام آتا ہے۔ غالبًا اسی حکمت کے پیشِ نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔۔۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾

اور تذکرہ کرو کتاب میں موسیٰ کا، بلاشبہ وہ تھے کھرے، اور تھے رسول غیب کی باتیں بتانے والے ●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ اَے محبوب! (تذکرہ کرو کتاب میں موسیٰ کا) یعنی قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ کا قصہ یاد کرو اور اِس کا ذکر کرو۔ (بلاشبہ وہ تھے کھرے) یعنی میلوں اور نقصانوں سے پاک وصاف، (اور تھے رسول) صاحبِ کتاب، مبعوث من اللہ، (غیب کی باتیں بتانے والے) یعنی شانِ نبوت رکھنے والے اور مخلوق کو خالق کے احکام سے باخبر فرمانے والے۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾

اور آواز دی ہم نے انہیں کوہِ طور کے داہنی جانب سے، اور نزدیک کیا انہیں راز دار بنانے کو ●

(اور) اُن کا واقعہ یہ ہے، کہ (آواز دی ہم نے انہیں کوہِ طور کے داہنی جانب سے) یعنی حضرت موسیٰ کوہِ طور پر جہاں تھے وہاں اُن کو خود اپنی داہنی جانب سے آواز آئی، (اور) اِس طرح (نزدیک کیا اُنہیں راز دار بنانے کو) تاکہ وہ ہم سے شانِ نبوت کے مطابق راز و نیاز کی باتیں کرتے رہیں اور ہم اپنے احکام سے اُن کو باخبر کرتے رہیں۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روش تھی کہ آپ بارگاہِ الٰہی تک حاضر ہوئے اور یہ رب کریم کی طرف سے کشش تھی، کہ اُس نے انہیں اپنے مقامِ قرب سے سرفراز کردیا اور انہیں قربِ شرف اور قربِ مرتبہ عطا فرمایا۔ یہی یعنی قربِ شرف و مرتبہ وہ معروف و متعارف قرب ہے جو ملائکۂ مقربین کو بھی حاصل ہے۔

وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِیًّا ﴿۵۳﴾ وَ اذۡكُرۡ فِی الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِیۡلَ

اور دیا ہم نے انہیں اپنی رحمت سے اُن کا بھائی ہارون نبی ● اور تذکرہ کرو کتاب میں اسماعیل کا۔

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿۵۴﴾

بلاشبہ وہ وعدے کے سچے تھے، اور رسول تھے غیب کی خبر دینے والے ●

(اور دیا ہم نے انہیں) اُن کی دُعا کو قبول فرماتے ہوئے **(اپنی رحمت سے)** اور مہربانی سے، اُن کی مدد کرنے کے لیے اور اُن کا شریک کار بننے کے لیے، **(اُن کا بھائی ہارون نبی)** یعنی شانِ نبوت والے۔

۔۔الحاصل۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد و نصرت کے لیے اُن کی دُعا سے حضرت ہارون کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے نبوت سے سرفراز کر دیا گیا۔

(اور) اَے محبوب! حضرت ابراہیم کے ذکرِ خیر کے بعد **(تذکرہ کرو کتاب میں)** ان کے فرزندِ جلیل **(اسماعیل کا۔ بلاشبہ وہ وعدے کے سچے تھے اور رسول تھے غیب کی خبر دینے والے)**۔۔چنانچہ ۔۔وہ سب کو احکام خداوندی سے باخبر فرماتے رہے۔

وَكَانَ یَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِیًّا ﴿۵۵﴾

اور حکم دیتے تھے اپنے گھر گھرانوں کو نماز و زکوٰۃ کا، اور تھے اپنے پروردگار کے یہاں پسندیدہ ●

(اور) خاص کر کے **(حکم دیتے تھے اپنے گھر گھرانوں کو)** اور بالعموم ساری اُمت کو **(نماز و زکوٰۃ کا، اور تھے اپنے پروردگار کے یہاں پسندیدہ)** اقوال و افعال پر استقامت کے سبب سے۔

بدنی عبادت میں نماز سب سے افضل ہے اور مالی عبادت میں زکوٰۃ سب سے افضل ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ اُن کا ذکر کر دیا، لیکن مقصودِ کلام یہ ہے کہ وہ ہر طرح کی بدنی اور مالی عبادات کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صادق الوعد ہونے کا عالم یہ تھا، کہ ایک بار آپ نے کسی سے وعدہ کیا کہ جب تک تُو نہ آئے گا میں اِسی جگہ کھڑا رہوں گا۔ اپنا وعدہ وفا کرنے کو تین[۳] روز اور ایک قول کے مطابق سال بھر وہیں کھڑے رہے، یہاں تک کہ وہ شخص آیا اور اُس مدت میں درخت کی چھال کے سوا اور کچھ کھانے کو نہ تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد۔۔۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾

اور تذکرہ کرو کتاب میں ادریس کا۔ بلاشبہ وہ تھے راست باز نبی●

اَے محبوب! حضرت ابراہیم واسماعیل سے بہت پہلے مبعوث ہونے والے نبی کا ذکرِ خیر کرو (اور تذکرہ کرو کتاب میں ادریس کا)۔

جو حضرت شیث کے پرپوتے اور حضرت نوح کے پردادا تھے، جن کا نام اخنوخ تھا۔ علوم کا درس دینے کی وجہ سے اِدریس لقب ہوگیا۔ قلم سے خط پہلے انہوں نے ہی لکھا، نجوم کا حال پہلے اِنہیں نے بیان فرمایا، یوں سینا پہلے اُنہیں نے شروع کیا۔۔ چنانچہ۔۔سوتی کپڑے بنانے اور اُس کو سی کر پہننے کا طریقہ اُنہیں سے ملا۔ ان سے پہلے چمڑوں کے لباس کا استعمال رائج تھا۔ اُن پر تیس ۳۰ صحیفے نازل ہوئے۔ آپ حضرت آدم کی وفات سے سَو ۱۰۰ برس بعد پیدا ہوئے اور ایک قول کے مطابق حضرت آدم کی حیات سے تین سَو اٹھارہ ۳۱۸ سال پائے۔ آپ پہلے شخص ہیں جن کو حضرت آدم اور حضرت شیث علیہما السلام کے بعد نبوت ملی اور منصبِ رسالت سے سرفراز کیا گیا۔۔ المختصر۔۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ پہلے رسول ہیں۔

(بلاشبہ وہ تھے راست باز نبی) یعنی مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والے سچے پیغمبر تھے۔ انہیں ہم نے رفیع المنزلت بنایا اور اپنے مقامِ قرب سے نوازا۔۔۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

اور اٹھالیا ہم نے انہیں اونچی جگہ پر●

(اور) ساتھ ہی ساتھ (اٹھالیا ہم نے انہیں اونچی جگہ پر) یعنی چوتھے یا چھٹے آسمان پر پہنچا دیا ۔۔یا۔۔ جنت میں داخل کر دیا۔

کلامِ الٰہی کا ظاہر تو یہی واضح کرتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند جگہ اٹھانے سے اُن کے درجات کی بلندی مراد نہیں، تو صحیح بات یہی ہے کہ انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر لے جایا گیا تھا۔ اب رہی یہ بات، کہ اب وہ باحیات ہیں ۔۔یا۔۔ نہیں؟ اگر اُن پر موت طاری ہوئی، تو وہ زمین پر یا آسمان پر؟ وہ اب جنت میں ہیں یا نہیں؟ سو اِس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ہمارے لیے تو اِتنا ہی کہہ دینا کافی ہے اور احتیاط بھی اِسی قول میں ہے، کہ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ درست بات کیا ہے، وہ خدا ہی بہتر جانے۔ اِس سے پہلے

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاءِ کرام کا ذکر فرمایا تھا، اُن سب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اِس اگلی آیت میں جمع فرمایا اور اُن کی تعریف اور تحسین فرمائی۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ وَ مِمَّنۡ حَمَلۡنَا

یہ سب ہیں جن پر انعام فرمایا اللہ نے، گروہِ انبیاء سے، آدم کی نسل سے۔ اور اُن کی نسل سے جن کو سوار کیا تھا ہم نے

مَعَ نُوۡحٍ وَّ مِنۡ ذُرِّیَّةِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡرَآءِیۡلَ وَ مِمَّنۡ هَدَیۡنَا وَ اجۡتَبَیۡنَا

نوح کے ساتھ، اور ابراہیم و یعقوب کی اولاد سے، اور اُسے جنہیں ہم نے راہ دی، اور چن لیا۔

اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا ﴿۵۸﴾ السجدة

جب تلاوت کی جاتیں اُن پر رحمٰن کی آیتیں، تو گر پڑے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ●

(یہ سب ہیں جن پر انعام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے گروہ انبیاء سے) جو (آدم کی نسل سے) ہیں۔

اِس سے مراد حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

(اور اُن کی نسل سے جن کو سوار کیا تھا ہم نے) کشتی میں **(نوح کے ساتھ)**۔

اِس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیوں کہ وہ سام بن نوح کی اولاد سے ہیں۔

(اور) جو (ابراہیم و یعقوب کی اولاد سے) ہیں۔

حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب مراد ہیں اور حضرت یعقوب کی اولاد سے حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام مراد ہیں۔ پس حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے قریب ہونے کا شرف ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سے قریب ہونے کی فضیلت ہے اور حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قرب کی خصوصیت ہے۔

اِس کے بعد اِن انبیاءِ کرام علیہم السلام کا خضوع اور خشوع اور خوفِ خدا بیان فرمایا، کہ جب اِن پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ خوفِ خدا سے روتے ہیں اور سجدے میں گر پڑتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ یہ مذکورہ بالا نفوسِ قدسیہ والے۔۔۔

(اور اُن) کی اولاد **(سے جنہیں ہم نے راہ دی، اور)** نبوت کے شرف کے لیے **(چن لیا)**، اُن کی شان یہ ہے کہ **(جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر رحمٰن کی آیتیں)** جو نبیوں کے صحائف میں نازل

فرمائی گئیں ہیں (تو) اُن کو سن کر اُن کا یہ حال ہوا کہ (گر پڑے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے)۔

اِس سے ظاہر ہوا کہ خوفِ خدا سے تلاوتِ کلام ربانی سننے کے ساتھ رونے کو ایک خاص نسبت حاصل ہے۔ کلامِ ربانی دوست کا کلام ہے اور دوست کا کلام شوق بڑھاتا ہے اور جب شوق کی آگ دل میں بھڑکتی ہے، تو غم کے آنسو آنکھ سے بہتے ہیں۔ اِسی لیے قرآنِ کریم میں نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں کے تعلق سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

"جب وہ سنتے ہیں وہ چیز جو اتاری گئی رسول کی طرف،
تو دیکھتا ہے تُو اُن کی آنکھوں کو کہ بہتی ہیں آنسوؤں سے"۔ ﴿المائدہ:٨٣﴾

قرآنی سجدوں میں یہ پانچواں سجدہ ہے۔ حضرت شیخ ابنِ عربی نے اِس سجدے کو 'سجودِ انعام' کہا ہے۔ اس واسطے کہ آیاتِ رحمانی کی تلاوت کے سبب سے واقع ہوتا ہے اور اِس سجدے میں جو رونا آئے وہ خوشی اور فرحت کا رونا ہے۔ اس واسطے کہ رحمانیت کی رحمت لطف اور مہربانی چاہتی ہے اور فرحت اور مسرت کا سبب ہے، تو اِس کا نتیجہ خوشی ہے رنج وتعب نہیں ۔۔الغرض۔۔ جب مذکورہ بالا نفوسِ قدسیہ والے وصال فرما گئے ۔۔تو۔۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

پھر جانشین ہوئے اُن کے بعد کچھ ناخلف، کہ نمازیں گنوادیں اور شہوتوں میں لگ گئے،

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾

تو اب جلد پائیں گے جہنم کی وادی غَیّ کو●

(پھر جانشین ہوئے اُن کے بعد کچھ ناخلف) یعنی فرطِ غفلت کے سبب سے بُری اولاد، کیوں **(کہ)** انہوں نے **(نمازیں گنوادیں)** اور ترک کر دیں **(اور شہوتوں میں لگ گئے)**، یعنی نفس کی خواہشوں کی پیروی کی اور گناہ کرنے لگے ۔۔نیز۔۔ شراب خواری اور زنا کاری وغیرہ میں لگ گئے۔ **(تو) ایسے لوگ (اب جلد پائیں گے جہنم کی وادی غَیّ کو)**۔ یہ جہنم کا ایک میدان ہے، اُس کی آگ بہت تیز ہے اور اُس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ ایسے بے نمازیوں اور نفس کی آرزو کی پیروی کرنے والوں کو وہاں لے جائیں گے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ غَیّ دوزخ میں ایک کنواں ہے، دوزخی لوگ اُس کنویں والوں کے عذاب سے پناہ مانگیں گے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آیتِ کریمہ میں غَیّ سے مراد گمراہی اور

تباہ کاری کی جزا۔۔یا۔۔عذاب ونقصان ہے، جن سے مذکورہ بالا ناخلف افراد کا سابقہ پڑنے والا ہے۔۔۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان سنبھالا اور لیاقت والے کام کرنے لگا، تو وہ جائیں گے جنت میں،

وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾

اور نہ اندھیر کیا جائے گا کچھ●

(**مگر جس نے توبہ کرلی**) اور گناہوں سے منہ موڑلیا ہو (**اور ایمان سنبھالا**)، یعنی دل وزبان دونوں کو ایمان پر ثابت رکھا، (**اور لیاقت والے کام کرنے لگا**) یعنی اچھے کام کرنے کی عادت ڈال لی، (**تو وہ**) اور اُس جیسے سب (**جائیں گے جنت میں**)۔۔الحتصر۔۔توبہ کرنے والا اور ایمان لانے والا گروہ بہشت میں داخل ہوگا، (**اور نہ اندھیر کیا جائے گا کچھ**)۔یعنی اُن کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔ اور وہ جس بہشت میں داخل کیے جائیں گے وہ۔۔۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ

سدابہار کے باغ، جس کا وعدہ فرمایا تھا اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے غائبانہ۔

اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾

بلاشبہ اُس کا وعدہ آکر رہنے والا ہے●

(**سدابہار کے باغ**) ہیں، جس کے کبھی خزاں رسیدہ ہوجانے کا کوئی خطرہ ہی نہیں۔ (**جس کا وعدہ فرمایا تھا اللہ**) تعالیٰ (**مہربان نے اپنے بندوں سے غائبانہ**)۔یعنی اُن سے بہشت کا وعدہ کیا اور بہشت اُن سے غائب ہے۔۔یایہ۔۔خود اِس سے غائب ہیں اور چونکہ وعدہ ہے، تو اِس غائب ہونے سے کچھ باک نہیں۔ (**بلاشبہ اِس کا وعدہ آکر رہنے والا ہے**) یعنی اُس کی وعدہ کی ہوئی بہشت سامنے آنے والی ہے اور ایمان والوں کو اِس میں داخل ہونا ہے۔جس کی شان یہ ہوگی، کہ۔۔۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

نہ سنیں گے اُس میں فضول بات، بس سلام سلام۔اور اُن کی روزی ہے اُس میں صبح وشام●

(**نہ سنیں گے اُس میں**) جنتی لوگ (**فضول بات**) یعنی بیہودہ۔۔اور۔۔خراب بات۔یہ لوگ

وہاں تو (بس سلام سلام) ہی سنیں گے۔ وہ حق تعالیٰ کا سلام ہو۔۔یا۔۔فرشتوں کا سلام ہو۔۔یا۔۔آپس میں ایک دوسرے کا سلام ہو۔۔الختصر۔۔ ہر طرف اُنہیں سلامتی ہی سلامتی نظر آئے گی، **(اور ان کی روزی ہے اُس میں صبح وشام)** یعنی ایک دن کے دوطرف، یعنی ابتداء اور انتہاء کی قدر فاصلے پر کھلائیں گے۔

جیسے کہ امیروں کی عادت ہے کہ دن بھر میں ۲ دوبار کھانا کھاتے ہیں۔۔یا۔۔اِس سے مراد یہ ہے کہ اُن کو ہمیشہ اور پیہم اُن کی خواہش کے مطابق روزی ملتی رہے گی۔ ذہن نشین رہے کہ جنت میں نہ دن ہوگا نہ رات، مگر کچھ علامتیں ہونگیں کہ اُن سے دن رات کی مقدار پہچانیں گے۔۔مثلاً: پردے چھوڑنے اور دروازے بند کرنے سے رات کا وقت معلوم ہوگا، اور پردے اٹھنے اور دروازے کھلنے سے دن کا وقت پتا چلے گا۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ شب کو حوریں مسلمانوں کی خدمت کریں گی اور دن کو غلمان۔۔الختصر۔۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا ﴿۶۳﴾

یہ جنت ہے، جس میں رکھیں گے ہم اپنے بندوں سے اُسے، جو ڈرنے والا رہا●

(یہ جنت ہے جس میں رکھیں گے ہم اپنے بندوں سے اُسے جو ڈرنے والا رہا) ہے۔ یعنی وہ بہشت جس کا ذکر ہم نے کیا ہے، وہ ہے کہ ہم میراث دیں گے اپنے بندوں میں سے اُنہیں، جو پرہیزگاری کی زندگی گزارنے والے ہیں۔

حق تعالیٰ علیم وحکیم ہے جس کا کوئی کام علم وحکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔۔چنانچہ۔۔ جب لوگوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے 'اصحابِ کہف' اور 'ذوالقرنین' اور 'روح' کا حال پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ کل آنا تو میں جواب دوں گا، اور اِس موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ نہیں فرمایا، تو بارہ ۱۲۔۔یا۔۔پندرہ ۱۵۔۔یا۔۔پچیس ۲۵ دن تک حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ پر نازل نہیں ہوئے۔ جب نازل ہوئے، آپ نے فرمایا کہ بھائی بہت دیر کے بعد آئے، میں تو تمہارا منتظر تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ

"اور ہم، جبریل، نہیں اترتے، مگر آپ کے پروردگار کے حکم سے۔ اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو پیچھے ہے،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ﴿۶۴﴾

اور جو اُس کے درمیان ہے، اور نہیں ہے تمہارا پروردگار بھولنے والا●

(اور) عرض کیا کہ (ہم) یعنی (جبرائیل) اور دیگر فرشتے (نہیں اُترتے مگر آپ کے پروردگار کے حکم سے۔ اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے) آنے والے کاموں میں سے (اور جو پیچھے ہے) یعنی گزرے ہوئے امور (اور جو اُس کے درمیان ہے)۔ یعنی ماضی و مستقبل کے درمیان زمانۂ حال کے حالات۔۔ الختصر۔۔ تینوں زمانوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اُسی کی مرضی ومشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ کوئی بھی چیز اُس کے علم وقدرت کے دائرے سے باہر نہیں (اور) روشن حقیقت یہ ہے کہ (نہیں ہے تمہارا پروردگار بھولنے والا)۔ اَے اللہ کے رسول! وہ آپ کے حال سے باخبر ہے، تو جب چاہتا ہے ہمیں آپ کے پاس بھیجتا ہے۔ اُس ربِّ قدیر کی شان تو یہ ہے، کہ وہ۔۔۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ

پالنے والا آسمانوں کا اور زمین کا، اور جو اُن کے درمیان ہے، تو اُس کو معبود مانو، اور جمے رہو اُس کی عبادت پر۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع

بھلا کیا تم جانتے ہو اُس کا کوئی ہم نام"●

(پالنے والا) ہے (آسمانوں کا اور زمین کا اور جو اُن کے درمیان ہے) اور ظاہر ہے کہ جس کی یہ شان ہو، وہ بھلا بھولنے والا کیسے ہوسکتا ہے۔ تو اَے اللہ کے رسول! جب آپ نے یہ بات جان لی کہ وہ آپ کو بھولا نہیں ہے، (تو) حسبِ عادتِ کریمہ (اُس کو معبود مانو اور جمے رہو اُس کی عبادت پر) اور وحی کے دیر میں آنے سے دل تنگ نہ ہوں۔ اَے محبوب! سوچو اور غور تو کرو، کہ (بھلا کیا تم جانتے ہو اُس کا کوئی ہم نام) یعنی اُس کا کوئی مثل جس کو معبود کہا جاسکے۔۔ یا یہ کہ۔۔ اَے محبوب! کیا آپ جانتے ہیں کہ کسی کا نام اللہ ہوا ہو؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے غلبے وقہر کے آثار میں سے نہیں، کہ کسی مشرک نے اپنے معبودِ باطل کو 'اللہ' نہیں کہا، بلکہ 'الٰہ' کہتے رہے۔ عزتِ احدیت اور غیرتِ اُلوہیت نے اِس بزرگ نام کو کافروں کے تصرف اور بتوں کا یہ نام رکھنے سے حفظ وامان میں رکھا، اور ایمان والوں کی زبان پر رنج وراحت میں جاری کردیا، تو ایسے عزیز وجلیل اور حکیم وقدیر کا کوئی کام حکمت سے خالی کیسے ہوسکتا ہے۔۔۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور جو انسان بولتا ہے کہ "جب میں مرچکا، تو کیا عنقریب زندہ نکالا جاؤں گا"●

(اور) ہڈیوں کو چور چور کر کے دکھانے والا اور حیات بعد الممات کو بعید از قیاس قرار دینے والا، ابی ابن خلف ۔۔یا۔۔اُس جیسا (جو انسان بولتا ہے کہ جب میں مر چکا، تو کیا عنقریب میں زندہ نکالا جاؤں گا)، بھلا یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ مردہ زندہ ہو اور خاک قبر سے نکلے؟ حق تعالیٰ اُس کے جواب میں فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَوَلَا یَذۡکُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ یَکُ شَیۡئًا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّکَ

کیا یاد نہیں کرتا وہ انسان، کہ ہم نے اس کو پیدا فرمایا پہلے پہل، اور وہ کچھ بھی نہ تھا ● ہاں تمہارے پروردگار

لَنَحۡشُرَنَّہُمۡ وَالشَّیٰطِیۡنَ ثُمَّ لَنُحۡضِرَنَّہُمۡ حَوۡلَ جَہَنَّمَ جِثِیًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ

کی قسم، ہم ضرور حشر برپا کریں گے ان کا، اور شیطانوں کا، پھر ان کو حاضر کریں گے جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل ● پھر ضرور

مِنۡ کُلِّ شِیۡعَۃٍ اَیُّہُمۡ اَشَدُّ عَلَی الرَّحۡمٰنِ عِتِیًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ

نکالیں گے ہم ہر ہر شیعہ سے، جو زیادہ سے زیادہ بیباک ہے، اللہ مہربان پر ● پھر

لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِیۡنَ ہُمۡ اَوۡلٰی بِہَا صِلِیًّا ﴿۷۰﴾

ہم تو جانتے ہی ہیں انہیں جو وہاں پہنچنے کے زیادہ حق دار ہیں ●

(کیا یاد نہیں کرتا وہ) ناسمجھ (انسان، کہ ہم نے اُس کو پیدا فرمایا پہلے پہل اور وہ کچھ بھی نہ تھا)۔ ہڈی کا چورا بھی نہ تھا، بلکہ عدم محض تھا۔۔الحاصل۔۔آدمی کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ معدوم کو موجود کرنا، پراگندہ ہوئی چیز کو جمع کرنے کی بہ نسبت بڑے تعجب کی بات ہے۔ یہ احمق کس خیال میں ہیں۔ ہاں (ہاں تمہارے پروردگار کی قسم ہم ضرور حشر برپا کریں گے اُن کا اور شیطانوں کا) یعنی اُن کافروں اور شیطانوں دونوں کو ضرور اکٹھا کریں گے۔ (پھر ان کو حاضر کریں گے جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل) یعنی حساب کے ہَول سے دوزخ کے اردگرد سب زانو کے بل پڑے ہوں گے۔ دوزخ کے گرد اُن کو حاضر کرنا اِس جہت سے ہوگا تاکہ نیک لوگ جان لیں کہ کن بلاؤں سے اُنہوں نے نجات پائی ہے اور اُن کی خوشی زیادہ ہو اور بُرے لوگ دوزخ میں اپنا مکان دیکھیں اور اُن کا ملال بڑھے۔ (پھر ضرور نکالیں گے ہم ہر ہر شیعہ سے) یعنی ہر ایک گروہ سے اُسے (جو زیادہ سے زیادہ بے باک ہے اللہ) تعالیٰ (مہربان پر) سرکشی اور جرأت کی راہ سے۔یعنی ہر ایک گروہ میں سے جو بڑا کافر اور بہت نافرمان ہوگا، پہلے ہم اُسی کو جدا کریں گے۔(پھر ہم تو جانتے ہی ہیں اُنہیں جو وہاں پہنچنے کے زیادہ حق دار ہیں)، یعنی ہم جانتے ہیں کہ کون پہلے آتشِ دوزخ میں ڈال دینے کے قابل ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ‏ ﴿۷۱﴾ ثُمَّ

اور نہیں تم لوگوں سے کوئی، مگر وہاں وارد ہونے والا، تمہارے پروردگار کا اٹل فیصلہ ہے ● پھر

نُـنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا‏ ﴿۷۲﴾

بچالے جائیں گے ہم جو ڈرتا رہا، اور چھوڑ دیں گے اندھیر والوں کو اُس میں گھٹنے کے بَل ●

(اور) یہ بھی سن لو! کہ (نہیں) ہے (تم لوگوں سے کوئی) آدمی (مگر وہاں وارد ہونے والا)۔ یہ (تمہارے پروردگار کا اٹل فیصلہ ہے)، یعنی ایسا وعدہ ہے جو ضرور واقع ہوگا اور اس میں ہرگز خلاف نہیں ہوسکتا۔

۔۔الغرض۔۔ ہر شخص دوزخ پر سے گزرے گا خواہ مومن ہو۔۔یا۔۔کافر۔ لیکن جب مومن دوزخ پر گزریں گے، تو آگ بجھ جائے گی اور ٹھنڈی ہوجائے گی۔ اِس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض جنتی لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے، کہ کیا حق تعالیٰ نے ہم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم سب دوزخ پر گزرو گے، تو یہ کیا ماجرا ہے کہ ہم نے تو آگ دیکھی ہی نہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ تمہارا دوزخ سے گزر تو ہوا، لیکن اس کی آگ تمہارے ایمان کے نور کے سبب بجھ گئی تھی۔ بعض مفسرین نے آیتِ کریمہ میں 'ورود' کو 'دخول' کے معنی میں لیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ سب نیک و بد اور مومن و کافر کو دوزخ میں حاضر کریں گے، مگر ایمان والوں پر آگ اِس طرح گُل ہوجائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر گُل ہوگئی تھی اور اِسی قول کی تائید کرتا ہے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد، کہ۔۔۔

(پھر بچالے جائیں گے ہم) اُسے (جو ڈرتا رہا) اور ایمان پر ثابت قدم رہا، (اور چھوڑ دیں گے اندھیر والوں کو اُس میں گھٹنے کے بل) یعنی زانو کے بل گرے ہوئے۔

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری روشن آیتیں، تو بولے جنہوں نے انکار کر رکھا ہے انہیں،

اَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ خَيۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِيًّا‏ ﴿۷۳﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ

جو مان چکے ہیں کہ "ہم میں تم میں کس کا مکان بہتر ہے، اور کس کی محفل آراستہ ہے" ● اور کتنے طبقے برباد کردیے ہم نے

مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّرِءۡيًا‏ ﴿۷۴﴾

اِن کے پہلے، کہ جو ساز وسامان ونمائش میں کہیں اچھے تھے ●

مشرکین سردارانِ قریش کس قدر بے عقل (اور) بدنصیب ہیں، کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں) یا قدرت کی دلیلیں۔۔یا۔۔معجزے پیش کیے جاتے ہیں، (تو بولے جنھوں نے انکار کررکھا ہے اُنہیں جو مان چکے ہیں)۔یعنی کافر مومن سے بولے، (کہ ہم میں تم میں کس کا مکان بہتر ہے اور کس کی محفل آراستہ ہے) یعنی ہمارے مکانات عمدہ عمدہ ہیں اور عیش کے سب اسباب اِن میں مہیا ہیں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تمہارے پاس نہ بیٹھنے کی کوئی قاعدے کی جگہ ہے اور نہ ہی عیش و آرام کا کوئی سامان۔۔الغرض۔۔نہ تم خوش حال ہو اور نہ ہی تمہاری مجلس آراستہ و بارونق ہے۔اِس کے برخلاف ہمارے مجمع میں سب سردار و اشراف ہیں اور تمہاری مجلس میں مفلوک الحال اور غلام و ناتواں لوگ ہیں۔

تو حق تعالیٰ نے اُن کی ڈینگ اور افتخار کی جڑ اکھاڑ کر فرمایا، کہ اَے محبوب! اُن سے کہہ دو۔۔۔

(اور) اُن پر واضح کردو کہ یہ غور کریں، کہ (کتنے طبقے برباد کردیے ہم نے اُن کے پہلے کہ جو سازوسامان ونمائش میں) اِن عرب کے کافروں سے (کہیں اچھے تھے)۔اُن کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔نہ اُن کے مال نے اُن کی ہلاکت دفع کی اور نہ ہی اُن کے جمال نے اُن سے عذاب روکا۔۔تو۔۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا

کہہ دو کہ "جو رہا گمراہی میں، تو ڈھیل دیتا ہے اُس کو خدائے مہربان خوب"۔۔۔یہاں تک کہ جب دیکھ لیا

مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا

جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے، خواہ عذاب اور خواہ قیامت، تو جلد ہی جان لیں گے، کہ کس کا مکان سب سے بُرا،

وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

اور کس کی پارٹی سب سے زیادہ کمزور ہے●

اَے محبوب! اُن اپنے مال و جمال پر بھروسہ کرنے والوں سے (کہہ دو، کہ جو رہا گمراہی میں) اور راہِ حق سے دُوری میں، (تو ڈھیل دیتا ہے اُس کو خدائے مہربان خوب) اور اُسے مہلت دیتا ہے اور پے در پے نعمت پہنچاتا ہے۔تو خدائے مہربان کی عطا کردہ مہلت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور راہِ راست پر آجانا چاہیے۔حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ڈھیل کب تک رہے گی؟ (یہاں تک کہ جب دیکھ لیا جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے، خواہ عذاب) دُنیا میں قتل اور قید کے سبب سے (اور خواہ قیامت) یعنی آخرت میں انواع واقسام کی رسوائی اور خرابی دیکھ کر، (تو جلد ہی جان لیں گے کہ کس کا مکان سب سے بُرا اور کس کی پارٹی سب سے زیادہ کمزور ہے)۔اِس واسطے کہ ایمان والوں کے لیے جنتوں کے درجے ہیں

اور اِن کافروں کے لیے دوزخوں کے در کے۔

۔۔یوں ہی۔۔ایمان والوں کو خدا اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے یاری اور مددگاری پہنچے گی اور مشرکوں کا مطلقاً کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ ربّانی ہے کہ "نہیں ہے کافروں کے واسطے کوئی مددگار"۔۔۔

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ

اور بڑھائے اللہ ہدایت اُن کی، جنھوں نے راہ پالی۔اور باقی رہنے والی نیکیاں زیادہ بہتر ہیں،

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں، اور نہایت خوب ہیں انجام میں●

(اور) اُن کے برخلاف **(بڑھائے اللہ)** تعالیٰ **(ہدایت اُن کی جنہوں نے راہ پائی)** اُس کی کتاب کے سبب سے۔یعنی جس قدر قرآن نازل ہوا، اُس پر ایمان لائے اور جو نازل ہوتا ہے اُس کی تصدیق کرتے جاتے ہیں، اور اُن کی ہدایت خدا زیادہ کرتا ہے۔**(اور باقی رہنے والی نیکیاں)** یعنی پانچوں نماز۔۔یا۔۔چاروں کلمے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وغیرہ اُن کے واسطے **(زیادہ بہتر ہیں تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں اور نہایت خوب ہیں انجام میں)**۔

۔۔الحاصل۔۔دُنیا میں اگر کافروں کے واسطے مال و جمال ہے، تو آخرت میں وبال و نکال ہوگا، اور مومن دُنیا میں ہدایت بھی رکھتا ہے اور حمایت بھی اور آخرت میں ثواب بھی پائے گا اور اچھا ٹھکانہ بھی۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾

تو کیا تم نے دیکھا کہ جس نے انکار کر دیا میری آیتوں کا اور ڈینگ ماری کہ "مجھ کو ضرور دیا جائے گا مال اولاد"●

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ

کیا وہ جھانک آیا غیب کو، یا لے رکھا ہے خدائے مہربان کے یہاں کوئی عہد؟● ہرگز نہیں! اب ہم لکھ لیتے ہیں

مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

جو بکتا ہے، اور خوب دراز کریں گے ہم اِس کا عذاب● اور ہم ہی رہ جائیں گے مالک، جو وہ بکتا ہے اور وہ آ گیا ہمارے سامنے تنہا●

(تو) اَے محبوب! **(کیا تم نے دیکھا)** عاص بن وائل کو، **(کہ جس نے انکار کر دیا میری آیتوں**

کا اور ڈینگ ماری، کہ) جس طرح مجھے دُنیا میں اولاد و مال والا کیا گیا ہے، اِسی طرح (مجھ کو) آخرت میں بھی (ضرور دیا جائے گا مال اولاد)۔ تو اَے محبوب! اُس سے دریافت کرو، کہ (کیا وہ جھانک آیا غیب کو؟) اور لوحِ محفوظ کا مطالعہ کر کے غیب پر مطلع ہوگیا؟ اور یہ بات وہاں سے کہتا ہے؟ (یا لے رکھا ہے خدائے مہربان کے یہاں کوئی عہد) اِس صورت پر۔ یعنی کیا خدا نے اِس سے اُس کے لیے ایسا کرنے کا کوئی وعدہ کر رکھا ہے؟ (ہرگز نہیں)۔ یعنی ایسا نہیں جو وہ کہتا ہے۔ (اب ہم لکھ لیتے ہیں جو وہ (بکتا ہے)۔۔یا۔۔اُس کی باتوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں، تا کہ اِس بات کے سبب سے اُسے ہم جزا دیں۔۔یا۔۔نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیں، کہ وہ لکھ لیں۔ (اور خوب دراز کریں گے ہم اُس کا عذاب) اس طرح کہ عذاب اُسے پہنچائیں گے۔

(اور ہم ہی رہ جائیں گے مالک) اُس کے (جو وہ بکتا ہے)، یعنی مال و اولاد جن کے تعلق سے اُس کا گمان ہے کہ اُسے دیا جائے گا۔ (اور وہ آگیا ہمارے سامنے تنہا)۔ اُس کے ساتھ نہ مال ہوگا اور نہ ہی اولاد۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ

اور بنالیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر مقابلے کے کئی معبود، تا کہ وہ اُن کی عزت بن جائیں ● ہرگز نہیں! بہت جلد یہ سارے بت

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ ع

اپنی معبودیت سے انکار کردیں گے، اور ہوجائیں گے پجاریوں کے خلاف ●

ع ۵ / ۸

کتنے کم عقل ہیں یہ مشرکینِ قریش (اور) کس قدر ناعاقبت اندیش ہیں، کہ (بنالیا انہوں نے اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر مقابلے کے کئی معبود، تا کہ وہ اُن کی عزت بن جائیں) یعنی اُن کے واسطے عزت کا سبب بن جائیں اور مشرکین ان معبودوں کی شفاعت کی بدولت خدا کے سامنے عزت پائیں۔ ایسا (ہرگز نہیں) ہوسکتا کہ وہ عزت پائیں، بلکہ (بہت جلد یہ سارے بت اپنی معبودیت سے انکار کردیں گے اور ہو جائیں گے پجاریوں کے خلاف)۔۔یا یہ۔۔سارے پجاری ہولِ قیامت کو دیکھ کر خود اپنے معبودوں کے دشمن ہو جائیں گے اور اِس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے اِن اِن بتوں کی پرستش کی ہے۔

اب آگے کے ارشاد میں رسولِ کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ کافر جو ایمان نہیں لا رہے ہیں، اُس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اُن کو بھڑکا رہے ہیں، نہ یہ کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی اور قصور ہے۔۔تو۔۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

کیاتم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے بھیجا شیطان کو کافروں کے پاس، کہ انہیں خوب ابھارتے ہیں●

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

تو مت جلدی کروان پر، ہم بس اُن کی مدت شماری کررہے ہیں●

(کیاتم نے نہیں دیکھا) اورنہیں جانا **(کہ ہم نے بھیجا شیطانوں کو کافروں کے پاس)** یعنی اُن پر ہم نے مسلط کردیا۔۔یا۔۔اُن کا ساتھی اور رفیق کردیا، جو **(کہ)** گناہ کرنے پر اُنہیں آمادہ کرتے ہیں اور برائی کرنے کے لیے **(انہیں خوب اُبھارتے)** اور برانگیختہ کرتے **(ہیں)** اور وسوسہ دے کر انہیں اُن کی جگہ سے لے جاتے ہیں، **(تو)** آپ **(مت جلدی کرواُن پر)**، یعنی اُن کے عذاب کے متعلق جلدی نہ کریں۔ **(ہم)** تو **(بس اُن کی مدت شماری کررہے ہیں)** اور اُن کی میعاد پوری کررہے ہیں۔ یعنی اُن کی زندگی کے دنوں اور راتوں کو گن رہے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اُن کی سانسوں کو گن رہے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ہم اُن کے اعمال کو گن رہے ہیں۔اور ایک قول یہ ہے، کہ۔۔۔

آپ جلدی نہ کریں ہم اُن کو اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ اُن کے گناہ زیادہ ہوں اور جو سزا اُن کے لیے مقدر کی جاچکی ہے، وہ اُس کے مستحق ہوجائیں۔ جب وہ ایام پورے ہوجائیں گے، تو نازل ہوگا جو کچھ مقرر ہوا ہے۔تو اَے محبوب! یاد کرو وہ دن۔۔۔

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ

جس دن کہ ہم حشر کریں گے ڈرنے والوں کا، خدائے رحمان کی طرف وفد کی صورت میں ● اور ہانکا لگائیں گے مجرموں کا

اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾

جہنم کی طرف پیاسے۔۔●۔۔

(جس دن کہ ہم حشر کریں گے ڈرنے والوں کا خدائے رحمٰن) کی بہشت **(کی طرف وفد کی صورت میں)**۔ اِس حال میں کہ وہ سوار ہوں گے عمدہ اونٹوں پر جو جنت کی سواریاں ہیں۔ یعنی اُن کو اِس طرح جنت میں سوار کرکے لے جائیں گے جیسے عزت دار لوگوں کو بادشاہ کی جناب میں سوار کرکے لے جاتے ہیں۔ اُن میں سے بعضے تو عبادتوں کے عمدہ اونٹوں پر سوار ہوں گے، اور بعضے ہمتوں کی سواریوں میں سوار ہوں گے۔ جو عبادتوں کی سواریوں پر سوار ہوں گے وہ بہشت کے طالب ہیں، اُن

عزیر علیہم السلام کو خدا کی اولاد قرار دے دیا۔ اَرے نادانو! (یقیناً تم بول آئے بڑا بیہودہ بول) اس بولی کی قباحت وشناعت کا عالم یہ ہے، کہ (بس اب سارے آسمان پھٹ ہی پڑیں اِس بات سے اور زمین پاش پاش ہی ہوجائے اور سارے پہاڑ بالکل ڈھا ہی پڑیں) تو بالکل بجا ہے، کیوں (کہ کہہ ڈالا خدائے مہربان کے لیے اولاد)۔

(اور) یہ بھی نہیں غور کیا، کہ (نہیں زیبا ہے خدائے مہربان کے لیے کہ اختیار فرمائے اولاد)۔ اس لیے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کسی کے ہم جنس ہونے سے بَری اور منزہ ہے۔۔یا ۔۔اپنی ذاتی بے نیازی کے سبب سے اولاد کی مدد لینے اور اُن سے اُنس اور اُلفت کرنے کا اور اُن سے سہارا لینے اور اُن کے سبب اپنی زینت کرنے کا محتاج نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ

سارے جو آسمانوں اور زمین میں، نہیں ہیں مگر آنے والے خدائے مہربان کے یہاں بندہ ہوکر ● اُس نے بلاشبہ

اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾

انہیں شمار میں لے لیا اور ایک ایک کو گن لیا ● اور سب کے سب حاضر ہوں گے اللہ کے حضور قیامت کے دن تنہا ●

(سارے جو آسمانوں اور زمین میں) رہتے ہیں (نہیں ہیں مگر آنے والے خدائے مہربان کے یہاں) یعنی اُس کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہیں (بندے ہوکر) نہ کہ بیٹا ہوکر۔۔الغرض۔۔ جو 'عبد' ہے وہ 'ابن' نہیں ہوسکتا، جیسے جو 'ابن' ہے وہ 'عبد' نہیں ہوسکتا۔ ذہن نشین رہے کہ (اُس نے بلاشبہ اُنہیں شمار میں لے لیا اور ایک ایک کو گن لیا) یعنی اُن کی ذاتوں اور ان کے کاموں کو شمار کرلیا ہے جو اُس کی قدرت اور علم کے دائرے سے باہر نہیں ہوسکتے۔ (اور سب کے سب حاضر ہوں گے اللہ) تعالیٰ (کے حضور قیامت کے دن تنہا)۔ نہ کوئی تابع ساتھ ہوگا، نہ کوئی یار و مددگار۔ رہ گئے ایمان والے، تو دُنیا و آخرت میں ان کی شان ہی نرالی ہے، کیونکہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

بے شک جو مان گئے اور لیاقت کے کام کیے، جلد کردے گا اُن کے لیے خدائے رحمان محبت ●

(بے شک جو مان گئے اور لیاقت کے کام کیے) یعنی نیک کام انجام دیتے رہے (جلد کردے گا اُن کے لیے خدائے رحمٰن) اپنی مخلوق کے دلوں میں (محبت)، یعنی کسی ظاہری ذریعے وسبب کے

بغیر اُن کی محبت دلوں میں ڈال دے گا۔

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے، تو جرائیل علیہ السلام کو حکم کر دیتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُسے دوست رکھ۔ پس جرائیل علیہ السلام بھی اُسے دوست رکھتے ہیں اور اہلِ آسمان میں منادی کر دیتے ہیں، کہ حق تعالیٰ فلاں بندے کو دوست رکھتا ہے تم بھی اُسے دوست رکھو۔ پس آسمان کے رہنے والے اُسے دوست رکھتے ہیں۔ پھر اُس بندے کی محبت زمین پر ڈالتے ہیں، یہاں تک کہ زمین کے رہنے والے بھی اُسے دوست کر لیتے ہیں۔

تو اَے محبوب! اِس سورۂ مبارکہ میں جو ہدایتیں ہیں اُس کو ہمارے بندوں تک پہنچاؤ ۔۔اسی لیے۔۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

تو ہم نے آسان کر دیا قرآن کو تمہاری زبان میں، تاکہ خوشخبری دو اُس کی ڈرنے والوں کو، اور ڈراؤ اُس سے جھگڑالو لوگوں کو ●

(تو ہم نے آسان کر دیا قرآن کو تمہاری زبان میں) یعنی عربی زبان میں ۔۔یا۔۔ اِس کا پڑھنا تمہاری زبان پر ہم نے آسان کر دیا، (تاکہ خوش خبری دو اُس کی ڈرنے والوں کو) جنہوں نے شرک سے کنارہ کشی کر لی ہے (اور ڈراؤ اُس سے جھگڑالو لوگوں کو) جو آپ کی سخت عداوت رکھنے والے ہیں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

(النصف) ع ۶

اور کتنے تباہ کر دیے ہم نے اُن سے پہلے طبقے۔ کیا دیکھتے ہو اُن میں سے کسی کو، یا سنتے ہو اُن کی کچھ بھنک؟ ●

(اور کتنے تباہ کر دیے ہم نے اُن سے پہلے طبقے۔ کیا دیکھتے ہو اُن میں کسی کو، یا سنتے ہو اُن کی کچھ بھنک)؟ یعنی اُن پر جب ہمارا عذاب نازل ہوا، تو سب نیست و نابود ہو گئے۔ نہ ان میں سے کوئی شخص باقی رہا کہ کوئی دیکھے اور نہ آواز آتی ہے کہ کوئی سنے۔ بلکہ قہرِ الٰہی نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ سب کو ایسا فنا کر دیا، کہ گویا پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔

بفضلہٖ تبارک وتعالیٰ آج بتاریخ

۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۷؍مارچ ۲۰۱۱ء

بروز پنج شنبہ بوقت ایک بجے دن، سورۂ مریم کی

تفسیر کی تکمیل کی سعادت حاصل کرلی۔ دُعا گوہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ قرآنِ کریم کی باقی سورتوں کی

تفسیر کی بھی سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین

یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الحمدللہ بعونہٖ تبارک وتعالیٰ آج بتاریخ

۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۹؍مارچ ۲۰۱۱ء

بروز شنبہ، سورۂ طٰہٰ کی تفسیر کا آغاز کردیا۔ مولیٰ تعالیٰ

اپنے فضل وکرم سے اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی

تکمیل کی سعادت عطا فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَتِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَۃُ طٰہٰ

سورۂ طٰہٰ ۲۰ مکیہ ۴۵ — آیاتہا ۱۳۵ رکوعاتہا ۸

اِس سورہ کا نام طٰہٰ ہے، کیونکہ اِس سورت کا پہلا کلمہ طٰہٰ ہے۔ جیسا کہ سورۂ 'ص' اور 'ق' ہیں۔ اُن سورتوں کا پہلا کلمہ بھی 'ص' اور 'ق' ہے۔ حروفِ مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہیں، ان میں کسی میں اس قدر اختلاف نہیں، جتنا کہ طٰہٰ میں ہے۔ بعضے اِسے حروفِ مقطعات جانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قرآن کا نام۔۔یا۔۔سورت کا نام ہے۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کے

ناموں میں سے ایک نام ہے۔۔یا۔۔'اسم طاہر' اور 'اسم ہادی' کی ابتداء کے دو حرف ہیں، اور ایک گروہ اِس بات پر ہے، کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جیسے مزمل، مدثر، یٰسین وغیرہ۔

حضور کا نام ہونے کی صورت میں اِس سے پہلے 'یا' حرفِ نداء، محذوف ہے۔۔یا۔۔ آنحضرت ﷺ کے دو ناموں یعنی ایک 'طالب' دوسرے 'ہادی' کی طرف اشارہ ہے، یعنی، 'شفاعت کے طالب'، 'شریعت کے ہادی'۔۔یا۔۔'گناہوں سے طاہر' 'خدا کی معرفت کے ہادی'۔۔یا۔۔ اِن کا دل غیر خدا سے طاہر اور قربِ خدا کی طرف ہادی۔ بعض نے ابجد کے حساب سے 'ط' کا نمبر '٩' اور 'ہ' کا نمبر '٥' اور دونوں کا مجموعی نمبر چودہ ١٤ سے یہ اشارہ نکالا ہے، کہ اَے چودھویں رات کے چاند اور ندا حضرت رسولِ مقبول کو ہے، اور پورا چاند ہونا آپ کے مرتبۂ جامعیت کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ بات عارفوں پر پوشیدہ نہیں۔

یہ ساری توجیہات مسلکِ سالم کی رعایت کرتے ہوئے ہیں۔ رہ گیا مسلکِ اسلم، تو وہ وہی ہے جو حروفِ مقطعات میں سے ہر ہر حرف کے لیے ہے۔ وہ یہ کہ اِس سے اللہ تعالیٰ کی اپنی مراد کیا ہے، وہ وہی جانے۔۔یا۔۔اُس کے وہ محبوبین جانیں، جنہیں وہ آگاہ فرمادے۔ اور جو اُسے حروفِ مقطعات میں نہیں شمار کرتے، وہ اُسے حبشی یا نبطی۔۔یا۔۔سریانی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں، جو 'یارجل' یعنی 'اَے مرد' کے مقابلے میں موضوع ہے۔ اِس سورہ میں طٰہٰ کا معنی یہ ہوا، کہ اَے وہ مرد کہ تیری طرح کسی مرد نے میدانِ مردی میں قدم نہیں رکھا۔ یعنی اَے وہ مرد جو فخرِ آدمیت اور نازشِ انسانیت ہے۔

اِس سورۂ مبارکہ سے پہلے سورۂ مریم ہے، جس میں دس انبیاءِ کرام کا اجمالی ذکر ہے، اور اب اس میں ان میں سے بعض کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اِس سورت کو اِس سے پہلی سورت سے دوسری مناسبت یہ ہے، کہ سورۂ مریم کے آخر میں فرمایا کہ آسانی کے لیے قرآنِ مجید کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان میں نازل کیا ہے، اور اِس سورہ کے شروع میں بھی یہ مضمون ہے، کہ ہم نے آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے قرآن کو نازل نہیں کیا۔ بلکہ آپ کی آسانی کے لیے نازل فرمایا ہے۔ تیسری مناسبت یہ ہے کہ سورۂ مریم کی انتہا بھی قرآنِ مجید کے ذکر پر ہوتی ہے، اور سورۂ طٰہٰ کی ابتداء بھی قرآنِ مجید کے ذکر سے ہوتی ہے۔ 'ترتیبِ نزول' کے اعتبار سے اِس سورت کا نمبر پینتالیس ٤٥ ہے اور 'ترتیبِ مصحف' کے

اعتبار سے اِس سورت کا نمبر بیس[20] ہے۔ یہ سورۂ مریم کے بعد اور سورۂ واقعہ سے پہلے نازل ہوئی۔ یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی جب مشرکین، مسلمانوں پر بہت مظالم ڈھار ہے تھے اور بہت کم تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے تھے، اور ابھی تک مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی، اور نہ اُس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعثتِ نبوی کے پانچ[5] سال بعد اور حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔

یہ سورۂ مبارکہ بہت ہی بابرکت سورۂ مبارکہ ہے، جس کو حدیث شریف میں عرش کے نیچے کے خزانوں میں سے ایک خزانہ قرار دیا گیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے دو[2000] ہزار سال پہلے طٰہٰ و یٰسٓ پڑھا۔ جب ملائکہ نے قرآن سنا، تو کہا کہ مبارک ہو امتِ محمدیہ کو جن پر یہ کلام نازل ہوگا، اور مبارک ہو اُن زبانوں کو جو اِسے تلاوت کریں گی۔ ایسی بابرکت سورۂ مبارکہ کو، شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور ایمان والوں کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

طٰهٰ ①

طٰہٰ ●

(طٰہٰ) اَے طیب و طاہر، فخرِ آدمیت، نازشِ انسانیت، رہبرِ کائنات، آسمانِ رسالت کے بدرِ کامل، آپ قریش کے کفر سے بہت زیادہ افسوس ومشقت نہ اُٹھائیں، کیونکہ آپ کے ذمے تو صرف پیغام پہنچانا ہے، اور آپ نے وہ کرلیا۔ اب آپ کو افسوس کیوں؟ وہ ایمان لائیں۔۔یا۔۔نہ لائیں۔۔یا۔۔ کثرتِ ریاضت اور کثرتِ تہجد کی ادائیگی کے لیے لمبا قیام۔۔یا۔۔عبادت کے لیے قرأت کے طویل فرمانے کی صورت میں ایک قدم پر زور دے کر کھڑا ہونا آپ کو شاق ہو، تو آپ اُس کے مکلّف نہیں، اس لیے کہ آپ کا دین، دینِ حنیف ہے جس میں آسانی ہے، دشواری نہیں۔ سہولت ہے، مشقت نہیں۔ جو ہر مکلّف کے لیے قابلِ عمل ہے۔۔الختصر۔۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳

نہیں نازل فرمایا ہم نے تم پر قرآن، کہ مشقت میں پڑو● مگر وعظ ہے اُس کے لیے جو ڈرے●

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴

یہ اُتارنا ہے اُس کی طرف سے، جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور سارے بلند آسمانوں کو●

اَے محبوب! (**نہیں نازل فرمایا ہم نے تم پر قرآن کہ مشقت میں پڑو**) اور کافروں کے کفر سے رنج اٹھاؤ۔ یا۔ تمام رات آرام نہ فرماؤ اور نماز کے قیام کو اتنا طویل کردو، کہ پاؤں مبارک سُوج جائیں۔

ممکن ہے کہ یہ مشرکین کے لیے رَد ہو، کیونکہ مروی ہے کہ ابوجہل اور نضر بن حارث نے رسول اللہ ﷺ کو کہا کہ تم "معاذ اللہ" 'شقی' ہو کیونکہ تم نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا اور تم پر قرآن اس لیے اُترا کہ تم 'شقی' ہو جاؤ۔ اُن کی رَد میں یہ آیت اتری، کہ۔۔۔

اَے محبوب! یہ دینِ اسلام اور قرآن، ہر دونوں، ہر کامیابی کا زینہ ہیں اور ہر سعادت کے حصول کا سبب ہیں۔ اور جس دین پر کافر ہیں، درحقیقت وہی 'شقاوت' ہے۔۔ الغرض۔۔ یہ قرآن شقاوت نہیں ہے (**مگر وعظ**) یعنی ہدایت و نصیحت (**ہے اُس کے لیے جو ڈرے**) گو اِس کی نصیحتیں اور ہدایت سارے عالمین کے لیے ہے لیکن اُس کی ہدایت اور نصیحت سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانے والے وہی ہیں، جو خدا کا خوف رکھنے والے، پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کی خواہش رکھنے والے، اور ہدایت کے طلبگار رہیں۔۔ تو۔۔ (یہ) آیاتِ قرآنیہ (**اُتارنا ہے اُس کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور سارے بلند آسمانوں کو**)۔۔ الختصر۔۔ قرآن نازل فرمانے والا ہے وہ، جو **خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض** ہے۔۔ پھر۔۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵

خدائے مہربان نے عرش پر توجہ فرمائی●

(**خدائے مہربان نے عرش پر توجہ فرمائی**) یعنی اُس کا حکم عرش پر غالب و مستولی ہوا۔

گو کہ حق تعالیٰ سب موجودات پر غالب اور مستولی ہے، لیکن 'عرش' سب مخلوقات میں سب سے بڑا ہے، اِسی لیے خصوصی طور پر غلبہ واستیلاء کی نسبت عرش کی طرف فرمادی گئی۔

عرش کے معنی ملک کے بھی آتے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے، کہ۔۔۔

حق تعالیٰ اپنے ملک پر غالب و مستولی ہے۔۔ الختصر۔۔ اُسی کی ملکیت ہے۔۔ اور۔۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾

اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں، اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے، اور جو کچھ تحت الثریٰ ہے ●

(اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ) ۔یعنی زمین کے تمام طبقوں میں سب سے نچلے طبقے میں (ہے)۔

اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کے تعلق سے فیصلہ کن بات یہی ہے، کہ یہ متشابہات میں سے ہے۔خداہی کوعلم ہے کہ اِس سے اُس کی اپنی مراد کیا ہے۔۔یا پھر۔۔اُس کی مراد حق تعالیٰ کے اُنہیں محبوبین کو ہوسکتی ہے، جس کو خداہی نے علم دیا ہو۔اِس کو متشابہات سے قرار دیناہی اسلم راستہ ہے۔اِس کی توجیہہ جس نے بھی کی ہواور جو بھی کی ہو، اگر وہ محکم آیات سے نہیں ٹکراتی اور شان والے کی شان نہیں گھٹاتی، تو اُس توجیہہ کو سالم قرار دے کر قبول کیا جاسکتا ہے۔

۔۔بایں ہمہ۔۔کمالِ سلامتی اُسی میں ہے کہ کہا جائے کہ "استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے۔ایمان اِس پرواجب ہے، اور اُس کے تعلق سے سوال کرنا بدعت ہے"۔مذکورہ بالا ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے قرانِ کریم کی عظمت بیان فرمائی ہے، کہ اِس کو نازل فرمانے والا وہ عظیم ہے، جو خالق کائنات ہے، مالکِ عرشِ اعظم اور ساری مخلوقات کے لیے رحمٰن ہے۔کیونکہ مخلوق اور نعمت کی عظمت سے اُس کے خالق اور انعام بخشنے والے کی عظمت ظاہر ہوگی، کہ جو مخلوق اِتنی عظیم ہے اُس کا خالق کتنا عظیم ہوگا۔۔یوں ہی۔۔جو نعمت اِس قدر عظیم ہے، اس نعمت کا دینے والا کتنا عظیم ہوگا۔اور جب اِس قدر عظیم ذات نے قرآنِ مجید کو نازل کیا ہے، تو وہ قرآنِ مجید کس قدر عظیم ہوگا۔اور قرآنِ مجید کی عظمت اس لیے بیان فرمائی، تا کہ لوگ اُس کے معانی میں غور وفکر کریں اور اُس کے حقائق میں تدبر کریں، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس اپنا نمائندہ۔۔یا۔۔سفیر بھیجتا ہے، تو اگر وہ بھیجنے والا بہت عظیم اور صاحبِ اقتدار ہو، تو اُس سفیر اور نمائندے کو بہت اہم اور قابلِ قدر قرار دیا جاتا ہے اور پوری تندہی سے اُس کے احکام کی اطاعت کی جاتی ہے۔۔المختصر۔۔ذاتِ خداوندی وہ عظیم ذات ہے، جس کی قدرت بھی عظمت والی اور علم بھی عظیم۔نہ ہی اُس جیسا کوئی قادر ومختار۔۔۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾

اور اگر زور سے بولو، تو خیر بولو، کیونکہ بلا شبہ وہ تو جانتا ہے ہر چھپے ڈھکے کو ●

(اور) نہ ہی اس جیسا کوئی علیم وخبیر۔۔چنانچہ۔۔(اگر زور سے بولو، تو خیر بولو) مگر اس کے علم وخبر کے لیے زور سے بولنا ضروری نہیں، (کیونکہ بلاشبہ وہ تو جانتا ہے ہر چھپے اور ڈھکے کو)۔۔الغرض۔۔ وہ ہر 'سر وا خفیٰ' سے باخبر ہے۔

'سر' وہ ہے جو بندہ کرتا ہے اور جانتا ہے اور چھپاتا ہے، اور 'اخفیٰ' وہ ہے کہ جانتا ہی نہیں کہ کیا کرے گا۔یا۔'سر' وہ ہے جو کسی سے کہیں اور 'اخفیٰ' وہ ہے جو اپنے دل میں چھپائیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸

اللہ، کوئی معبود نہیں اُس کے سوا۔اُسی کے ہیں سب اچھے نام●

اَے محبوب! سب پر خدا کی عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لیے واضح کردو، کہ (اللہ) تعالیٰ اُس ذاتِ جامع الکمالات کا علم ہے، کہ (کوئی معبود) یعنی مستحقِ عبادت (نہیں اُس کے سوا۔اُسی کے ہیں سب اچھے نام) اور اچھی صفتیں۔یعنی اُس کی ذات تمام کمالاتِ تمجیدی اور صفاتِ تنزیہی کی جامع ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایسی صفت سے بھی متصف نہیں، جس میں گو کہ کوئی نقص نہ ہو، مگر کمال بھی نہ ہو۔۔الغرض ۔۔اُس کی ہر صفت صفتِ کمال ہی ہے۔اِسی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ کس قدر عظیم ہے۔پھر اُس کی طرف سے نازل شدہ کلام کی عظمت وبرتری میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔

اب ایسے عظیم وبرتر کلامِ الٰہی کے نزول پر کوئی طنز وتعریض کرے، اور اس کے تعلق سے ابوجہل اور نضر بن حارث کی طرح اپنی خام خیالی کا مظاہرہ کرے، تو اَے محبوب! آپ اُس پر رنج نہ فرمائیں، کیونکہ کفار کی طرف سے آپ کو تکلیف پہنچانے کے لیے جو نامناسب حرکتیں کی جارہی ہیں، آپ سے پہلے بھی انبیاءِ کرام کو اِس طرح کی سختیاں پیش آئی ہیں اور انہوں نے صبر کی طاقت سے اُن کا مقابلہ کیا، تو آپ بھی صبر کریں اور اپنی صبر والی روش پر چلتے رہیں۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کے احوال میں حضرت موسیٰ کے ذکر سے ابتداء کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت فتنوں اور بہت آزمائشوں کا سامانا کرنا پڑا تھا، تاکہ اس راہ میں سختیوں کے برداشت کرنے کے لیے آپ کے حق میں تسلی کا سبب فراہم ہو۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوا کہ۔۔۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹

اور کیا آئی ہے تمہارے پاس موسیٰ کی بات۔۔●۔۔

وقف لازم

اَے محبوب! خیال فرماؤ(اور) بتاؤ(کیا آئی ہے تمہارے پاس موسیٰ کی بات؟)۔

حاصلِ کلام یہ ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب کہ آپ کو حضرت موسیٰ کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ تو معلوم ہی کرایا جا چکا ہے۔ اب آپ کو اُسی خبر پر متنبہ کر رہے ہیں۔

۔۔یا یہ کہ۔۔

اب تک آپ کو موسیٰ کی خبر نہیں پہنچی، ہم آپ کو اب موسیٰ کی خبر دے رہے ہیں، وہ یہ کہ۔

جب حضرت موسیٰ نے شعیب علیہما السلام سے اپنے ماں باپ بھائی کو دیکھنے کے واسطے مصر میں جانے کی اجازت چاہی، تو شعیب علیہ السلام نے اُنہیں اجازت دے دی اور اُن کی بی بی کو اُن کے ساتھ روانہ کیا۔ ایک رات بہت اندھیری اور بہت سردی تھی، برف پڑ رہی تھی وہ راہ بھول گئے، اور وادیٔ ایمن کے پاس پہنچے۔ حضرت صفورا جو حضرت شعیب کی بیٹی اور حضرت موسیٰ کی منکوحہ تھیں، ان کو دردِ زہ شروع ہوا، آگ کی حاجت پڑی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر چند کوشش کی چقماق پتھر سے آگ نہ نکلی۔۔ہاں۔۔دور سے انہیں آگ دکھائی دی۔۔تو۔۔

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ

جب کہ دیکھا آگ کو، تو کہا اپنی اہلیہ کو کہ "ٹھہرو، میں نے آگ کو دیکھا ہے، لائے دیتا ہوں تمہارے لیے

اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝١٠

اِس سے کوئی چنگاری، یا پا جاؤں آگ کی راہ"●

(جب) یہ صورت پیش آئی (کہ) انہوں نے (دیکھا آگ کو، تو کہا اپنی اہلیہ) اور دیگر اہل وعیال اور خادموں (کو، کہ ٹھہرو) اِسی جگہ! (میں نے آگ کو دیکھا ہے، لائے دیتا ہوں تمہارے لیے اُس سے کوئی چنگاری) یعنی اُس آگ میں سے لکڑی جس کا کنارہ سلگتا ہو۔۔یا۔۔اپنی بتی روشن کر لاؤں۔۔یا۔۔کوئی لکڑی جلا لاؤں۔۔یا۔۔انگارہ لے آؤں۔ (یا پا جاؤں آگ کی راہ) یعنی وہ روشنی مجھے ایسی راہ پر لگا دے جس پر چل کر میں اپنے مطلوب یعنی آگ تک پہنچ سکوں۔۔چنانچہ۔۔وہ اپنے لوگوں کو چھوڑ کر اکیلے آگ کی طرف چلے۔۔۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ

چنانچہ جب وہ وہاں آئے، تو ندا کی گئی، کہ "اَے موسیٰ● بے شک میں تمہارا رب ہوں،

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾

پس تم اُتار دو اپنے جوتے کہ تم مقدس وادی طویٰ میں ہو●

(چنانچہ جب وہ وہاں آئے) تو سفید آگ سبز درخت میں جلتی دیکھی۔
وہ درخت عناب یا عوسج کا تھا اور اُس کے گرد کوئی نہ تھا، تو متحیر ہوئے اور آگ کی روشنی اور درخت کی سبزی سے متعجب تھے، اس لیے کہ آگ درخت کو جلا نہیں رہی تھی۔۔۔
(تو) ناگاہ اُسی درخت کے ذریعے **(ندا کی گئی کہ اَے موسیٰ● بے شک میں تمہارا رب ہوں)** جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ **(پس تم اُتار دو اپنے جوتے کہ تم مقدس وادی طویٰ میں ہو)، یعنی پاکیزہ برکت والے تعریف یافتہ میدان میں ہو، تا کہ تمہارے قدم ارضِ مقدسہ کی خاک کو چھو جائیں اور اُن کی برکت تمہارے پاؤں میں براہِ راست بغیر کسی حجاب کے پہنچے۔**
۔۔یا یہ کہ۔۔ بادشاہوں کے فرش پر جوتا پہنے بغیر جانے میں تواضع اور کمالِ ادب ہے۔
اور بعضوں نے کہا کہ یہ جو حکم ہوا کہ 'جوتے اتار دو'، اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنا دل جورو لڑکوں کی فکر سے فارغ کرلو۔ بعض عارفین نے یہ کہا ہے، کہ 'دونوں' جوتے اتار ڈالو' یہ اس طرف اشارہ ہے کہ دُنیا اور آخرت کی فکر اپنے دل سے نکال دو، یعنی 'عالم تفرید' میں دونوں جہاں پر لات مار دو۔۔۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾

اور میں نے تمہیں چنا ہے، تو کان لگا کر سنو جو وحی کیا جائے●

(اور) اچھی طرح سے جان لو، کہ **(میں نے تمہیں چنا ہے)** یعنی نبوت کے واسطے برگزیدہ کر لیا ہے۔ **(تو کان لگا کر)** پوری توجہ کے ساتھ **(سنو جو وحی کیا جائے)**۔ اور وہ وحی یہ ہے، کہ۔۔۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾

بے شک میں، ہی اللہ ہوں، نہیں کوئی معبود میرے سوا، تو میری پوجا کرو، اور پابندی کرو نماز کی میری یاد کے لیے●

(بے شک میں ہی اللہ) تعالیٰ (ہوں) یعنی تیرااور ساری مخلوقات کا خدا ہوں۔ (نہیں کوئی معبود) یعنی خدا (میرے سوا، تو میری)، ہی (پوجا کرو)۔

یہ وحی مقصود تھی توحید مقرر کرنے پر، کہ منتہائے علم ہے اور عبادت کے حکم پر، کہ کمالِ عمل ہے۔ پھر اقسامِ عبادت میں سے نماز کی تخصیص کر کے فرمایا۔۔۔

کہ پہلے توحید کا عقیدہ کرلو (اور) پھر (پابندی کرو نماز کی)، اور وہ بھی صرف (میری یاد کے لیے) تا کہ میں بھی مدح وثنا کے ساتھ تمہیں یاد کروں۔

ذہن نشین رہے کہ توحید پر ایمان اور عبادت واقامتِ صلوٰۃ کا وجوب، اِن دونوں کو لازم فرما دینے کی حکمت یہ ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخۡفِيۡهَا لِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا تَسۡعٰى ﴿۱۵﴾

بے شک قیامت آنے والی ہی ہے، قریب قریب، میں اُسے چھپائے ہوں، کہ بدلہ دیا جائے ہر ایک، جو محنت کر کے لائے ●

(بے شک قیامت آنے والی ہی ہے) اور تہویل وتعظیم کی وجہ سے (قریب قریب، میں اُسے چھپائے ہوں) عوام کے علم ودانش سے۔ یعنی اگر چہ قیامت کا دن ایسا امر متحقق ہے جس کا وقوع ہو کر ہی رہے گا، لیکن میں نے عوام کے علم ونظر سے اُسے چھپا رکھا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اُس عذاب سے ڈرنا بہت سخت ہوتا ہے جس کا وقت معلوم نہیں۔ اِسی لیے عوام کو اِس سے بے خبر رکھا اور اپنے خواص میں سے جس کو اُس کا علم دیا اُن کو یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ اس کو ظاہر نہ کریں، کیونکہ اس کے وقت کا ظاہر کرنا اُن کے فرائضِ تبلیغ میں نہیں ہے، تا کہ قیامت جب بھی آئے اور جن پر آئے اچانک ہی آئے۔۔۔

اب اگر آیتِ کریمہ میں اِخۡفَاء کو سببِ خفا، یعنی پوشیدگی اٹھا لینے کے معنی میں رکھیں، تو یہ معنی ہوگا۔۔۔

کہ قریب ہے کہ ظاہر کر دیں ہم اُسے۔۔ الحاصل۔۔ قیامت بے شک آنے والی ہے، تا (کہ بدلہ دیا جائے ہر ایک جو محنت کر کے لائے) یعنی ہر ایک کو اُس کے کیے کا پھل دیا جائے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنۡهَا مَنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرۡدٰى ﴿۱۶﴾

تو نہ روک رکھے تمہیں اِس سے وہ، جو اِس کو نہیں مانتا، اور غلام ہو گیا اپنی خواہش کا، کہ ہلاک ہو جاؤ ●

(تو نہ روک رکھے تمہیں اِس سے) یعنی قیامت کے ذکر اور اِس پر ایمان اور اِس پر غور وفکر کرنے سے (وہ، جو اُس کو نہیں مانتا اور غلام ہوگیا اپنی خواہش کا) یعنی جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی اور ایسے مقصد ومراد کے حصول کے پیچھے چلا جو سراسر مبنی بر میلانِ نفس ہے، جس کی نہ 'برہانِ سماوی' تائید کرتی ہے، نہ ہی 'دلیلِ عقلی'۔۔الغرض۔۔ایسا نہ کرو (کہ ہلاک ہوجاؤ)۔

اس میں اگرچہ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے، لیکن اُس سے اُن کی امت مراد ہے، جس کا حاصل ہے۔۔۔

کہ اَے موسیٰ علیہ السلام! اگر کوئی تمہارا ہوکر ایسا کرے گا، تو اُس کے لیے بھی ہلاکت ہے۔

۔۔الغرض۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دونوں جوتے پاؤں سے اُتارے اور وادی مقدس میں ٹھہرے، تو خطاب پہنچا۔۔۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿١٧﴾

اور کیا ہے یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں اَے موسیٰ"●

(اور) اُن سے فرمایا گیا (کیا ہے یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں اَے موسیٰ!)؟

حضرت موسیٰ کو اُنس حاصل ہونے اور اُن کی ہیبت کو دُور ہونے کے واسطے حق تعالیٰ نے اُن سے مذکورہ بالا کلام فرمایا اور یہ بات پوچھی، کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ اِس پوچھنے میں حکمت یہ ہے کہ دماغ عجائب دیکھنے کے لیے حاضر رہے۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي

بولے، "یہ میرا عصا ہے۔ سہارا لگاتا ہوں اِس پر، اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر،

وَلِيَ فِيهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾

اور میرے اِس میں اور بھی کام ہیں"●

اِس سوال پر حضرت موسیٰ (بولے، یہ میرا عصا ہے)۔

جو جنت کے درخت کی لکڑی کا تھا، دس گز لمبا اور اُس کے اوپر والے سرے پر دو شاخیں نکلی ہوئی تھیں، اور اُس کے نیچے نوک دار شام لگی تھی۔ شام کہتے ہیں دھات کے بنے ہوئے چھلے کو جو اوزاروں یا چھڑیوں پر لگاتے ہیں۔ اِس عصا کا نام علیق۔۔یا۔۔نبعہ تھا، جو حضرت

آدم علیہ السلام سے حضرت شعیب علیہ السلام کو میراث میں پہنچا تھا اور انہوں نے اُسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔ غرضیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا اور خدا کی نعمتیں شمار کرنے کو جواب میں یہ باتیں اور زیادہ کیں اور کہا، کہ۔۔۔

(سہارا لگا تا ہوں اِس پر) جب تھک جاتا ہوں راہ میں ۔۔یا۔۔ جب بکریاں چرتی ہوتی ہیں اور میں ان کے پاس ہوتا ہوں۔ (اور) کھلانے کے لیے (پتے جھاڑتا ہوں اِس سے اپنی بکریوں پر اور) اُس کے علاوہ (میرے اِس میں اور بھی کام ہیں)۔

روایتوں میں ہے عصا راہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کرتا اور درندوں اور موذی جانوروں سے ان کی حفاظت کرتا تھا۔ اور جس کنویں پر موسیٰ علیہ السلام پہنچتے، اُس کی لکڑی رسّی اور دونوں شاخیں ڈول بن جاتیں، اور زمین میں گاڑتے تو سایہ دار درخت ہو جاتا۔ اور جو میوہ موسیٰ علیہ السلام کو مرغوب ہوتا، وہ اس میں پیدا ہو جاتا اور اندھیری رات میں شمع اور چراغ کی طرح روشنی دیتا۔ اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے مجملاً کہا کہ مجھے اس سے بہت کام ہیں، تو حق تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾

حکم دیا کہ "ڈال دو اِس کو اَے موسیٰ"●

(حکم دیا، کہ ڈال دو اِس کو اَے موسیٰ) تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید جوتوں کی طرح اِس عصا کو بھی دُور کر دینے کی ہدایت ہے۔

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾

تو انہوں نے ڈال دیا کہ اچانک وہ سانپ ہے دوڑتا ہوا●

(تو) فوراً ہی (انہوں نے ڈال دیا) اور اپنے پیچھے پھینک دیا، تو انہوں نے ایک بہت بڑی آواز سنی، پھر کر دیکھا تو انہیں نظر آیا (کہ اچانک وہ) عصا (سانپ) بن گیا (ہے) اور ہر طرف (دوڑتا ہوا) دکھائی دے رہا ہے۔

روایت ہے کہ پہلے تو وہ زرد ہو گیا عصا کی موٹائی کے برابر، پھر بڑھا بڑے اونٹ کے برابر، اور لمبا ہو گیا۔ اور چھوٹے چار پیروں پر کھڑا ہو کر چلنے لگا۔ اُس کے دونوں گُھٹنوں کے

درمیان ستر۔۔یا۔۔چالیس گز کا فرق تھا اور منہ میں بڑے بڑے دانت نمایاں تھے۔اور دونوں آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی تھیں۔ بڑے بڑے پتھر جب سامنے پڑتے تو ایک لقمہ کر جاتا،اور بڑے سے بڑا درخت جڑ سے اکھاڑ کر کھا جاتا۔حضرت موسیٰ نے اُسے دیکھا تو ڈر کر بھاگے،تو حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو۔۔۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾

حکم دیا کہ "اُس کو پکڑلو اور مت ڈرو"۔۔کہ ابھی ہم دوبارہ کردیں گے اُس کی پہلی سیرت ●

(حکم دیا،کہ اُس کو پکڑلو اور مت ڈرو) کیوں (کہ ابھی ہم دوبارہ کردیں گے اُس کی پہلی سیرت) یعنی پہلے وہ جیسا تھا اُسے ویسا ہی کردیں گے۔

جب یہ خطابِ الٰہی موسیٰ علیہ السلام کو پہنچا،تو وہ اژدہے کی طرف منہ کرکے دوڑے اور اپنا ہاتھ اُس کے منہ میں کر دیا اور اُس کے دونوں گلپھڑے پکڑے،تو پھر وہ وہی عصا ہو گیا اور اُس کی دو شاخیں حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں آگئیں۔تو حضرت موسیٰ کا دِل ٹھہرا۔اس کے بعد پھر ندا آئی۔۔۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾

اور "یکجا کرو اپنے ہاتھ کو اپنے بغل کی طرف،" نکلے گا سفید،بے عیب۔دوسری نشانی ●

(اور) حکم دیا گیا،کہ اَے موسیٰ!(یکجا کرو اپنے ہاتھ کو اپنے بغل کی طرف) یعنی ملاؤ اور لے جاؤ اپنا ہاتھ اپنے پہلو کی طرف بغل کے نیچے۔ایسا کرنے کے بعد جب تم اپنا ہاتھ نکالو گے،تو وہ (نکلے گا سفید) روشن ہو کر۔ایسی سفیدی جو (بے عیب) ہوگی،یعنی وہ کسی بیماری اور عیب کی وجہ سے نہ ہوگی ۔۔الحاصل۔۔وہ سفید برص کی بیماری نہ ہوگی،بلکہ سفید چمکتا ہوگا۔بجلی کی طرح اس کی شعاع پڑے گی، تو لے یہ (دوسری نشانی) اور دوسرا معجزہ اپنی نبوت پر۔ایسا ہم نے اس واسطے کیا۔۔۔

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾

تاکہ دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیوں سے ●

(تاکہ دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیوں سے) یعنی بعض اپنی بڑی نشانیاں تمہارے مشاہدے میں لائیں۔

فرعون کے دربار میں پہنچنے سے پہلے ہی عصا کے اژدہا ہو جانے اور ہاتھ کے روشن ہو جانے والی دونوں نشانیوں کو حضرت موسیٰ کو دکھا دینے میں یہ حکمت تھی، کہ جب وہ اُسے فرعون کے دربار میں ظاہر کریں تو خود کسی وحشت یا حیرت کا شکار نہ ہو جائیں، اور یہ معجزات پہلے ہی سے اُن کے جانے بوجھے ہو جائیں۔۔نیز۔۔اُن کا دل اُن سے ایسا مانوس ہو جائے کہ اُن کے ظہور کے وقت ان میں قطعی طور پر گھبراہٹ نہ ہو۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَ

"چلے جاؤ فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے"● دُعا کی، "پروردگارا کھول دے میرا اپنا سینہ ● اور

یَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾

آسان کردے میرے لیے میرا کام ● اور کھول دے میری زبان کی گرہ ●

۔۔القصہ۔۔حکمِ الٰہی ہوا، کہ اَے موسیٰ اِن دونوں معجزوں کو لے کر (**چلے جاؤ فرعون کے پاس**) اور بلاؤ اُسے میری عبادت کی طرف، کیوں (**کہ وہ سرکش ہو گیا ہے**) اور حد سے گزر گیا ہے اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی دعوت پر مامور ہوئے، تو اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اکیلا فرعون اور اُس کے لشکر کے ساتھ کیونکر مقابلہ کروں گا، تو حق تعالیٰ سے تقویت چاہی اور دُعا شروع کی اور عاجزانہ طور پر۔۔۔

(**دُعا کی پروردگارا کھول دے میرا اپنا سینہ**) کہ جو مجھ پر وحی نازل فرما، وہ اِس میں سمائے۔۔ یا یہ کہ۔۔مجھے متحمل اور بُردبار کردے، تاکہ ہر بات سے دل تنگ نہ ہوں۔(**اور آسان کردے میرے لیے**) تبلیغِ رسالت والا (**میرا کام ● اور کھول دے میری زبان کی گرہ**)۔

یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾

کہ لوگ سمجھیں میری بولی ●

تا (**کہ لوگ سمجھیں میری بولی**) یعنی میری گفتگو لوگوں کی سمجھ میں بآسانی آئے۔

اِس سلسلے میں روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بچے تھے، تو فرعون نے ایک دن انہیں گود میں لیا تھا، موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی داڑھی پر ہاتھ مارا اور کچھ نوچ لی اور کیفیت یہ

تھی کہ اس کی داڑھی میں موتی وغیرہ جواہر گندھے تھے۔فرعون کو غصہ آیا، موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا۔ بی بی آسیہ خاتون نے عذرخواہی شروع کی اور یہ بات کہی، کہ اس بچے نے جواہر چمکتے لٹکتے دیکھے، اس وجہ سے داڑھی پر ہاتھ مارا۔ اگر آگ کا انگارہ دیکھے، تو بھی اُس پر ہاتھ ڈال دے۔ اِس امتحان کے واسطے ایک طباق میں آگ، ایک میں یاقوت بھر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے لائے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کے انگاروں کی طرف بڑھادیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا، تو اُن کی زبان جل گئی اور اِس میں گرہ رہ گئی، جس کے نتیجے میں اُن کی بات خوب سمجھ میں نہ آتی تھی، تو اِس جگہ درخواست کی، کہ یااللہ وہ گرہ کھل جائے۔۔۔

وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَہۡلِیۡ ﴿۲۹﴾ ہٰرُوۡنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشۡدُدۡ بِہٖۤ اَزۡرِیۡ ﴿۳۱﴾ وَاَشۡرِکۡہُ

اور کردے میرا وزیر میرے اپنوں سے ● ہارون میرے بھائی کو ● طاقت دے اِس سے میری کمر کو ● اور شریک کار

فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۳۲﴾ کَیۡ نُسَبِّحَکَ کَثِیۡرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذۡکُرَکَ کَثِیۡرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّکَ کُنۡتَ بِنَا بَصِیۡرًا ﴿۳۵﴾

کردے انہیں میرا ● کہ ہم لوگ تیری پاکی بولتے رہیں خوب ● اور تیرا ذکر کرتے رہیں بہت ● بے شک تُو ہمارا نگراں رہا ہے" ●

قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی ﴿۳۶﴾ وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَیۡکَ مَرَّۃً اُخۡرٰۤی ﴿۳۷﴾

جواب دیا کہ "دیا گیا تم کو تمہارا منہ مانگا اے موسیٰ" ● اور بے شک ہم نے احسان فرمایا تم پر ایک بار اور ●

(اور) یہ بھی عرض کی کہ (**کردے میرا وزیر**) یعنی مدد دینے والا۔۔یا۔۔ بوجھ بانٹنے والا (**میرے اپنوں سے**)۔یعنی (**ہارون میرے بھائی کو**) اور اس طرح (**طاقت دے اُس سے میری کمر کو**) یعنی میری پشت کو مضبوط کردے۔ (**اور شریکِ کار کردے انہیں میرا**) یعنی انہیں نبوت میں میرا شریک کردے، تا (**کہ ہم لوگ تیری پاکی بولتے رہیں خوب**) اور تیرے واسطے نماز پڑھا کریں۔ (**اور تیرا ذکر کرتے رہیں بہت**) یعنی تجھے حمد وثناء اور دُعا کے ساتھ یاد کرتے رہیں۔۔الغرض۔۔ کسی حال میں تجھ سے غافل نہ رہیں۔ (**بے شک تُو ہمارا نگراں رہا ہے**) اور تو خوب جانتا ہے وہ بات جس میں ہماری بھلائی ہے۔

اِس گزارش پر حق تعالیٰ نے۔۔۔

(**جواب دیا کہ دیا گیا تم کو تمہارا منہ مانگا اے موسیٰ**)، یعنی جو تم نے درخواست کی وہ میں نے تم کو عطا فرمائی۔ (**اور بے شک ہم نے احسان فرمایا تم پر**) اس سے پہلے (**ایک بار اور**)۔ یہ اس وقت

کی بات ہے کہ۔۔۔

اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى ﴿۳۸﴾

جب کہ ہم نے بتایا تمھاری ماں کو جو بتانا تھا●

(جب کہ ہم نے بتایا) بذریعہ الہام (تمہاری ماں کو جو بتانا تھا)، یعنی تمہاری ماں جس وقت تم کو جنی تھی اور فرعون کے لوگ قتل کرنے کے لیےلڑکوں کی تلاش میں تھے کہ جہاں پائیں قتل کرڈالیں، اور تمہاری ماں تمہارے باب میں عاجز تھی، کہ آخر تمہیں کہاں چھپائے، تو ہم نے ایک فرشتے کی زبانی اُسے الہام کیا اور اُس کے دل میں یہ بات ڈال دی۔۔۔

اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ

کہ "اُن کو صندوق میں رکھو، پھر صندوق کو دریا میں ڈال دو، پھر دریا ساحل پر پھینک دے، کہ لے اُس کو میرا دشمن، اور اُن کا

یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾

بھی دشمن"۔ اور ڈال دیا میں نے تم پر اپنی محبت، اور تاکہ تم بنائے سنوارے جاؤ میری نگرانی میں۔۔●۔۔

(کہ اِن کو صندوق میں رکھو، پھر صندوق کو دریا میں ڈال دو) چونکہ فرعون کی معلومات کا ذریعہ صرف نجومیوں کی خبریں تھیں اور نجومی دریا کے اندر کے حالات بتانے سے عاجز تھے، اس لیے کہ اُن کے علم کی رسائی دریاؤں کے احوال تک نہیں تھی۔۔ لہٰذا۔۔ دریا میں ہونے کے سبب فرعون کو ان کے تعلق سے معلومات نہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔۔ الختصر۔۔ 'حضرت' موسیٰ کی ماں کو الہام ہوا کہ وہ انہیں ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیں، تاکہ (پھر) انہیں (دریا ساحل پر پھینک دے) تا (کہ لے اُس کو میرا دشمن اور اُن کا بھی دشمن)۔

۔۔چنانچہ۔۔ اُن کی ماں نے انہیں ایک صندوق میں روئی رکھ کر اِس میں رکھ دیا اور صندوق کو اچھی طرح بند کردیا، پھر اُسے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اُس دریا میں سے ایک نہر فرعون کے گھر میں جارہی تھی۔ اُس نہر کی راہ صندوق فرعون کے باغ میں آیا، فرعون اپنی جورو کو ساتھ لیے ہوئے نہر کے کنارے پر تھا۔ جب صندوق اُن دونوں کے سامنے گیا، تو انہوں نے نکال لیا۔ کھولا تو اس میں ایک لڑکا چاند کی صورت سیاہ چشم نکلا، ان آنکھوں میں ایسی ملاحت تھی کہ جو انہیں دیکھتا محبت کرنے لگتا۔۔ چنانچہ۔۔ آسیہ اور فرعون نے جو انہیں

وقف لازم

دیکھا، تو دونوں کے دل میں اُن کی محبت پیدا ہوگئی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(اور ڈال دیا میں نے تم پر اپنی محبت اور) یہ اس لیے (تا کہ تم بنائے سنوارے جاؤ میری نگرانی میں) یعنی تمہاری محبت کا بیج دِلوں میں میں نے بو دیا، تا کہ سب تم پر مہربان ہو جائیں اور اچھی طرح تمہاری پرورش کریں۔

۔۔المختصر۔۔فرعون اور اس کی جورو آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنالیا اور جھولا تیار کیا، انا مقرر کرنے میں مشغول ہوئے۔ ہر چند انائیں لائی گئیں، مگر موسیٰ علیہ السلام کسی کا دودھ نہ لیتے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اپنی بیٹی مریم سے کہا تھا کہ دریائے نیل کے کنارے کنارے دیکھتی رہ، کہ یہ صندوق کہاں جاتا ہے۔ جب صندوق فرعون کے باغ میں گیا، تو مریم بھی اس باغ میں چلی گئیں اور یہ حال وہاں کا دیکھا، کہ اُن کا بھائی کسی انا کا دودھ نہیں لیتا۔ پس مریم نے اپنے تئیں آسیہ کے پاس پہنچایا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ یاد کرو۔۔۔

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ

جب کہ چلیں تمہاری بہن، پھر بولیں کہ "کیا میں بتادوں تم لوگوں کو جو اِن کی پرورش کریں؟" تو لوٹالائے ہم تم کو تمہاری ماں تک،

إِلَىٰٓ أُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ ٱلْغَمِّ

کہ ٹھنڈی ہوں اُن کی آنکھیں اور رنج نہ پہنچے۔۔۔اور تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو، پھر بچالیا ہم نے تمہیں غم سے،

وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِىٓ أَهْلِ مَدْيَنَ

اور تمہاری ہم نے آزمائش خوب کرلی۔۔۔پھر ٹھہرے رہے تم کئی سال مدین والوں میں،

ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٠﴾

پھر آئے تم پختہ سن پر، اے موسیٰ●

(جب کہ چلیں تمہاری بہن) آسیہ اور ان کے پاس موجود لوگوں کے پاس، **(پھر بولیں کہ کیا میں بتادوں تم لوگوں کو جو اُن کی پرورش کریں)** یعنی اِس لڑکے کو اپنی کفالت میں لے اور اِسے دودھ دے۔

آسیہ بولیں کہ اگر ایسا ہوگا، تو میں تیرے ساتھ احسان کروں گی۔ مریم باہر آئیں اور اُسی وقت اپنی ماں کو بُلا لائیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی گود میں دے دیا۔۔۔

(تو) اِس طرح **(لوٹالائے ہم تم کو تمہاری ماں تک)** تا **(کہ ٹھنڈی ہوں اُن کی آنکھیں)**

تیرے دیدار سے (اور) انہیں (رنج نہ پہنچے) تیری جدائی سے۔

(اور) اَے موسیٰ میرے اُس احسان کو بھی یاد کرو، جب (تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو) یعنی بے شان وگمان تمہارے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ہو گیا تھا، جس کی نالش تجھ سے بنی اسرائیل نے کی تھی اور جب اُس کی خبر فرعونیوں کو ہوئی، تو انہوں نے تمہارے قتل کا ارادہ کیا، تو (پھر) مدین کی طرف ہجرت کا حکم دے کر (بچالیا ہم نے تمہیں غم سے اور تمہاری ہم نے آزمائش خوب کرلی)، یعنی تم پر بلائیں نازل فرماتا رہا اور صاف نجات دیتا رہا۔۔المختصر۔۔ ہر ہر آزمائش میں تم سچے کھرے اور پکے نکلے۔ یہ سب ہمارے ہی فضل وکرم کے جلوے تھے۔۔الغرض۔۔ (پھر ٹھہرے رہے تم کئی سال مدین والوں میں) یعنی تقریباً اٹھارہ[١٨]۔۔یا۔۔اٹھائیس[٢٨] سال وہاں رہے۔ (پھر آئے تم پختہ سن پر اَے موسیٰ) یعنی ہمارے مقرر کردہ وقت پر، تو یہاں تجھ سے ہم نے کلام کیا۔۔۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾

اور ہم نے کرلیا تمہیں اپنا● "لے جاؤ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کو اور سستی نہ کرنا میری یاد میں●

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾

جاؤ فرعون تک کہ وہ سرکش ہو چکا ہے"●

(اور ہم نے کرلیا تمہیں اپنا) دوست اپنی محبت کے واسطے۔۔الغرض۔۔ہم نے تمہیں اور تمہاری استدعاء پر تمہارے بھائی ہارون کو بھی شرفِ نبوت سے مشرف کیا، تو (لے جاؤ تم اور تمہارے بھائی) جو فی الحال یہاں موجود نہیں ہے، (میری نشانیوں کو)۔ (اور) ہر حال میں اِس بات کا خیال رہے کہ تم دونوں (سستی نہ کرنا میری یاد میں) یعنی توحید وعبادت کے ساتھ میرا ذکر پہنچانے میں، اور میری ہی عبادت اور توحید کا پیغام پہنچانے میں۔۔الحاصل۔۔ (جاؤ) تم دونوں (فرعون تک) کیوں (کہ وہ سرکش ہو چکا ہے) اور گناہ میں حد سے گزر گیا ہے۔۔۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾

"پھر بولو اُسے نرم بولی، کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر سے کام لے"●

(پھر بولو اُسے نرم بولی) یعنی اُس سے گفتگو کرتے وقت تلخ کلامی اور درشت گوئی سے کام نہ لو۔۔بلکہ۔۔گفتگو کا لب ولہجہ ایسا ہو جیسے کوئی کسی کو نیک مشورہ دیتا ہے، تاکہ وہ تم پر غصہ نہ کرے، بلکہ

سنجیدگی سے تمہاری باتیں سنے اور اُن پر غور کرے۔۔یا یہ کہ۔۔نرمی کے ساتھ بات کر کے اُس کی پرورش کے حق کی رعایت رکھو۔۔یا یہ کہ۔۔اُسے کنیت کے ساتھ یعنی ابوالعباس۔۔یا۔۔ابوالولید۔۔یا۔۔ابومرہ کہہ کر مخاطب کرو۔ بہر تقدیر اُس کے ساتھ سخت کلامی نہ کرو، تا **(کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر سے کام لے)** یعنی خدا کے عذاب کا اُس پر خوف طاری ہو جائے۔

پھر حضرت موسیٰ اُسی جگہ سے مصر کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر کر اپنے لوگوں کے پاس نہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے لوگ رات بھر منتظر رہے اور وہ نہ آئے اور دن کو بھی ان کی کچھ خبر نہ ملی، وہ لوگ اِس میدان میں متحیر رہے۔ اتفاقاً اہلِ مدین کے لوگوں کی ایک جماعت وہاں پہنچی اور حضرت صفورا کو پہچان کر اُن کے باپ کے پاس لے گئی۔ جب فرعون غرق ہولیا، تو موسیٰ علیہ السلام کی خبر اُن لوگوں کو ملی۔

۔۔قصہ مختصر۔۔موسیٰ علیہ السلام جب مصر کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت ہارون پر وحی آئی، کہ اپنے بھائی کے استقبال کے واسطے مدین کی راہ پر جا۔ پھر دونوں کی اثناءِ راہ میں ملاقات ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام نے تمام حال انہیں مفصل کہہ سنایا، کہ ہم دونوں کو ایک ساتھ فرعون کے پاس جانا چاہیے اور اُسے حق کی طرف بُلانا چاہیے۔ ہارون علیہ السلام بولے، کہ اَے موسیٰ فرعون کی شوکت اور ہیبت جو تم نے دیکھی تھی، اب اس سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے۔ ذرا سی بات پر ہاتھ کاٹنے اور سولی دینے کا حکم کر دیتا ہے، پس موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا اور دونوں بھائی بالاتفاق۔۔۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾

بولے، "پروردگارا! ہم ڈرتے ہیں کہ زیادتی کرے ہم پر، یا سرکشی بڑھادے"●

(بولے پروردگارا! ہم ڈرتے ہیں کہ زیادتی کرے ہم پر) یعنی سختی کرنے میں جلدی کرے اور اتنی بھی مہلت نہ دے کہ ہم معجزہ دکھائیں **(یا سرکشی بڑھادے)** یعنی اپنے طغیان میں زیادتی کردے اور تیری جنابِ پاک میں کوئی بے ادبی کی بات کہے۔

اس خوف کو 'خوفِ مضرت' کہتے ہیں جو کسی بھی انسان کو کسی بھی ضرر پہنچانے والی مخلوق سے ہو سکتا ہے۔ رہ گیا 'خوفِ الوہیت' یعنی کسی غیرِ خدا کو خدا سمجھ کر اُس سے ڈرنا، تو یہ خوف کسی غیرِ خدا سے اللہ والوں کو کبھی اور کہیں نہیں ہوتا، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔۔الختصر۔۔

دونوں کی مشترکہ عرض پر حق تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ اَسۡمَعُ وَ اَرٰی ﴿۴۶﴾

حکم دیا کہ "ڈرو نہیں"، میں تمہارے ساتھ ہوں، سب سنتا دیکھتا ہوں●

(حکم دیا) اور فرمایا (کہ) اَے موسیٰ اور اَے ہارون (ڈرو نہیں) اُس کی افراط اور زیادتی سے کیونکہ (میں تمہارے ساتھ ہوں) حفاظت و نصرت کے لیے اور میں (سب سنتا) ہوں تمہاری دُعا ۔۔یا۔۔ وہ بات جو وہ میری نسبت کہے گا اور (دیکھتا ہوں) جو کچھ وہ تمہارے ساتھ کرے گا۔ یعنی تم خاطر جمع رکھو کہ میں دیکھنے اور سننے والا ہوں، ایسا نہ ہوگا کہ وہ تم کو ضرر پہنچائے۔۔۔

فَاۡتِیٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّكَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۙ۬ وَ لَا تُعَذِّبۡهُمۡ ؕ

توتم دونوں وہاں جاؤ، پھر کہو کہ "ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں، تو چھوڑ دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔۔اوران کو دکھ نہ دے۔

قَدۡ جِئۡنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی ﴿۴۷﴾

بے شک ہم لائے ہیں تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانی، اور سلام ہے اُس پر جس نے پیروی کی ہدایت کی●

(توتم دونوں وہاں جاؤ) یعنی فرعون کے پاس جاؤ (پھر) اُس سے (کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں) اور تجھے اُس کی عبادت کی طرف بُلاتے ہیں اور ظلم و زیادتی سے باز رہنے کی ہدایت دیتے ہیں، (تو چھوڑ دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو) یعنی اولادِ یعقوب کو، تاکہ ارضِ مقدسہ میں ہم پھر جائیں کہ وہ ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ (اور اُن کو دکھ نہ دے) سخت کاموں کا حکم کر کے، اور خواہ مخواہ کا جرمانہ عائد کر کے، اور اُن کی اولاد کو قتل کر کے۔

اور سن لے کہ اُس بات کو ظاہر اور ثابت کرنے کے لیے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں، (بے شک ہم لائے ہیں تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانی) یعنی معجزہ۔ (اور) غور سے سن لے کہ (سلام ہے اُس پر) جنت کے خازنوں کا (جس نے پیروی کی ہدایت کی)۔۔یا۔۔ دونوں جہاں میں سلامتی اُسی کے واسطے ہے جو ایمان کے ساتھ سیدھی راہ چلا اور صراطِ مستقیم پر چلتا رہا۔۔اور۔۔

اِنَّا قَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡنَاۤ اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰی مَنۡ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۴۸﴾

ہم، تو ہماری طرف وحی کی گئی ہے، کہ عذاب اُس پر ہے جس نے جھٹلایا اور بے رخی کی"●

(ہم تو) بے شک (ہماری طرف وحی کی گئی ہے، کہ) دُنیا وآخرت کا (عذاب اُس پر ہے جس نے جھٹلایا) ہمارے پیغام کو (اور بے رخی کی) ہماری پیش کردہ ہدایت سے۔

پھر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام خدا کے حکم سے فرعون کی ڈیوڑھی پر آئے اور مدت کے بعد جب اُس کی ملاقات میسر ہوئی، تو اُس سے یہ بات کہی کہ ہم خدا کے رسول ہیں اور تجھے اُس کی عبادت کی طرف بُلاتے ہیں، اور جو کلمات حق تعالیٰ نے تعلیم فرمائے تھے کہے۔۔تو۔۔

قَالَ فَمَنۡ رَّبُّكُمَا یٰمُوۡسٰی ﴿۴۹﴾

وہ بولا کہ "پھر کون ہے تم دونوں کو پالنے والا اے موسیٰ" ●

(وہ) یعنی فرعون (بولا کہ پھر کون ہے تم دونوں کا پالنے والا اے موسیٰ) کہ مجھے اُس کی عبادت کی طرف بُلاتے ہو؟۔

باوصف اِس کے کہ خطاب دونوں بھائیوں سے تھا، پھر خاص کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام ہی کو پکار کر جواب چاہا۔ اس میں راز یہ ہے کہ فرعون جانتا تھا، کہ اُن کی زبان میں گرہ ہے اور وہ صاف بات نہیں کر سکتے، تو اس نے چاہا کہ اُن سے کلام کروں یہ جواب صاف تو دے نہ سکیں گے اور ان کی بات خوب سمجھ میں نہ آئے گی، تو حاضرین کے سامنے انہیں ندامت ہوگی۔ اور اُس کو اِس کی خبر ہی نہ تھی کہ وہ گرہ کھل گئی ہے۔ پس حضرت موسیٰ نے بزبانِ فصیح۔۔۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴿۵۰﴾

جواب دیا کہ "میرا پالنے والا وہ ہے جس نے دیا ہر چیز کو اُس کی صورت، پھر راہ دکھادی" ●

(جواب دیا کہ میرا پالنے والا وہ ہے جس نے دیا ہر چیز کو اس کی صورت) اور شکل اس کے حال کے لائق اور موافق ۔۔یا یہ کہ۔۔دی مخلوقات میں سے ہر ایک کو وہ چیز کہ ہستی اور معاش میں اس کا قیام اور مستقل رہنا اُس چیز کے سبب سے ہے۔ (پھر راہ دکھادی) یعنی پہچان دے دی کہ اُس سے اِس طرح فائدہ حاصل کرنا چاہیے ۔۔یا۔۔ ہر جاندار کو اُس کی زوجہ دی اُسی کے مثل خلقت اور صورت میں اور ملنے اور جفتی کرنے کی راہ اُسے بتادی۔

اِس عبارت کا یہ بھی معنی کیا گیا ہے، کہ دی اپنے پیدا کیے ہوؤں کو وہ چیز جس کی انہیں حاجت تھی اور چونکہ عطا کی ہوئی چیز کا بیان مقصود ہے، تو اُسے مقدم کیا۔ اس صورت میں

تقدیری عبارت یہ ہوگی اَعْطٰی خَلْقَہٗ کُلَّ شَیْءٍ۔ فرعون نے جو یہ کلام سنا، تو ڈرا کہ ایسا نہ ہو کہ اُس کی قوم ایسے معبود کی عبادت کی طرف جھک پڑے، تو یہ بات کاٹ کر اور ہی ذکر چھیڑا اور موسیٰ علیہ السلام کو عاجز کرنے کے واسطے۔۔۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ﴿۵۱﴾

سوال کیا "کہ اگلے زمانے والوں کو کیا حال ہے؟" ●

(سوال کیا کہ اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہے؟) یعنی نوح علیہ السلام اور عاد وثمود کی قوم جنہوں نے تو اس خدا کی پرستش نہیں کی، تو اب وہ سعادت اور دولت میں ہیں۔یا۔شقاوت اور بدنصیبی میں؟

اِس سوال کا جواب آسان تھا، لیکن چونکہ اِس سے فرعون کا مقصود یہ تھا کہ قوم کے ذہن کو ایک غیر ضروری مسئلے کی طرف پھیر دیا جائے اور ایسے سوال و جواب میں الجھا دیا جائے جس سے قوم حقیقتِ حال کو سمجھنے سے عاجز رہے۔ظاہر ہے کہ اس کا جو بھی جواب حضرت موسیٰ فرماتے، تو فرعون اُس کا منکر ہو جاتا اور قوم فرعونی فریب کا شکار ہو جاتی۔اب حضرت موسیٰ کے جواب کا حاصل یہ ہوا، کہ اَے فرعون تو گزرے ہوئے لوگوں کے احوال کو سن کر کیا کرے گا۔اُن کا حساب کتاب اور سزا اور جزا دینا کچھ تیرے اختیار میں تو ہے نہیں۔۔ہاں۔۔جس ذات کو اُن کا حساب کتاب لینا ہے اور جزا و سزا دینی ہے وہ انہیں خوب جانتا ہے۔۔الختصر۔۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کے سوال کا۔۔۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ﴿۵۲﴾

جواب دیا کہ "اِس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے ایک کتاب میں۔نہ بھٹکے میرا پروردگار، نہ بھولے" ●

(جواب دیا کہ اِس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے ایک کتاب میں) لکھا ہوا محفوظ۔**(نہ بھٹکے میرا پروردگار)** یعنی نہ خطا کرے اور نہ ہی اس میں کسی چیز کو چھوڑے۔اور **(نہ)** ہی **(بھولے)** بلکہ اُس کا علم سب کو گھیرے ہوئے ہے۔رہ گیا میں، تو میں وہی جانتا ہوں جس کی خبر خدا مجھ کو دے۔

بعضوں کا کہنا ہے، کہ فرعون کا اپنے اِس سوال سے قیامت کا حال پوچھنا مقصود تھا، کہ ان قوموں کا حال حشر کے بعد کیا ہوگا؟۔۔الختصر۔۔فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال کو دوسری طرف لگانا چاہا، تاکہ وہ توحید پر دیگر مضامین بیان نہ کر سکیں۔لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی تقریرِ توحید کو جاری رکھا، اور من وجہ فرعون کا

جواب بھی دے دیا، یہ فرما کر کہ اِن باتوں کا علم خدا کو ہے۔اور پھر حضرت موسیٰ اُسی بات کی طرف پھرے، کہ حق تعالیٰ کی صفت بیان کرنے لگے اور بولے، کہ میرا رب وہ ہے، کہ۔۔۔

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّسَلَکَ لَکُمۡ فِیۡهَا سُبُلًا وَّ اَنۡزَلَ

جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش، اور چالو کر دیا تمہارے لیے اس میں کئی راستے، اور اتارا

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾

آسمان کی طرف سے پانی۔ پھر نکالا ہم نے اس کے سبب سے جوڑے، متعدد سبزیوں کے●

(**جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش**) جس پر تم بیٹھتے ہو اور گھر بناتے ہو (**اور چالو کر دیا تمہارے لیے اُس میں کئی راستے**)۔ایک زمین سے دوسری زمین پر جانے کے لیے اور اپنی مصلحتوں پر قیام کرنے کے لیے (**اور اُتارا آسمان کی طرف سے پانی**) یعنی بارش نازل فرمائی۔

اور اپنی کمالِ حکمت کو ظاہر فرمانے کے لیے حق تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا۔۔۔

کہ (**پھر نکالا ہم نے اِس کے سبب سے جوڑے متعدد سبزیوں کے**) یعنی رنگا رنگ اُگنے والی مختلف المزاج چیزوں میں سے کہ باوصف اس کے کہ زمین ایک اور پانی ایک، مگر ہر ایک کا مزہ، رنگ اور بُو دوسرے کے مخالف ہے۔۔تا۔۔

كُلُوۡا وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَكُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾

کہ کھاؤ اور چراؤ اپنے مویشی۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے●

(**کہ کھاؤ**) اِس میں سے جو ہم نے نکالا ہے کھانے کی چیز، پھل، دانے وغیرہ۔ (**اور چراؤ اپنے مویشی**) چراگاہوں میں، تاکہ وہ گھاس چریں جو چرنے کے لائق ہے۔ (**بے شک**) یہ جو مذکور ہوا (**اِس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے**) خدا کی قدرت اور وحدت کی۔اس لیے کہ اُن کی عقلیں باطل کی اتباع اور بُری باتیں کرنے سے منع کرتی ہیں۔تو سمجھ والو! ذہن نشین کر لو اور یاد رکھو، کہ۔۔۔

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِیۡهَا نُعِیۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی ﴿۵۵﴾

اِسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا فرمایا اور اِسی میں دوبارہ کریں گے ہم تمہیں، اور اِسی سے نکالیں گے ہم تمہیں دوبارہ●

(اِسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا فرمایا) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی اصل خلقت اور تمہارے بدنوں کا پہلا مادّہ زمین کی خاک ہی ہے۔

--چنانچہ--حق تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے کہ جہاں بندہ دفن ہوگا، اس جگہ کی تھوڑی خاک اٹھالا۔ وہ اٹھالاتا ہے اور نطفہ جو اس کے وجود اور ہستی کا مادّہ ہے اس پر وہ خاک ڈال دیتا ہے۔ اور وہ شخص نطفہ اور مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر اُسی خاک میں دفن ہوتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے---

کہ تم کو زمین سے پیدا کیا **(اور اِسی میں دوبارہ کریں گے ہم تمہیں)** مرنے کے بعد، **(اور اِسی سے نکالیں گے ہم تمہیں دوبارہ)** یعنی دوسری بار حساب و جزا کے واسطے۔

پھر فرعون نے معجزہ طلب کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا زمین پر ڈالا، وہ اژدہا ہوگیا۔ پھر اُٹھالیا تو وہی عصا تھا اور ید بیضاء بھی اُسے دکھایا۔ نو[۹] نشانیوں میں سے ایک کے بعد ایک معجزہ دیکھتا تھا اور ایمان نہ لاتا تھا۔--چنانچہ--حق تعالیٰ نے فرمایا---

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

اور بے شک دکھادیا ہم نے اُسے اپنی ساری نشانیاں، پھر بھی جھٹلایا اور انکار کیا●

(اور بے شک دکھادیا ہم نے اُسے اپنی ساری نشانیاں) یعنی سب معجزے جو ہم نے موسیٰ کو دیے تھے، **(پھر بھی)** اُس نے موسیٰ 'علیہ السلام' کو **(جھٹلایا اور)** ایمان لانے اور اطاعت کرنے سے **(انکار کیا)** اور عناد کی راہ سے---

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾

وہ بولا کہ "کیا تم آئے ہو مجھ تک کہ نکال دو ہم سب کو ہماری آراضی سے، اپنے جادو سے اَے موسیٰ ؟●

(وہ بولا، کہ کیا تم آئے ہو مجھ تک کہ نکال دو ہم سب کو ہماری آراضی سے اپنے جادو سے اَے موسیٰ ؟)--الغرض--اَے موسیٰ ہم جان گئے کہ تُو ساحر ہے اور چاہتا ہے کہ جادو کے زور سے ہمیں مصر سے نکال دے اور بنی اسرائیل کو یہاں بسا کر اُن پر تُو بادشاہی کرے---

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ

تو ہم بھی لائیں گے تم تک جادو ایسا ہی، تو کرلو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت کا وعدہ، کہ نہ ہم اُس کے خلاف کریں

وَلَآ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

اور نہ تم، ہموار میدان میں"●

(تو ہم بھی لائیں گے تم تک جادو ایسا ہی) جو تیرے جادو کے مثل ہوگا۔ اُس جادو کے ذریعے ہم تیرے ساتھ مقابلہ کریں گے، تا کہ لوگ جان لیں تُو پیغمبر نہیں ہے بلکہ جادوگر ہے۔ (تو کر لو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت کا وعدہ، کہ نہ ہم اُس کے خلاف کریں اور نہ تم) بلکہ جب وعدہ آئے تو ہم حاضر ہوں (ہموار زمین میں) جہاں اونچا نیچا نہ ہو، تا کہ سب لوگ دیکھ سکیں۔۔یا۔۔ایسی جگہ کہ وہاں ہماری اور تمہاری قوم برابر ہو۔ حضرت موسیٰ نے۔۔۔

قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

جواب دیا کہ "تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے، اور یہ کہ لوگ اکٹھا کیے جائیں دن چڑھتے چڑھتے"●

(جواب دیا کہ تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے) جو مصر والوں کے لیے عید کا دن تھا، کہ اس میں آراستہ ہو کر ایک جگہ حاضر ہوتے تھے اور تماشہ دیکھتے تھے۔۔یا۔۔نوروز۔۔یا۔۔عاشورہ کا دن تھا۔۔المختصر۔۔اُس دن لوگوں کو جمع کیا جائے، (اور یہ) خیال رہے (کہ لوگ اکٹھا کیے جائیں دن چڑھتے چڑھتے)، اِس وقت بہت روشنی ہوتی ہے۔یعنی ہمارا وعدہ لوگوں کے جمع ہونے کے دن چاشت کے وقت کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ دن اس واسطے مقرر کیا تا کہ سب لوگوں کے سامنے حق ظاہر ہو اور باطل چھپ جائے اور اُس کی خبر تمام عالم میں ہر طرف پھیل جائے۔

فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾

تو لوٹا فرعون، پھر یکجا کیا اپنا داؤں، پھر آیا●

(پھر لوٹا فرعون) مجلس سے اور خلوت میں آیا، (پھر یکجا کیا اپنا داؤں) جس کے سبب سے کید اور مکر کرے۔یعنی ساحروں کو اکٹھا کیا اور سحر کے اسباب کو مہیا کیا۔ (پھر آیا) وعدے کی جگہ پر ساحروں کے ساتھ، تو اُن جادوگروں سے ملاقات ہونے کے بعد۔۔۔

قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ

اُن سب کو موسیٰ نے کہا کہ "تمہاری خرابی ہو، مت گڑھو اللہ پر جھوٹ، کہ تباہ فرما دے تمہیں عذاب سے۔

وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾

اور بے شک نامراد رہا جس نے افتراء کیا"●

(اُن سب کو موسیٰ نے کہا، کہ) اَے لوگو! (تمہاری خرابی ہو) یعنی افسوس ہے تم پر ذرا عقل سے کام لو اور **(مت گڑھو اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)**، کہ اس کے عطا کردہ معجزے کو سحر کہتے ہو اور چاہتے ہو کہ اِس کا مقابلہ کرو۔۔یا۔۔خدا پر جھوٹ نہ باندھو اس کے ساتھ دوسرے کو شریک کر کے **(کہ)** حق تعالیٰ اُس کے نتیجے میں **(تباہ فرمادے تمہیں عذاب سے)**۔ایسا عذاب جو تمہیں مٹا دے اور جڑ سے اکھاڑ دے۔**(اور)** یادرکھو کہ **(بے شک نامرادرہا)** وہ، **(جس نے افتراء کیا)** خدا پر۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾

پھر بول چال کی اپنے معاملے میں باہم، اور پوشیدہ مشورہ کیا●

(پھر بول چال کی اپنے معاملے میں) جادوگروں نے **(باہم اور پوشیدہ مشورہ کیا)** اور فرعون کے ملازموں سے بھید چھپایا اور باہم یہ قرار کیا کہ اگر یہ شخص ہم پر غالب آئے، تو اِس کی متابعت کرنی چاہیے۔فرعون کھڑکی سے دیکھتا تھا کہ جادوگر باہم باتیں کرتے ہیں اور مشورہ کرر ہے ہیں، تو پوچھنے لگا کہ یہ ساحر کیا کہتے ہیں، تو وہ سب فرعون کے خوف سے۔۔۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا

بولے کہ" یہ دونوں جادوگر ہیں، چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہاری آراضی سے اپنے جادو سے،

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

اور مٹادیں تمہارے دین شریف کو"●

(بولے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں، چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہاری آراضی سے) یعنی مصر سے **(اپنے جادو سے)** اور مصر کا ملک اپنے تصرف میں لائیں، **(اور مٹادیں تمہارے دین شریف کو)** یعنی اُس مذہب کو فنا کردیں جو سب مذہبوں سے افضل ہے اور اپنا دین اور اپنا مذہب ظاہر کردیں۔۔یا یہ کہ۔۔لے جائیں تمہارے اشراف اور اکابر کو یعنی اُن کا دِل تمہاری طرف سے پھیر دیں اور اپنی طرف متوجہ کرلیں۔غرضیکہ فرعون نے جب ساحروں سے سنا کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام جادوگر ہیں اور مصر سے قبطیوں کو نکال دینے کا داعیہ باندھے ہیں، تو فرعون غصے میں آیا اور بولا کہ جب یہی حال ہے۔۔۔

فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ﴿٦٤﴾

"تو اکٹھا کرلو اپنی اپنی ترکیب، پھر آؤ پرے لگا کر، اور کامیاب آج وہ رہا جو بڑھ گیا"●

(تو) اَے جادوگرو! (اکٹھا کرلو اپنی اپنی ترکیب) یعنی سحر کے آلات کو لاؤ، (پھر آؤ پَرے لگا کر) صف باندھے ہوئے، میدان کی طرف، تاکہ تمہاری ہیبت لوگوں کے دلوں پر پڑ جائے اور کوشش کروتا کہ اُن پر غالب آؤ، (اور) سمجھ لو کہ (کامیاب آج وہ رہا جو) اپنے سحر میں (بڑھ گیا)۔۔الغرض ۔۔اپنی جادوگری میں جو غالب آ گیا وہی بامراد ہوا۔

۔۔الختصر۔۔ستر[٧٠] ہزار۔۔یا۔۔تینتیس[٣٣] ہزار جادوگروں نے صف باندھی اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اُن کے برابر کھڑے ہوئے۔فرعون کے جادوگر، ایک قول کے موافق، رسیاں اور عصے اندر سے خالی کیے ہوئے پارہ بھرے ہوئے، تین گدھوں پر میدان میں لائے اور مؤدّبانہ انداز سے۔۔۔

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى ﴿٦٥﴾

سب بولے کہ "اَے موسیٰ! یا تم ڈالو یا ہم لوگ پہلے ڈالیں"●

(سب بولے، کہ اَے موسیٰ! یا تم ڈالو یا ہم لوگ پہلے ڈالیں)۔حضرت موسیٰ نے اِس خیال سے کہ اِن کا جادو کس حساب کتاب میں ہے اور اِس کا اعتبار ہی کیا، اُنہیں کو پہل کرنے کی اجازت دے دی۔۔یا یہ کہ۔۔ان کی مؤدّبانہ پیش کش کا یہ شریفانہ جواب عطا فرمایا، کہ انہیں کو جادو شروع کرنے کی اجازت دے دی۔۔الغرض۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام ۔۔۔

قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَعِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ

بولے "بلکہ تمہیں لوگ ڈالو" تو اچانک اُن کی رسیاں اور چھڑیاں، انہیں خیال ہوا

مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى ﴿٦٦﴾

اُن لوگوں کے جادو سے، کہ دوڑتی ہیں●

(بولے، بلکہ تمہیں لوگ ڈالو) پس جادوگروں نے اپنے جادو پھینکے اور ہوا کی گرمی کے موافق پارے نے چکر کھایا، (تو اچانک اُن کی رسیاں اور چھڑیاں، انہیں خیال ہوا اُن لوگوں کے جادو سے، کہ دوڑتی ہیں) یعنی حضرت موسیٰ کو ایسا لگا، کہ اُن کے مکر و جادو سے اُن کی رسیاں اور چھڑیاں اِدھر

اُدھر حرکت کرنے لگی ہیں۔۔۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾

تو جھجکے اپنے دل میں خوف سے موسیٰ ● ہم نے فرمایا کہ "مت ڈرو، بلاشبہ تمہیں غالب ہو ●

(تو جھجکے اپنے دل میں خوف سے موسیٰ)۔ انہیں یہ خوف لگا کہ کہیں لوگ معجزے اور سحر میں فرق کرنے سے قاصر نہ رہ جائیں۔۔یا یہ کہ۔۔میں جب تک اپنا عصا پھینکوں، تو ایسا نہ ہو کہ اِس سے پہلے ہی لوگ اِدھر اُدھر چلے جائیں اور متفرق ہو جائیں اور عصا کا اعجاز نہ دیکھ سکیں۔اور پھر اپنی کامیابی اور غلبے کا پورے طور پر مظاہرہ نہ ہو سکے۔۔الغرض۔۔جب موسیٰ جھجکے۔۔تو۔۔(ہم نے فرمایا کہ مت ڈرو، بلاشبہ تمہیں غالب ہو)۔

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ

اور ڈال دو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے، کہ نگل جائے جو ان لوگوں نے بنایا۔ انہوں نے جو کچھ بنایا جادوگر کی ترکیب ہے۔

وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾

اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر کہیں آئے" ●

(اور) اَے موسیٰ! (ڈال دو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے) تا (کہ نگل جائے جو اِن لوگوں نے بنایا ہے) اور اُن کے مکر کی حقیقت ہی کیا ہے، کیونکہ (انہوں نے جو کچھ بنایا ہے جادوگر کی ترکیب ہے اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر کہیں آئے) کہیں جائے۔ اس لیے کہ مکار، مکار ہی ہے، جہاں رہے اور جہاں جائے۔ پس حضرت موسیٰ نے عصا ڈال دیا۔ فوراً وہ بڑا اژدہا ہو گیا اور اپنا منہ پھیلا کر جادوگروں کے سب اسباب نگل گیا، اور لوگ اس کے ڈر کے مارے بھاگنے لگے، اور کئی ہزار آدمی اِس ہلڑ میں کچل کر مر گئے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اُس اژدہے کو پکڑ لیا تو پھر وہ وہی عصا ہو گیا۔ جادوگروں نے جان لیا کہ یہ سحر نہیں ہے۔ اس واسطے کہ ایک سحر دوسرے سحر کو باطل نہیں کر سکتا، بلکہ سمجھے کہ یہ خدا کی قدرت اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

اِس میں راز کی بات یہ ہے کہ جادو سے، دیکھنے والوں کی نگاہوں کو دھوکا دیا جا سکتا ہے، مگر کسی شے کی حقیقت نہیں بدلی جا سکتی۔ جادوگروں نے صاف دیکھ لیا کہ اُن کی لاٹھیوں اور رسیوں کا تماشہ، تماشہ ہی رہا اور شعبدہ کاری سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اِس کے برخلاف

عصائے موسوی کی حقیقت بدل گئی اور وہ حقیقتاً اژدہا بن گیا، اور پھر رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل کر اژدہے والا کام بھی انجام دے دیا۔

۔۔الحاصل۔۔ وہ جادو ہے جو شے کی حقیقت نہ بدل سکے اور وہ معجزہ ہے جو شے کی حقیقت بدل دے۔ حضرت موسیٰ کے عصا کا اژدہا ہوجانا، یہ انقلابِ حقیقت کی پہلی مثال ہے اور پھر اژدہے کا عصا ہوجانا، یہ انقلابِ حقیقت کی دوسری مثال ہے۔ تو یہ ایک ہی نہیں بلکہ دو معجزے ہوئے۔ یہ خدائے ذوالجلال قادرِ مطلق کی قدرتِ بے مثال کی عظیم نشانیاں ہیں۔ جب اِن باتوں پر اُن جادوگروں نے غور وتامل کیا۔۔۔

فَأُلۡقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا ءَامَنَّا بِرَبِّ هَٰرُونَ وَمُوسَىٰ ۝

تو ڈال دیے گئے سارے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے، بولے سب کہ "مان گئے ہم ہارون وموسیٰ کے پروردگار کو" ●

(تو) اس غور وتامل نے انہیں منہ کے بل گرادیا۔۔الغرض۔۔ (ڈال دیے گئے سارے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے) اور اِسی حال میں (بولے سب، کہ) دل کی سچائی کے ساتھ (مان گئے ہم ہارون و موسیٰ کے پروردگار کو)۔

اِس آیت میں ہارون علیہ السلام کا نام اِس سے پہلی آیتوں کے خاتموں کے لحاظ اور رعایت کے سبب سے مقدم ہے، جسے 'رِعایتِ سجع' کہا جاتا ہے ۔۔المختصر۔۔ فرعون نے جب یہ حال دیکھا۔۔تو۔۔

قَالَ ءَامَنتُمۡ لَهُۥ قَبۡلَ أَنۡ ءَاذَنَ لَكُمۡۖ إِنَّهُۥ لَكَبِيرُكُمُ ٱلَّذِي عَلَّمَكُمُ ٱلسِّحۡرَۖ

وہ بولا کہ "تم انہیں مان گئے؟ قبل اس کے کہ میں اجازت دوں تمہیں۔ بے شک یہ ضرور تمہارا بڑا ہے، جس نے تم کو جادو سکھایا۔

فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيۡدِيَكُمۡ وَأَرۡجُلَكُم مِّنۡ خِلَٰفٖ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمۡ فِي جُذُوعِ

تو ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں، ایک کا داہنا دوسرے کا بایاں، اور ضرور پھانسی دوں گا تمہیں کھجور کے درختوں کے

ٱلنَّخۡلِ وَلَتَعۡلَمُنَّ أَيُّنَآ أَشَدُّ عَذَابٗا وَأَبۡقَىٰ ۝٧١

ڈھنڈ پر۔ اور ضرور جان لو گے تم، کہ ہم میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے" ●

(وہ بولا کہ تم اُنہیں مان گئے؟ قبل اِس کے کہ میں اجازت دوں تمہیں) یعنی مجھ سے بات کیے بغیر اور مجھ سے پوچھے بغیر فوراً ہی تم نے اُن کا کلمہ پڑھ لیا اور اُن پر ایمان لے آئے۔ اِس سے اندازہ لگتا

ہے کہ اِس کے پیچھے تم سب کی کوئی بڑی سازش ہے اور اِس میں تمہاری کوئی خفیہ ملی بھگت ہے۔ (بے شک یہ ضرور تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا) یعنی یہ تمہارا استاد و معلم ہے اور تم جادوگروں کا سردار ہے۔

اِس بے وقوف فرعون کی سمجھ میں معجزہ، اور جادوگری کے درمیان وہ فرق سمجھ میں نہیں آیا جوخود جادوگروں نے سمجھ لیا تھا، تو کم از کم وہ اتنا تو سوچتا کہ اِن سارے جادوگروں کو حضرت موسیٰ نے اکٹھا نہیں کیا تھا، بلکہ اُس کے حکم سے خود اُسی کے کارندوں نے پورے ملک سے جمع کیا تھا۔۔الختصر۔۔فرعون نے اپنی بددماغی اور بے عقلی سے اِس کو اُس سے اُس کا ملک چھین لینے کی سازش قرار دیا اور دھمکی دینے لگا کہ اگر تم لوگ موسیٰ 'علیہ السلام' اور ہارون 'علیہ السلام' کے رب پر ایمان لانے سے پلٹے نہیں۔۔۔

(تو) بطورِ سزا **(ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں، ایک کا داہنا اور دوسرے کا بایاں)**، یعنی تمہاری ہر جانب سے ایک ایک حصے کو کاٹوں گا۔۔مثلاً: اگر دایاں ہاتھ کاٹوں گا، تو پاؤں بایاں کاٹوں گا۔یعنی کاٹنے کی ابتداء ہر عضو کے مخالف سمت سے ہوگی۔مثال کے طور پر دایاں ہاتھ ہوگا، تو بایاں پاؤں، ایسے ہی برعکس۔فرعون نے یہ تعیین ڈر اور خوف کی کیفیت میں ہیبت بڑھانے کے لیے بتائی اور صرف اِس سزا پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اُس سے بھی زیادہ سخت اور کڑی سزا دینے کو بولا۔۔۔

(اور) کہا کہ **(ضرور پھانسی دوں گا تمہیں کھجور کے درختوں کے ڈھنڈ پر)** چونکہ قتل کرنے کے لیے کسی کو لٹکانا یعنی سولی پر چڑھانا اور درخت سے لٹکا کر مارنا انسان کے لیے سخت ترین سزا ہوتی ہے، اِسی لیے فرعون نے کہا کہ میں تمہیں دریائے نیل کے کھجوروں کے تنوں سے لٹکا کر قتل کروں گا، تاکہ تمام لوگ تمہارے حال سے عبرت حاصل کریں۔فرعون نے اپنے اس کلام میں اِس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ انہیں اِس سزا میں ایک عرصے تک مبتلا رکھا جائے گا۔ چونکہ کھجور کا درخت لمبا ہوتا ہے اِسی لیے اُن کے تنوں پر لٹکانے کی بات کی، تاکہ سب لوگ دیکھیں اور عبرت پکڑیں۔

فرعون نے یہ بھی کہا کہ جب ایسا کردیا جائے گا **(اور)** تمہیں درختوں پر ہاتھ پیر کاٹ کے لٹکا یا دیا جائے گا، تو **(ضرور جان لوگے تم، کہ ہم میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے)** یعنی میرا یہ عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے۔۔یا۔۔موسیٰ کے خدا کا عذاب جس پر تم ایمان لائے ہو۔

چونکہ جادوگر جذبۂ حقانی کے جام سے مست تھے اور انوارِ ربانی متواتر اُن کے دلوں پر

پڑ رہے تھے، اس لیے انہوں نے فرعونی دھمکیوں کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں کیا۔۔اور۔۔

قَالُوا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ

سب نے جواب دیا کہ "ہم ہرگز نہ ترجیح دیں گے تجھے اس پر جو آگئی ہیں ہمارے پاس نشانیاں۔قسم ہے اُس کی جس نے

مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۖ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾

ہمیں پیدا فرمایا کہ تُو کرلے جو تجھے کرنا ہو، تُو بس اِسی دُنیاوی زندگی ہی میں کرے گا●

(سب نے) متفقہ طور پر **(جواب دیا کہ ہم ہرگز نہ ترجیح دیں گے تجھے اس پر جو آگئی ہیں ہمارے پاس نشانیاں)** یعنی کھلے ہوئے معجزات۔

ایک قول کے مطابق سجدے کی حالت میں جنتیں اور اس کی نعمتیں انہیں دکھادی گئی تھیں، تو وہ فرعون سے بولے کہ جو کھلی ہوئی نشانیاں اور نعمتیں ہم نے دیکھیں، اُن پر ہم تیری نعمت کو ترجیح نہیں دیتے۔

اور **(قسم ہے اُس کی جس نے ہمیں پیدا کیا، کہ تُو کرلے جو تجھے کرنا ہو)** ہم اس کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے۔ ویسے بھی **(تُو)** جو کچھ کرے گا **(بس اِسی دُنیاوی زندگی میں کرے گا)** یعنی تیرا حکم اِسی دُنیا میں چلے گا، اِس کے سوا کہیں اور نہیں جاری ہوگا۔۔الختصر۔۔تُو جو کچھ چاہتا ہے یہیں کرسکتا ہے۔رہ گئی آخرت جو بہت بہتر اور پائدار ہے، وہاں تیرے لیے فضیحت ہے اور وہاں تُو معزول ہوگا اور خود اپنی مصیبت میں مبتلا اور مشغول ہوگا۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ

بے شک ہم مان گئے اپنے پروردگار کو، کہ بخش دے ہماری خطائیں، اور جس جادو پر تُو نے ہمیں مجبور کیا تھا،

وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

اور اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے"●

(بے شک ہم مان گئے اپنے پروردگار کو) تا **(کہ بخش دے ہماری خطائیں)** یعنی ہمارے کفرو معاصی **(اور جس جادو پر تُو نے ہمیں مجبور کیا تھا)**۔یعنی وہ گناہ بھی بخش دے جس کو تُو نے ہم سے زبردستی اور بالجبر کرایا۔

اور وہ ہے جادو سیکھنا۔فرعون جادو سیکھنے کے لیے لوگوں پر زبردستی کرتا تھا۔۔یا یہ کہ۔۔

اُن ساحروں کو اُس کا بلانا زبردستی تھا۔ اس واسطے کہ بادشاہ کا حکم ہی ایک طرح کی زبردستی اور اِکراہ ہے اور انہوں نے خدا سے اُس زبردستی کی بنیاد پر انجام دیے ہوئے عمل کی مغفرت چاہی۔ اِس واسطے کہ سب دینوں میں اِس گناہ پر مواخذہ تھا، جو کسی کی زبردستی سے وقوع میں آئے اور یہ مواخذہ امتِ محمدی ﷺ سے اٹھالیا گیا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (بہتر ہے) بدلہ دینے کے رُو سے (اور ہمیشہ رہنے والا ہے) ثواب کی جہت سے۔ اس واسطے کہ اَے فرعون! تُو کفر کے بدلے ہمیں جو اُجرت دینا چاہتا ہے وہ منقطع ہو جانے والی ہے اور خداوندِ کریم ایمان پر ایسا اجر عطا کرتا ہے، کہ اُس کے گرد زوال کی گرد بھی نہیں پہنچتی۔

اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ۝۷۴

بے شک وہ جو آئے گا اپنے پروردگار کے پاس مجرم، تو بلا شبہ اُسی کے لیے جہنم ہے، نہ مرے اُس میں اور نہ جیے ●

(بے شک وہ جو آئے گا اپنے پروردگار کے پاس مجرم) کفر و شرک میں آلودہ ہو کر، (تو بلا شبہ اُسی کے لیے جہنم ہے، نہ مَرے اُس میں) کہ عذاب سے چھوٹ جائے (اور نہ) ہی (جیے) ایسی زندگی کے ساتھ جو خوشی سے گزرتی ہو۔

وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۤٮِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰى ۝۷۵

اور جو آئے گا اُس کے پاس مانتا ہوا، کہ لیاقت کے کام کر چکا ہے، تو انہیں کے لیے بلند درجے ہیں ●

جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ

سدا بہار کا باغ، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے۔

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَكّٰى ۝۷۶

یہ ثواب ہے اُس کا کہ پاکیزہ ہو گیا ●

(اور) اِس کے برخلاف (جو آئے گا) اپنے (اُس) رب (کے پاس مانتا ہوا) اور جو (کہ لیاقت کے کام کر چکا ہے)۔۔ الغرض۔۔ جو لوگ ایمان و نیک عمل والے ہو کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے (تو انہیں کے لیے بلند درجے ہیں ● سدا بہار کا باغ، بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)۔ یہی گروہ (اُس میں ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔ (یہ ثواب ہے اُس کا) جو (کہ

پاکیزہ ہوگیا) کفر کی نجاستوں سے اور گناہ کے میلوں سے۔۔یا۔۔طہارت حاصل کیے ہو طاعتوں اور نیک کاموں سے۔

یہاں تک ساحروں کا کلام ہے، اور چونکہ اِس کا قصہ تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے، تو یہاں پر مختصر طور پر دو تین باتیں بیان کر کے آیتوں کے مضامین پر اکتفاء کی گئی۔ فرعون نے جب معجزات دیکھے اور اثر پذیر نہ ہوا اور بنی اسرائیل پر اور زیادہ سختیاں کیں، تو اُس کے بعد کا قصہ۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا

اور واقعہ یہ ہوا کہ ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ "راتوں رات نکال لے جاؤ میرے بندوں کو، چنانچہ چالو کر دو اُن کے لیے

فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾

ایک خشک راستہ دریا میں۔ نہ تمہیں ڈر ہوگا کہ کسی کے ہاتھ لگو، اور نہ خطرہ ہوگا"●

(اور واقعہ یہ ہوا کہ ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات نکال لے جاؤ میرے بندوں کو) مصر سے۔ اور جب سب دریا کے کنارے پہنچیں اور فرعون کا لشکر پیچھے آئے، تو ایسا کرو کہ کسی کے دل میں بھی ان کے پیچھے آجانے کا خوف نہ رہے، (چنانچہ چالو کر دو) اپنا عصا مار کر (ان کے لیے ایک خشک راستہ دریا میں)۔ اِس طرح کرنے سے (نہ تمہیں ڈر ہوگا) اور نہ ہی تمہارے ساتھیوں کو (کہ کسی کے ہاتھ لگو)، یعنی فرعون کے لوگ تم کو پالیں گے اِس سے تم سب بے خوف ہو جاؤ گے۔ (اور نہ) ہی کسی کو دریا میں ڈوبنے کا (خطرہ ہوگا)۔

پس حضرت موسیٰ حکم الٰہی کے موافق بنی اسرائیل کو مصر سے باہر لے گئے، دوسرے دن قبطیوں کو خبر ہوئی، مگر ان میں سے ہر ایک کے گھر ایک بڑی مصیبت واقع ہوئی کہ اپنے حال میں مبتلا رہے۔ اِس کے دوسرے دن بہت لشکر جمع ہوئے۔۔۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ؕ

پھر پیچھا کیا اِن لوگوں کا فرعون نے اپنے لشکریوں کے ساتھ، تو اُن کے سر سے اونچا ہو گیا دریا، جو ہونا تھا●

(پھر پیچھا کیا اُن لوگوں کا فرعون نے اپنے لشکریوں کے ساتھ) اور دریا کے کنارے پہنچے موسیٰ علیہ السلام، تو اپنے لوگوں سمیت پار اُتر گئے۔ فرعون والے بھی دریا میں آئے، (تو اُن کے سر سے اونچا

ہو گیا دریا، جو ہونا تھا)۔۔الغرض۔۔ایک بڑی موج نے انہیں لے لیا۔ وہ موج ایسی عظیم تھی کہ کوئی اُس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکا جس کی تعبیر وہ لفظوں میں کر سکے۔۔الحاصل۔۔ بھٹکا دیا۔۔۔

وَاَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو، اور راہ نہ دکھائی●

(اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو) اور کہنے کو تو یہ کہتا تھا، کہ "اَے میری قوم کے لوگو! نہیں بتاتا ہوں تمہیں مگر راہ بھلائی کی"، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ اس نے اپنی قوم کو صحیح (اور) سیدھی (راہ نہ دکھائی) اور انہیں گمراہ کرتا رہا۔۔یا۔۔اِس کا معنی یہ ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کو دریا میں گم کیا اور خود بھی نجات نہ پائی۔۔تو۔۔

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ قَدۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ عَدُوِّكُمۡ وَوٰعَدۡنٰكُمۡ

اَے بنی اسرائیل، بلاشبہ بچایا ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے اور وعدہ فرمایا ہم نے تمہیں

جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنَ وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ﴿۸۰﴾

کوہِ طور کے داہنی جانب کا، اور اُتارا ہم نے تم پر مَن وسلویٰ●

(اَے بنی اسرائیل!) تم میرے اُن احسانات ونوازشات کو یاد کرو، کہ (بلاشبہ بچایا ہم نے تم کو تمہارے دشمن) یعنی فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں (سے، اور وعدہ فرمایا ہم نے تمہیں) یعنی تمہارے پیغمبر کو تمہارے واسطے توریت نازل کرنے کی جہت سے، (کوہِ طور کے داہنی جانب کا) یعنی توریت حاصل کرنے کے لیے کوہِ طور کی داہنی طرف آنے کا، (اور) جس وقت تم میدان تیہ میں سرگرداں تھے، تو (اُتارا ہم نے تم پر من وسلویٰ) یعنی ترنجبین اور بُھنا ہوا مرغ، اور پھر کہا ہم نے۔۔۔

كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَلَا تَطۡغَوۡا فِيۡهِ فَيَحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبِىۡ‌ۚ

کہ کھاؤ پاکیزہ چیزیں، جو ہم نے روزی فرمائی تمہیں، اور نہ سرکشی کرو اس میں، کہ اتر پڑے تم پر میرا غضب۔

وَمَنۡ يَّحۡلِلۡ عَلَيۡهِ غَضَبِىۡ فَقَدۡ هَوٰى ﴿۸۱﴾

اور جس پر اتر پڑے میرا غضب، تو وہ ضرور گرا●

(کہ کھاؤ پاکیزہ چیزیں) یعنی پاک اور حلال چیزیں (جو ہم نے روزی فرمائی تمہیں اور نہ سرکشی کرو اُس میں) یعنی حد سے نہ گزرو اس میں، یعنی ظلم نہ کرو اور ہر ایک اپنا ہی حصہ لو۔۔یا۔۔باسی نہ رکھو دوسرے دن کے واسطے۔۔یا۔۔شکر کرنا نہ چھوڑو۔اس واسطے کہ شکر کے سبب سے جو نعمت موجود ہے، وہ نہیں جانے پاتی، اور جو نعمت مفقود ہے وہ آجاتی ہے۔

اِس ارشاد کا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ نعمت کو گناہوں میں صرف نہ کرو۔۔۔

(کہ اُتر پڑے تم پر میرا غضب۔اور جس پر اُتر پڑے میرا غضب، تو وہ ضرور گرا) جہنم کے طبقہ ہاویہ میں۔

۔۔الختصر۔۔جس نے حد سے گزرنے کی مذکورہ بالا شکلوں میں کوئی بھی شکل اختیار کی، اس نے اپنے کو جہنم کا مستحق بنالیا۔۔یا یہ کہ۔۔اس نے اپنی ہلاکت کا سامان کرلیا۔

میرے بندو! مایوس نہ ہو۔۔۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

اور بے شک میں ضرور مغفرت فرمانے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ماننے لگا، اور لیاقت کے کام کیے، پھر راہ پر قائم رہا●

(اور) سن لو کہ (بے شک میں ضرور مغفرت فرمانے والا ہوں) اُس کی، (جس نے توبہ کی) شرک وکفر سے (اور ماننے لگا) یعنی دل کی سچائی کے ساتھ میری وحدانیت پر ایمان لایا (اور لیاقت کے کام کیے) یعنی فرائض ادا کرتا رہا (پھر راہ پر قائم رہا)۔یعنی سیدھی راہ چلتا رہا اور نبی کریم کی سنت پر ثابت قدم رہا۔۔یا۔۔ہدایت پر استقامت کی۔۔یا۔۔اہلِ سنت وجماعت کا طریقہ اختیار کیا۔

روایت ہے کہ فرعون کے ہلاک ہوجانے کے بعد بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے استدعاء کی کہ ہمارے واسطے ایک شریعت کے قانون اور اس کے احکام کے قواعد ظاہر اور معین کردیجیے۔موسیٰ علیہ السلام نے اس باب میں درگاہِ رب الارباب میں مناجات کی اور خطاب پہنچا کہ بنی اسرائیل میں جو شریف لوگ ہیں ان کی ایک جماعت ساتھ لے کر کوہِ طور پر آؤ، تاکہ ایک ایسی کتاب ہم تمہیں دیں جس میں شرع کے سب احکام جمع ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ پر چھوڑا اور قوم کے ستر اشراف آدمی کے ساتھ کوہِ طور کی طرف متوجہ ہوئے اور قوم سے وعدہ کرلیا کہ چالیس دن گزرنے کے بعد میں آؤں گا اور ایک کتاب لاؤں گا۔ جب کوہِ طور کے پاس پہنچے، تو ساتھیوں کو

چھوڑ دیا اور کلام و پیامِ الٰہی کا شوق جو نہایت درجہ رکھتے تھے، اُس کے سبب سے جھٹ پٹ پہاڑ کے نیچے پہنچے، تو خطابِ ربانی پہنچا۔۔۔

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۸۳﴾

"اور کس نے جلدی کرائی تم سے اپنی قوم سے اَے موسیٰ" ●

(اور) ارشاد ہوا کہ **(کس نے جلدی کرائی تم سے اپنی قوم سے؟ اَے موسیٰ)** یعنی اَے موسیٰ! کس لیے تم نے اِس قدر جلد بازی سے کام لیا کہ اپنی قوم سے پہلے ہی میری بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ حضرت موسیٰ نے۔۔۔

قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿۸۴﴾

عرض کیا کہ "وہ یہ میرے نقشِ قدم پر ہیں، اور میں جلدی حاضر ہوگیا تیرے حضور پروردگار، کہ تو خوش ہو جائے" ●

(عرض کیا کہ وہ یہ میرے نقشِ قدم پر ہیں) یعنی میرے قدموں کے نشان پر ساعت بہ ساعت پہنچنے والے ہی ہیں۔۔ الغرض۔۔ وہ مجھ سے غیر معمول فاصلے اور دوری پر نہیں ہیں۔ **(اور)** رہ گئی یہ بات، کہ **(میں)** جو **(جلدی حاضر ہوگیا تیرے حضور پروردگارا)** تا **(کہ تُو خوش ہو جائے)** مجھ سے اس واسطے کہ حکم کے موافق عمل کرنا حاکم کی خوشنودی کا باعث ہے۔ یعنی جو میں قوم سے پہلے آیا، تو اس سے میرا مقصود یہ نہیں کہ میں اُن سے بڑا اور بزرگ ہوں، بلکہ تیری خوشنودی میں نے طلب کی۔۔ تو۔۔

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾

فرمایا، "ہم نے تو آزمایا تمہاری قوم کو تمہارے بعد، اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا" ●

(فرمایا، ہم نے تو آزمایا تمہاری قوم کو) اَے موسیٰ! **(تمہارے)** یہاں چلے آنے کے **(بعد)**۔ تمہاری قوم کے لوگ اپنے کو ہدایت پر رکھ نہ سکے **(اور اُنہیں سامری نے گمراہ کر دیا)** یعنی ان کی گمراہی کا سبب بن گیا۔

جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ سامری بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ سامرہ کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ ایک قول ہے کہ وہ کرمان کا رہنے والا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عراق کے موضع جریا کا رہنے والا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سامری اسرائیلیوں کے ساتھ رہنے والا تھا،

مگر قوم بنی اسرائیل سے نہیں تھا۔۔بلکہ۔۔بچھڑا پوجنے والوں کی جماعت سے تھا اور اُسے موسیٰ بن ظفر کہتے تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے جس کو سب سے زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے، کہ وہ بنی اسرائیل ہی میں سے تھا۔ جب فرعون ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا تو یہ پیدا ہوا، اور پیدا ہونے کے بعد اُس کی ماں نے اُسے دریائے نیل کے کنارے ایک جزیرے میں ڈال دیا تھا اور حق تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس کی پرورش کرو اور اس کا کھانا پینا پہنچاؤ اور اسی سبب سے وہ جبرائیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا۔

جس روز فرعون کے لوگ غرق ہوئے، اُس دن جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سُم کے نیچے سے اُس نے مٹھی بھر خاک اٹھا کر حفاظت سے اپنے پاس رکھی۔ اب جو موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے، تو سامری حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آیا اور یہ بات زبان پر لایا، کہ تھوڑا سا زیور ہم نے قبطیوں سے عاریتاً لیا ہے وہ ہمارے پاس ہے، ہمیں اس میں تصرف کرنا درست نہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے آپس کی خرید و فروخت شروع کر دی ہے، تو آپ حکم دے دیجیے کہ سب جمع کر کے جلا دیں۔ ہارون علیہ السلام نے حکم کر دیا۔۔چنانچہ۔۔ تمام زیورات کو گڑھے میں بھر کر آگ لگا دی۔

سامری چونکہ چالاک سُنار تھا، اس لیے جیسے ہی وہ سونا چاندی پگھلا اس نے سانچہ بنا کر وہ پگھلا ہوا سونا چاندی اس میں ڈال دیا، تو بچھڑے کی صورت اس میں سے ایک چیز نکل آئی۔ سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سم کی جو خاک اٹھا کر اپنی حفاظت میں رکھ لی تھی، اُسے اس نے بچھڑے کی ڈھلی ہوئی صورت میں ڈال دیا، فوراً وہ زندہ ہو گیا اور گوشت و پوست اس میں پیدا ہو گیا اور بولنے لگا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ زندہ نہیں ہوا مگر جس وضع پر خاک ڈالی تھی، اُسی وضع پر اُس نے ایک آواز کی اور پھر تمام قوم بنی اسرائیل نے اُسے سجدہ کیا۔ حق تعالیٰ نے اِسی بات کی خبر حضرت موسیٰ کو دی، کہ تمہاری قوم نے تمہارے چلے آنے کے بعد بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی ہے۔۔۔

فَرَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی قَوۡمِہٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۬ۚ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَمۡ یَعِدۡکُمۡ

تو لوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف، غصے میں بھرے، افسوس کرتے۔۔ بولے اَے قوم! کیا نہیں وعدہ فرمایا تم سے

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۥ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ

تمہارے پروردگار نے اچھا وعدہ؟۔۔تو کیا تم پر وقت مقرر سے زمانہ زیادہ لمبا ہوگیا؟ یا تمہارا جی چاہا، کہ اتر پڑے

يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِي ﴿٨٦﴾

تم پر تمہارے رب کا غضب؟ لہٰذا تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا"●

(تو لَوٹے موسیٰ) مقامِ مناجات سے چالیس دن کے بعد تختیاں لے کر (اپنی قوم کی طرف غصے میں بھرے افسوس کرتے)، یعنی غمگین اُن کے اِس کام کے سبب سے۔اور جب قوم میں پہنچے تو ان کا شور وغل سنا، کہ بچھڑے کے گرد دَف بجاتے ہیں اور ناچتے گاتے ہیں، تو خفا ہونا شروع کیا اور ملامت کی راہ سے (بولے، اَے قوم! کیا نہیں وعدہ فرمایا تم سے تمہارے پروردگار نے اچھا وعدہ) کہ تم کو توریت دے گا اور میں تمہاری قوم کے شریف لوگوں کو لے کر توریت کی طلب اور تلاش میں گیا تھا، (تو کیا تم پر وقتِ مقرر سے زمانہ زیادہ لمبا ہوگیا)؟

میں نے جو چالیس دن کا وعدہ کیا تھا اُسی وعدے کے مطابق ہی تو میں واپس آیا۔تو کیا تم میرے آنے تک میرا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔(یا تمہارا جی چاہا کہ اُتر پڑے تم پر تمہارے رب کا غضب۔ لہٰذا تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا) یعنی آخر تم لوگوں نے میرے عہد۔۔یا۔۔ایمان پر ثابت قدم رہنے اور میرے حکم پر قائم رہنے کا جو وعدہ کیا تھا، اس کے خلاف کیوں کیا؟ اور وہ بھی ایسا کام جس سے تم غضبِ الٰہی کے مستحق ہوگئے، تو کیا تم چاہتے تھے کہ بچھڑا پوجنے کے باعث تم پر غضبِ الٰہی نازل ہوجائے۔اس لیے تم نے وعدہ خلافی کی؟ حضرت موسیٰ کی بات سن کر جواباً۔۔۔

قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّنْ

سب بولے کہ "وعدہ خلافی ہم نے اپنے اختیار سے نہیں کی۔ہاں اٹھوائے گئے ہم سے بوجھ

زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾

اُس قوم کے گہنے کے، تو ہم نے وہ سب ڈال دیے، پھر اس طرح سے ڈالا کچھ سامری نے●

(سب بولے کہ وعدہ خلافی ہم نے اپنے اختیار سے نہیں کی۔ہاں اٹھوائے گئے ہم سے بوجھ اُس قوم کے گہنے کے) یعنی ہمیں حکم دیا گیا۔۔چنانچہ۔۔ہم نے اٹھالیا قبطیوں سے عاریتاً لیے ہوئے زیورات کا بوجھ۔پھر جب حضرت ہارون نے حکم دیا (تو ہم نے وہ سب ڈال دیے) گڑھے میں ان

کو جلا ڈالنے کے لیے۔ (پھر اس طرح سے ڈالا کچھ سامری نے) بھی یعنی اس کے پاس جو زیورات تھے اس نے بھی اُسے آگ میں ڈال دیا۔ جب سارے زیورات پگھل گئے، تو سامری نے اپنے بنائے ہوئے سانچے میں اُسے انڈیل دیا۔۔۔

فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ

تو نکالا سب کے لیے ایک بچھڑا، محض بے جان کا دھڑ، گائے کی بولی بولتا، تو وہ کہنے لگے کہ "یہ ہے تمہارے معبود،

وَاِلٰهُ مُوۡسٰى ۙ فَنَسِىَ ؕ ﴿۸۸﴾

اور موسیٰ کا معبود، موسیٰ تو بھول گئے"●

(تو نکالا سب کے لیے ایک بچھڑا محض بے جان کا دھڑ) یعنی سونے کا پتلا، جو (گائے کی بولی بولتا) یعنی اس کی آواز بچھڑے کی تھی، (تو وہ) یعنی سامری اور اُس کے خیال کے لوگ (کہنے لگے یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود۔ موسیٰ تو بھول گئے) کہ اپنے اس خدا کو ڈھونڈنے کے لیے طور پر گئے۔

یہ بچھڑا پوجنے والوں کا کلام ہے۔ اگر اس کلام میں فَنَسِىَ کو حق تعالیٰ کا کلام قرار دیا جائے، تو اِس کا معنی یہ ہوگا کہ سامری نے چھوڑ دیا اور اِس سے غافل ہوگیا جو اُس پر لازم تھا یعنی ایمان پر ثابت قدم رہنا۔

اَفَلَا يَرَوۡنَ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا ۙ وَّلَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ﴿۸۹﴾ ع

تو کیا اُن کو نہیں سوجھتا کہ نہ وہ کسی بات کا جواب دے۔۔ اور نہ اختیار رکھے ان کے نقصان کا، نہ نفع کا●

(تو کیا ان کو نہیں سوجھتا) یعنی کیا بچھڑا پوجنے والے نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے (کہ نہ وہ کسی بات کا جواب دے) سکے (اور نہ اختیار رکھے اُن کے نقصان کا نہ نفع کا)۔۔ الحتصر۔۔ جو چیز اپنے پکارنے والے کو جواب نہ دے سکے، اور انہیں نفع وضرر پہنچانے پر قادر نہ ہو، اُس چیز کو پوجنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اور کیسی حق پسندی ہے؟ ایسی بات نہیں کہ گوسالہ پرستوں کی کوئی ہدایت نہیں کی گئی اور انہیں اُن کے اِس عمل سے روکا نہیں گیا۔۔ بلکہ۔۔ حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں حضرت ہارون نے اپنا فریضۂ ہدایت بحسن وخوبی ادا فرما دیا تھا۔۔۔

وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ

اور بلاشبہ کہا تھا انہیں ہارون نے پہلے سے کہ "اے قوم بس یہ تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔

وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾

اور بے شک تمہارا پروردگار خدائے مہربان ہے، تو میرے پیرو رہو اور میرا حکم مانتے رہو" ●

(اور) انہیں اِس کام سے روکا تھا۔۔ چنانچہ۔۔ (بلاشبہ کہا تھا انہیں ہارون نے) حضرت موسیٰ کے آنے سے (پہلے) ہی (سے، کہ اَے قوم! بس یہ تمہاری آزمائش کی گئی ہے) یعنی یہ بچھڑا تمہاری آزمائش کا سبب بن گیا ہے۔۔ الغرض۔۔ یہ بچھڑا تمہارا معبود (اور) تمہارا خدا نہیں، بلکہ (بے شک تمہارا پروردگار خدائے مہربان ہے، تو میرے پیرو رہو اور میرا حکم مانتے رہو) اور میرے دین پر ثابت قدم رہو۔ مگر انہوں نے حضرت ہارون کی ہدایت پر دھیان نہیں دیا۔ اور سوچا کہ اب جب حضرت موسیٰ آجائیں گے تو فیصلہ ہوجائے گا۔ ہم خود دیکھ لیں گے کہ حضرت موسیٰ بچھڑے کو اپنا خدا سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر اس کو پوجتے ہیں کہ نہیں۔ اُس وقت سامری کی بات کا سچ اور جھوٹ ظاہر ہوجائے گا۔ یہی سب سوچ کر۔۔۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

انہوں نے جواب دیا کہ "ہم اِس پر آسن لگائے رہیں گے، یہاں تک کہ موسیٰ واپس ہوں ہماری طرف" ●

(انہوں نے جواب دیا کہ ہم اِس پر آسن لگائے رہیں گے، یہاں تک کہ موسیٰ واپس ہوں ہماری طرف) اور ہم اپنی آنکھوں سے اُس کے تعلق سے اُن کا طرزِ عمل دیکھ لیں۔

پھر جب حضرت موسیٰ طور پر سے واپس آئے، تو پہلے اپنی قوم پر غصہ کیا، جیسا بیان ہوچکا اور پھر اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہوئے اور بڑے غصے میں ایک ہاتھ سے اُن کی پیشانی کے بال اور ایک ہاتھ سے داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔۔ الغرض۔۔ غصے کی راہ سے۔۔۔

قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ

موسیٰ نے کہا کہ "اَے ہارون تم کو کس چیز نے روکا؟ جب کہ تم نے اُن کو دیکھا کہ گمراہ ہوگئے ہیں ● کہ میرے پیچھے نہ آگئے،

اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ﴿۹۳﴾

تو کیا تم نے میرے حکم کو نہیں مانا؟" ●

(موسیٰ نے کہا کہ اَے ہارون تم کو کس چیز نے روکا جب کہ تم نے اُن کو دیکھا کہ گمراہ ہوگئے

ہیں● کہ میرے پیچھے نہ آ گئے) یعنی اُس وقت خدا کے واسطے اور دین کی حمایت کرنے کے لیے غضبناک ہونے میں میری اتباع کرنے سے تمہارے لیے کون سا امر مانع ہوا؟ ایسے وقت میں حمایتِ دین کے لیے میرے غضب وجلال سے تمہیں کام لینا چاہیے، تو آخر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ ۔۔یا یہ کہ۔۔۔جب انہوں نے یہ حرکت کی تھی، تو انہیں چھوڑ کر تمہیں میرے پاس چلا آنا چاہیے تھا، اور اپنے کو میرے پاس پہنچا دینا چاہیے تھا۔ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ (تو کیا تم نے میرے حکم کو نہیں مانا؟) اور بنی اسرائیل کو اُن کی مرضی پر چھوڑ دیا اور اُنہیں دین پر قائم رکھنے کی کوئی جدوجہد نہیں کی، اور میں نے ان کی دینی نگرانی ونگہبانی کی جو ذمہ داری تمہیں سپرد کی تھی اس کو پورا نہیں کر سکے۔ اِس گفتگو کو سن کر۔۔۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ

وہ بولے کہ "میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ سر کے بال، میں تو ڈرا کہ آپ کہیں گے،

أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿۹۴﴾

کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی، اور میرے فیصلے کا انتظار نہیں کیا"●

(وہ) یعنی حضرت ہارون حضرت موسیٰ کو اپنے اوپر مہربان کرنے کے لیے پیار ومحبت کے لہجے میں اُن سے (بولے، کہ میرے ماں جائے)۔۔۔

اگر چہ حضرت ہارون اور موسیٰ علیہما السلام سگے بھائی تھے۔ ایک ہی ماں باپ سے، مگر حضرت ہارون نے ماں کا ذکر اس واسطے کیا کہ حضرت موسیٰ کا دل نرم ہو جائے اور پھر یہ بات کہی، کہ۔۔۔

(نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ سر کے بال) بلکہ میرا عذر غور سے سنیں۔ مذکورہ بالا دونوں امور میں سے کسی ایک امر کو انجام دینے میں، (میں تو ڈرا) اور مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا (کہ) اگر میں نے اُن سے قتال کیا۔۔یا۔۔انہیں چھوڑ کر آپ کے پاس چلا آیا، تو (آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میرے فیصلے کا انتظار نہیں کیا)۔۔یا یہ کہ۔۔۔میں نے جو بات کہی تھی تم نے اس کا دھیان نہیں رکھا۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جانے کے وقت ہارون علیہ السلام سے کہا تھا کہ "میری خلافت کے فرائض انجام دینا میری قوم میں اور اصلاح رکھنا"۔ اصلاح جماعت کی نگہبانی اور اُس کے ساتھ مدارات کرنے کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کا یہ عذر مان لیا اور پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر۔۔۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

کہ ہم اُس کو پھونک دیں گے، پھراُس کی خاک بکھیر کر بہادیں گے دریا میں"●

(بولے، کہ) **مجھے تیرے قتل کی ممانعت ہوئی، تو ہم میں سے (تو دُور ہو)** جا، کیوں (کہ) اب (**تیرا کام اِس زندگی میں یہ ہے، کہ کہتا پھرے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا**)۔۔الغرض۔۔ہرکوئی تجھ سے نفرت کرے گا اور تجھ سے دُور بھاگے گا۔

۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا، کہ جب کوئی اُس کے قریب آتا، تو اُس قریب آنے والے کو شدید بخار آجاتا۔ تو لوگ اُس سے متنفر ہوگئے۔ نہ اس کے قریب ہوتے اور نہ ہی اُسے اپنے قریب آنے دیتے۔ وہ اکیلا وحشیوں کی طرح جنگلوں میں پھرتا اور جسے دُور سے دیکھتا تاکید کرتا کہ میرے پاس نہ آنا۔ بعض تفسیروں میں ہے کہ سامری کی اولاد بھی جب تک رہی اس میں بھی بعض کا یہی حال رہا۔ غرض کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو نکل جانے اور **لَا مِسَاسَ** کہنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ عذاب دُنیا کا ہے۔

(اور) علاوہ ازیں (**بلاشبہ تیرے لیے ایک وعدے کا دن ہے**) جو (**کہ ٹالا نہ جائے گا**)۔ یعنی آخرت میں تیرے لیے جس عذاب کا وعدہ ہے، وہ کسی بھی وجہ سے ٹالا نہ جائے گا۔۔بلکہ۔۔عذاب کا وعدہ یقیناً وفا کیا جائے گا۔ (**اور دیکھ اپنے بت کو جس پر خوب آسن لگائے تھا**) اور اس کی پرستش کرتا رہا، کیوں (کہ) یقیناً (**ہم اُس کو پھونک دیں گے**) یعنی اگر گوشت و پوست والا ہے، تو اُسے جلا دیں گے ۔۔اور۔۔اگر سونے کا بے حیات ہے، تو اُس کا بُرادہ کردیں گے (**پھر اُس کی خاک**) یا بُرادہ (**بکھیر کے بہادیں گے دریا میں**) تاکہ لوگ جان لیں کہ جس چیز کو جلا سکیں اور اُس کا بُرادہ بنا سکیں اُس پر خدائی کی صفت کا اطلاق کرنا، عین جہالت اور محض گمراہی ہے۔ سچی بات تو یہی ہے، کہ۔۔۔

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

بس تمہارا معبود صرف اللہ ہے، کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل اُس کے سوا، گھیر لیا ہر چیز کو علم میں●

(**بس تمہارا معبود صرف اللہ**) تعالیٰ (**ہے، کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل اُس کے سوا**) جس نے احاطہ کرلیا اور (**گھیر لیا ہر چیز کو**) اپنے (**علم میں**)۔ یعنی خدائے برحق وہ ہے، جس کا علم سب چیزوں کو گھیرے ہو، تو بچھڑے کا قالب خدا نہیں ہے، اگرچہ زندہ بھی ہو۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے سے لوگوں نے اس بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی خاک دریا میں ڈال دی۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری کے ساتھ تفصیل سے قصہ بیان فرمایا، پھر اس کے بعد دوسری امتوں کی خبریں اوران کے احوال بیان فرمائے۔سوارشادفرمایا، کہ۔۔۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾

اِسی طرح ہم ظاہر کرتے ہیں تم پر واقعات جوگزر چکے۔اور بے شک دیا ہم نے تمھیں اپنی طرف سے بڑا ذکر●

(اِسی طرح ہم ظاہر کرتے ہیں تم پر واقعات جوگزر چکے) تا کہ آپ کا علم اورآپ کی شان زیادہ ہواورآپ کے معجزات کی کثرت ہو، کیونکہ ہرآیت کئی وجوہ سے معجزہ ہوتی ہےاورآپ کی امت کے لیے عبرت پکڑنے اورنصیحت حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ہوں۔(اور بے شک، دیا ہم نے تمھیں اپنی طرف سے بڑا ذکر) یعنی یادکرنا کہ جوشرف کا باعث ہو، یعنی نبوت۔۔یا۔۔کتاب جس میں قصے اورخبریں ہیں۔یہ ذکرایسا ہے۔۔۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾

کہ جس نے بےرخی کی اِس سے،تو وہ اٹھائے گا قیامت کے دن بوجھ●

(کہ جس نے بےرخی کی اِس سے) یعنی نبوت۔۔یا۔۔قرآن سے (تو وہ) منھ پھیرنے والا (اُٹھائے گا قیامت کے دن بوجھ) اپنے کفر کا۔حال یہ ہے کہ وہ۔۔۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾

ہمیشہ رہنے والا اُس میں۔اور کتنا برا ہے اُن کا قیامت کے دن بوجھ●

(ہمیشہ رہنے والا) ہوگا (اس) بوجھ یعنی کفروتکذیب کی سزا (میں)۔(اور) غورکرو کہ (کتنا بُرا ہے اُن کا قیامت کے دن بوجھ)، یعنی ان کے کفروتکذیب کا بوجھ قیامت کے دن ان کے لیے کس قدرگرانبار ہوگا، اِس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔قیامت کا دن تو قیامت کا دن ہوگا۔۔۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾

جس دن کہ پھونکا جائے گا صور میں،اوراٹھائیں گےہم مجرموں کواُس دن نیلی آنکھیں●

(جس دن کہ پھونکا جائے گا صور میں) یعنی جس دن حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، (اور اٹھائیں گے ہم مجرموں) یعنی مشرکوں (کو اُس دن نیلی آنکھیں) رکھنے والا کر کے۔ آنکھوں کا نیل اور چہرے کی سیاہی دوزخیوں کی علامت ہوگی۔

بعضوں نے یہ معنی کہے ہیں، کہ۔۔۔

حشر کریں گے ہم انہیں پیاسے۔ یا۔ اندھے، اس واسطے کہ اکثر اندھے کہ آنکھ نیلی ہوتی ہے، اور پیاس کی شدت سے نیلے پن کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور جب غصہ کریں گے ہم ان پر، تو۔۔۔

يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾

پھسپھساتے باہم کہ "تم لوگ نہیں بسے، مگر دس دن"●

(پھسپھساتے) یعنی چھپا کر اور آہستہ سے کہتے ہوں گے (باہم، کہ تم لوگ نہیں بسے) اپنی قبروں میں (مگر دس دن)۔ یا۔ دُنیا میں اتنی مدت سے زیادہ نہیں رہے۔ یعنی مدتِ آخرت کی درازی کے سبب سے دُنیا کی مدت کو کم سمجھیں گے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

هم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے، جب کہ کہے گا اُن کا سب سے بڑا لال بجھکڑ کہ "نہیں رکے مگر ایک دن"●

(ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے، جب کہ کہے گا اُن کا سب سے بڑا لال بجھکڑ، کہ نہیں رُکے مگر ایک دن) یعنی قبر۔ یا۔ دُنیا میں تمہارا ٹھہرنا ایک ہی دن رات تھا، اس سے زیادہ نہیں۔

کہتے ہیں کہ قیامت کے ہول کے مارے دُنیا اور قبر میں رہنے کا زمانہ بھول جائیں گے ۔ یا۔ اُس کی درازی کی بہ نسبت دُنیا کی عمر کو کوتاہ جانیں گے، خصوصاً وہ عمر جو جہالت اور گمراہی میں گزری ہوگی۔ حشر کا برپا ہونا اور قیامت کا آنا مشرکین کے فہم وادراک اِن باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ وقتاً فوقتاً اُس کے تعلق سے مختلف انداز سے سوال کیا کرتے تھے ۔۔ چنانچہ۔۔ قریش کے مشرکوں نے۔ یا۔ بنی ثقیف میں سے کسی ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا، کہ پہاڑ باوصف اِس کے کہ بڑے اور سخت ہیں قیامت کے دن اُن کا کیا حال ہوگا؟ تو آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا

اور دریافت کرتے ہیں تم سے پہاڑوں کو، تو جواب دو کہ "اُڑادے گا اُن کو میرا پروردگار، ریزہ ریزہ● پھر چھوڑ دے گا زمین کو

صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ

پٹ پر چورس● نہ دیکھو گے اُس میں کوئی گھاٹی، نہ ٹیلا"● اُس دن پیچھے پیچھے چلیں گے پکارنے والے

لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

کے، بغیر کسی انحراف کے۔ اور پست ہوگئیں آوازیں خدائے مہربان کے لیے، تو نہ سنو گے، مگر سائیں سائیں●

(اور) ارشاد فرمایا گیا، کہ اَے محبوب! یہ مشرکین **(دریافت کرتے ہیں تم سے پہاڑوں کو)** یعنی اُن کے مآل کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں، **(تو)** اُن کو **(جواب)** دے **(دو کہ اُڑادے گا اُن کو میرا پروردگار، ریزہ ریزہ)**۔ یعنی پہلے اُن کو جڑ سے اکھاڑے گا، پھر ریت کی صورت ریزہ ریزہ کر دے گا، پھر ہوا چلائے گا تا کہ اُسے اُڑا دے۔

یہ بھی ایک قول ہے کہ پہاڑوں کو اُن کی جگہوں سے اکھاڑ کر دریا میں ڈال دے گا۔۔۔

(پھر چھوڑ دے گا) ان کی قرار کی جگہ یعنی **(زمین کو پٹ پر چورس)** یعنی زمین کو ایک ہموار میدان کر کے چھوڑ دے گا۔ **(نہ دیکھو گے اس میں کوئی گھاٹی نہ ٹیلا)** یعنی جس میں نہ تو نیچا دیکھو گے نہ اونچا۔ **(اُس دن پیچھے پیچھے چلیں گے پکارنے والے کے، بغیر کسی انحراف کے)**، یعنی پیروی کریں گے سب پکارنے والے کی آواز کی یعنی حضرت اسرافیل کی، کہ وہ حشر کے مقام پر انہیں بلائیں گے اور کوئی پکارا ہوا اس بات کی قدرت نہ رکھے گا کہ پیروی کرنے سے انحراف کرے۔۔ الغرض۔۔ سب پیروی کریں گے۔

۔۔ہاں۔۔ یہ ضرور ہے کہ مومن پیروی کرنے میں جلدی کریں گے، ان کے برخلاف کفار سستی اور دیری کا مظاہرہ کریں گے، لیکن انہیں پیروی کرنی ہی پڑے گی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آگ آکر مشرکوں کو میدانِ حشر تک ہنکالے جائے گی۔

(اور) اِس حال میں **(پست ہوگئیں آوازیں خدائے مہربان کے لیے)** یعنی خدا کی عظمت و ہیبت کے مارے سب کی آوازیں پست ہوجائیں گی۔۔یا۔۔ فرمانِ الٰہی سننے کے لیے سب خاموش اور ہمہ گوش ہوجائیں گے، **(تو نہ سنو گے مگر سائیں سائیں)** یعنی حشر کے واسطے ان کے پاؤں کی چاپ، اور وہ دن اتنا سخت ہوگا، کہ۔۔۔

یَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾

اُس دن نہ کام آئے گی شفاعت، مگر وہ جس کو اجازت بخش دی خدائے مہربان نے، اور وہ جس کی بات پسند فرمائی اُس نے

(اُس دن نہ کام آئے گی) کسی کے لیے کسی کی **(شفاعت، مگر وہ جس کو اجازت بخش دی خدائے مہربان نے)** یعنی خدا کی طرف سے شفاعت کرنے کے لیے جو ماذون ہوگا، وہی شفاعت کر سکے گا۔ **(اور)** اُسی کی شفاعت کر سکے گا جس کی سفارش کرنے کا اُسے اِذن ملا ہوگا۔۔الغرض۔۔ **(وہ جس کی بات پسند فرمائی اُس نے)**۔یعنی سفارش اُسی کی کی جائے گی جس کے واسطے اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے کی بات کو پسند فرمائے۔

۔۔الحاصل۔۔شفاعت صرف اذنِ الٰہی پانے والا ہی کر سکے گا اور وہ بھی صرف اُسی کی شفاعت کرے گا جس کی شفاعت کرنے کی اُسے منجانب اللہ اجازت مل گئی ہوگی۔اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نہ تو کسی ایسے کو اذنِ شفاعت دے سکتا ہے جو اس کام کے لائق ہی نہ ہو، اور نہ ہی کسی کو کسی ایسے کی سفارش کرنے کی اجازت دے سکتا ہے، جو محلِ شفاعت ہی نہ ہو۔ اس علیم وخبیر اور حکیم وقدیر کی شان یہ ہے، کہ۔۔۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

وہ جانے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ لوگ نہیں گھیر سکتے اُس کو علم میں ●

(وہ جانے جو کچھ اُن) آدمیوں **(کے سامنے ہے)** یعنی ان کی آخرت کے امور **(اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے)** یعنی ان کے دُنیاوی امور۔ **(اور وہ لوگ)** یعنی سارے اہلِ عالَم **(نہیں گھیر سکتے اُس)** علیم وخبیر کی ذات **(کو علم میں)** یعنی خدا کی ذات کی حقیقت معلوم نہیں کی جا سکتی۔

اس لیے کہ علم کی حقیقت معلوم کو احاطہ کر لینا ہے، اور معلوم کا کھل جانا ہے اپنے غیر سے برسبیل تمیز، تو جس کی ذات اِس بات کو مقتضی ہو کہ اُسے کوئی نہ احاطہ کرے، تو اس کو علم احاطہ کر لے یہ محال ہے۔اس لیے کہ ذاتیات کا زوال اور حقائق کا انقلاب عقلاً ممتنع ہے۔اب اگر کسی کا علم اُس کی ذات کا احاطہ نہیں کر پاتا، تو یہ نسبت علمیہ کے قصور اور نقصان کے سبب سے نہیں، بلکہ اُس ذاتِ متعالی کے کمال اور بے نہایتی کے سبب سے ہے۔حشر کے دن اہلِ محشر دیکھ لیں گے کہ سرنگوں ہو گئے۔۔۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جھک پڑے سارے چہرے اُس حی قیوم کے لیے۔اور بے شک نا کام رہا جس نے اندھیر اٹھایا●

(اور جھک پڑے سارے چہرے اُس حی قیوم کے لیے) یعنی خدا کے واسطے جو زندہ اور قائم رہنے والا ہے، جیسے قیدی اسیر ہوں حاکموں کے ہاتھ میں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہاں مشرک اور مجرم لوگ مراد ہیں، یعنی یہی ذلیل ہوں گے۔۔۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ **(بے شک نا کام رہا)** اور یقیناً بے نصیب رہا اور نا امیدی کھینچی **(جس نے اندھیر اٹھایا)** اور شرک کا بوجھ لے کر میدانِ حشر میں آیا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

اور جو کرے لیاقت مندیاں اور وہ ماننے والا بھی ہے، تو اُس کو کوئی خوف نہیں ہوگا کسی اندھیر کا، اور نہ نقصان کا●

(اور) اُس کے بر خلاف **(جو کرے لیاقت مندیاں)** یعنی اچھے کام، **(اور وہ ماننے والا بھی ہے)** یعنی ایمان والا بھی ہے۔اس لیے کہ طاعات کی صحت اور خیرات کی قبولیت میں ایمان شرط ہے، **(تو)** یقیناً جو مومن نیک کام کرے قیامت کے دن **(اُس کو کوئی خوف نہیں ہوگا کسی اندھیر کا)**، یعنی کسی طرح کی زیادتی و بیداد کا **(اور نہ)** ہی کسی طرح کے **(نقصان کا)**، یعنی حق تعالیٰ نہ مسلمان کی نیکیوں میں سے کچھ کم کرے گا، اور نہ برائیوں میں کچھ زیادہ کرے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ

اور اِسی طرح اتارا ہم نے اِس کو قرآن عربی زبان میں، اور طرح طرح سے بیان فرمایا اس میں عذاب کو،

يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

کہ وہ خوف کھائیں، یا پیدا کردے اُن میں کچھ سوچ●

(اور اِسی طرح) یعنی جس طرح نازل کیں ہم نے یہ آیتیں جن میں وعید ہے، اِسی طرح **(اُتارا ہم نے اِس کو قرآن عربی زبان میں، اور طرح طرح سے بیان فرمایا اِس میں عذاب کو)** تا **(کہ وہ خوف کھائیں)**۔یعنی یہ مشرکین پرہیز کریں اور ڈریں اس بات سے کہ مبادا ایسا ہی عذاب اُن پر نہ نازل ہو، **(یا پیدا کردے اُن میں کچھ سوچ)**، یعنی جب وہ آیتیں سنیں تو کچھ نصیحت حاصل کریں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ کسی کی اطاعت اور عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اور کسی کی معصیت اور حکم عدولی سے اُس کو کوئی ضرر نہیں ہوتا۔۔۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ

تو سب سے بالا ہے اللہ، سچا بادشاہ۔ اور جلدی مت کیا کرو قرآن میں، اس سے پہلے

اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

کہ پوری کردی جائے تمہاری طرف اس کی وحی۔ اور دُعا کرو کہ "پروردگار زیادہ دے مجھے علم"●

(تو) اچھی طرح ذہن نشین رہے، کہ (سب سے بالا ہے اللہ) تعالیٰ، جو (سچا بادشاہ) ہے، کیونکہ اُس کی بادشاہی ذاتی ہے کسی سے مُستفاد نہیں۔ اس کی بادشاہی کو زوال ہے اور نہ اُس میں تغیر ہے، اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور اُس کی بادشاہی کے لائق ہے۔ وہ بلند و برتر ہے۔ وہم اور عقل اس کی بلندی کا تصور نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ذات کے نفع کے حصول اور اپنی ذات سے ضرر دور کرنے سے منزہ ہے۔ اُس نے قرآنِ مجید کو اس لیے نازل کیا، کہ لوگ وہ کام نہ کریں جو نامناسب ہوں، اور وہ کام کریں جو کرنے چاہئیں۔ کیونکہ جو اطاعت کرتا ہے، وہ اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کی توفیق سے بندہ اطاعت کرتا ہے اور اپنے نفس کی شامت اور شیطان کے بہکانے سے انسان گناہ کرتا ہے۔

سابقہ آیت میں قرآنِ کریم کے نازل فرمانے کا ذکر ہے، اب اُسی کے تعلق سے نبی کریم ﷺ کو ہدایت دی جارہی ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جارہا ہے، کہ اَے محبوب! (جلدی مت کیا کرو قرآن میں اِس سے پہلے کہ پوری کردی جائے تمہاری طرف اِس کی وحی) یعنی قرآن پڑھنے میں عجلت سے نہ کام لیں، اور پوری وحی کو نازل ہو جانے دیں۔ یا۔ تاوقتیکہ بیان واضح نازل نہ ہولے، مجمل قرآن خلق کو نہ پہنچاؤ۔ یا۔ قرآن کے موافق تب حکم کیا کرو جب وہ نازل ہو چکے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت امام حسن بصری سے مروی ہے، کہ ایک مرد نے ایک عورت کو طمانچہ مارا، وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قصاص کی طالب ہوئی، حضرت نے چاہا کہ قصاص لینے کا حکم فرمائیں، تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت نے وہ حکم جاری کرنے میں توقف فرمایا، یہاں تک آیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ نازل

ہوئی۔تو اب اِس آیت کا معنی وہی ہوا جو مذکورہ بالا آخری توجیہ سے ظاہر ہے۔

تو اَے محبوب! مکمل آیت نازل ہوجانے کے بعد ہی حکم ظاہر فرماؤ (اور دُعا کرو کہ پروردگارا! زیادہ دے مجھے علم) احکامِ شرع کا۔یا۔قرآن اور اس کے معانی کا۔یا۔میرا حفظ زیادہ کر، تاکہ میں بھول نہ جاؤں وہ، جو تُو میری طرف وحی کرتا ہے۔یا۔دے مجھے ایک علم کے بعد دوسرا علم۔۔۔

بعض عارفین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کہ علم کی زیادتی طلب کی، تو حق تعالیٰ نے حضرت خضر کے حوالہ فرمایا اور ہمارے رسولِ مقبول ﷺ کو بے طلب علم زیادہ ہونے کی دُعا تعلیم فرمائی اور اپنے سوا کسی پر حوالہ نہ فرمایا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ جس نے ۔۔ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ ۔۔"سکھایا مجھ کو میرے رب نے پس بہتر ہوا میرا ادب سکھنا" کے مکتب ادب میں **قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا** "کہہ اَے میرے رب زیادہ کر میرا علم" کا سبق پڑھا ہو، وہ البتہ۔۔ **وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ** ۔۔"اور سکھائی تجھ کو ہم نے وہ چیز جس کا تجھ کو علم نہ تھا" کے مدرسے میں۔۔فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔۔"پس سیکھ لیا میں نے علم اولین وآخرین کا"۔مستفیدوں کے گوش ہوش میں پہنچا سکتا ہے۔۔۔

زیرِ تفسیر سورۂ مبارکہ کی آیت ۹۹ میں ارشاد ہے، کہ:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ

"اسی طرح ہم آپ کے اوپر گزرے ہوئے واقعات کے قصے بیان کر رہے ہیں"

۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔اس سورت میں چھٹی بار حضرت آدم کا قصہ بیان فرمایا ہے۔پہلی بار سورۂ بقرہ میں۔دوسری بار سورۂ اعراف میں۔تیسری بار سورۂ الحجر میں۔چوتھی بار سورۂ بنی اسرائیل میں اور پانچویں بار سورۂ الکہف میں آپ کا قصہ بیان کیا جاچکا ہے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾

ع ۱۱ ۱۵

اور بے شک تاکید کی تھی ہم نے آدم کو اِس سے پہلے، تو وہ بھول گئے اور "نہیں پایا ہم نے اُن کا قصد"●

(اور) اب اِس سورہ میں ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ (بے شک تاکید کی تھی ہم نے) بذریعہ وحی (آدم کو اِس) درخت سے کھالینے۔۔یا۔۔اُس زمانے (سے پہلے) اور حکم کردیا تھا ہم نے کہ جو درخت ہم نے منع کردیا ہے، اُس کے گرد نہ جانا اور اُسے نہ کھانا، (تو وہ بھول گئے) اُس حکم کو، یعنی وہ

حکمِ الٰہی عین وقت پر اُن کے ذہن میں مستحضر نہ رہا، جو اُن جیسوں کے ذہن میں مستحضر رہنا چاہیے تھا، کیونکہ۔۔ جن کا رتبہ ہے سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔۔ اِسی لیے اُن پر عتاب فرمایا گیا۔ اگرچہ حقیقت (اور) صورتِ واقعہ یہی تھی، کہ (نہیں پایا ہم نے اُن کا قصد) یعنی قصداً اُن سے وہ صورت نہیں واقع ہوئی، بلکہ خطاءً ایسا ہو گیا جس میں گناہ و نافرمانی کا کوئی قصد و ارادہ نہیں تھا۔

اُس کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جو ہم نے ممانعت کر دی تھی اُس پر آدم کو صبر نہ تھا۔ مذکورہ بالا واقعے کے آغاز کے تعلق سے اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾

اور جب کہ حکم دیا تھا ہم نے فرشتوں کو کہ "سجدہ کرو آدم کا"، تو سب نے سجدہ کیا، سوا ابلیس کے۔ اُس نے انکار کر دیا●

(اور) اپنے علم و ادراک میں حاضر کر لو اُس وقت کو، (جب کہ حکم دیا تھا ہم نے فرشتوں کو)۔

اور گروہِ ملائکہ کے ساتھ رہنے کے سبب یہ حکم ابلیس کے لیے بھی تھا، جس کو وہ خود بھی بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اسی لیے انکارِ سجدہ کی جب اُس سے وجہ دریافت کی گئی، تو اُس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے حکم ہی کب دیا گیا تھا کہ میں سجدہ کرتا، یہ حکم تو فرشتوں کے لیے تھا؟۔۔ المختصر۔۔ امرِ سجدہ کا مامور فرشتوں کے ساتھ تغلیباً ابلیس بھی تھا۔

۔۔الحاصل۔۔ جب اُن سبھوں کو حکم دیا (کہ سجدہ کرو آدم کا، تو سب نے سجدہ کیا، سوا ابلیس کے۔ اُس نے انکار کر دیا)۔

یہ سجدہ تعظیمی تھا، جس سے حضرت آدم کی کرامت و تحیت مقصود تھی۔ انکارِ سجدہ کی وجہ سے اُسے رحمتِ الٰہی سے دُور کر دیا گیا۔ شیطان کو ابلیس اِسی لیے کہتے ہیں کہ وہ رحمتِ خداوندی سے دُور کیا جا چکا ہے۔ جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا

تو فرمایا ہم نے کہ "اے آدم! یہ دشمن ہے تمہارا اور تمہاری بی بی کا، تو یہ نکالنے نہ پائے تم دونوں کو جنت سے،

مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾

کہ مشقت اٹھانی پڑے●

(تو فرمایا ہم نے کہ اَے آدم) اچھی طرح سے دیکھ لو اور سمجھ لو، کہ (یہ) ابلیس (دشمن ہے تمہارا

اور) صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ (تمہاری بی بی کا) جو تمہارے ہی جسم کے ایک حصہ سے پیدا فرمائی گئی ہیں۔۔الغرض۔۔اُس کی دشمنی ہر اُس ذات سے ہوگی جس کی نسبت تمہاری ذات کی طرف ہوگی، تو اُس کی دشمنی کا دائرہ تمہاری قیامت تک آنے والی آل واولاد کو بھی محیط ہوگا، (تو) ہمہ وقت خیال رہے، کہ (یہ نکالنے نہ پائے تم دونوں کو جنت سے کہ مشقت اُٹھانی پڑے)۔ظاہر ہے کہ جب جنت سے تُو باہر جائے گا، تو محنت اور مشقت سے اسبابِ معاش مہیا کرنے ہوں گے۔۔الحاصل۔۔یہ تمہارے جنت سے نکلنے کا سبب نہ بنے۔وہ جنت جس میں راحت ہی راحت ہے، جس میں۔۔۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾

بلاشبہ تمہارے مطلب کی بات یہ ہے، کہ نہ بھوک لگے گی اس میں اور نہ برہنگی ●

(بلاشبہ تمہارے مطلب کی بات یہ ہے) کہ وہ تیرے واسطے یقینی طور پر ایسی ہوگی (کہ نہ بھوک لگے گی اُس میں) تمہیں، اس واسطے کہ اس میں سب نعمتیں مہیا ہیں (اور نہ) ہی (برہنگی) سے سابقہ پڑے گا۔اس لیے کہ جو لباس چاہیے وہ اُس میں موجود ہوگا۔۔۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾

اور نہ اس میں تمہیں پیاس لگے گی، اور نہ دھوپ" ●

(اور نہ اس میں تمہیں پیاس لگے گی) اس واسطے کہ اس میں چشمے اور نہریں برابر جاری ہیں، (اور نہ) ہی اس میں تمہیں (دھوپ) ملے گی۔اس واسطے کہ بہشت کا سایہ ہمیشہ پھیلا ہوا ہے، کیونکہ وہاں سورج نہ ہوگا اور بہشتی لوگ دراز سائے میں ہوں گے۔

انسان کو پیٹ بھر کھانا مل جائے، پھر سیر ہو کر پینے کے لیے پانی مل جائے، تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا مل جائے، اور درختوں کا سایہ میسر ہو جائے، تو یہ اس کے لیے بہت اور بڑی نعمتیں ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں یہ نعمتیں بغیر کسی محنت اور مشقت کے حاصل تھیں اور اِن نعمتوں کی انسان کو اُس وقت قدر ہوتی ہے، جب یہ نعمتیں اُس کو میسر نہ ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں اُن نعمتوں کی اضداد کا ذکر فرمایا، کہ جنت میں آپ بھوکے رہتے ہیں نہ پیاسے، نہ برہنہ ہوتے ہیں اور نہ آپ کو دھوپ کی تپش محسوس ہوتی ہے، اور جب آپ جنت سے چلے جائیں گے، تو آپ کو اِن تمام نعمتوں کے حصول کے لیے محنت

اور مشقت کرنی ہوگی، اس لیے آپ شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں، تاکہ آپ کو جنت سے جانا نہ پڑے۔۔۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

تو وسوسہ ڈالا شیطان نے، بولا "اے آدم! کیا میں بتادوں تمہیں درخت حیات،

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

اور وہ ملک جو کہنہ نہ ہو؟"●

(**تو وسوسہ ڈالا شیطان نے**) بعد اِس کے کہ، ایک قول کے مطابق بہشت میں آیا، اور حضرت حواء علیہا السلام کو دیکھا اور موت سے انہیں ڈرایا، اور حضرت حواء نے آدم علیہ السلام سے کہا وہ بھی موت سے ڈرے اور ابلیس جو بوڑھی صورت میں ظاہر ہوا تھا اس سے موت کا علاج پوچھا، تو ابلیس (**بولا، اَے آدم**) **شَجَرَةِ الْخُلْدِ** کا میوہ کھانا اِس مرض کا علاج ہے، تو (**کیا میں بتادوں تمہیں درختِ حیات**) کا پتا، کہ جو کوئی اس میں سے کھائے ہرگز نہ مرے۔ (**اور**) بتادوں (**وہ ملک جو کہنہ نہ ہو؟**) یعنی راہ بتادوں تجھ کو ایسی بادشاہی کی جو پرانی نہ ہو، یعنی زوال اُسے نہ پہنچے۔

حضرت آدم نے کہا کہ ہاں بتادے۔ تو ابلیس نے یہ راہ بتائی کہ جس درخت سے کھانے کی ممانعت تھی وہی بتادیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی قسم بھی کھالی۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں کھا سکتا، اور انہوں نے یہ بھی اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے 'تنزیہاً' منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے 'تحریماً' منع فرمایا تھا۔۔۔یا۔۔۔انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اُس درخت سے منع فرمایا ہے، تو اِس نوع کے کسی اور درخت سے کھالینے پر کوئی حرج نہیں۔ دونوں صورتوں میں اُن کے اجتہاد کو خطا لاحق ہوئی اور وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوعِ شجر سے منع کیا تھا۔

اور یہ واضح رہے کہ اجتہادی خطاء اور نسیان عصمت کے منافی نہیں ہے۔ اور باقی رہا ان کا عرصۂ دراز تک توبہ واستغفار کرنا، تو یہ ان کا کمالِ تواضع اور انکسار ہے۔ اور رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر عتاب کیوں فرمایا، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔ اور اس لیے کہ اگرچہ یہ فعل حقیقت میں گناہ نہیں، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ بہت بلند تھا، اس لیے ان کو اپنے مرتبے کے لحاظ سے چاہیے تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد رکھتے، تاکہ بھولنے کی نوبت نہ آتی۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

چنانچہ کھالیا اُس سے، تو ظاہر ہوگئیں اِن کے لیے اِن کی شرم کی چیزیں، اور لگے چپکانے اپنے اپنے اوپر جنت کے پتے۔

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾

اور بھول گئے آدم اپنے رب کے حکم کو، تو انہوں نے بھی اپنا چاہا کھودیا●

اور اب رہا یہ، کہ وہ بےلباس کیوں ہو گئے، تو ہوسکتا ہے کہ اُس کی وجہ یہ ہو کہ اُس درخت سے کھانا بےلباس ہونے کا سبب ہو، جیسے آگ جلانے کا سبب ہے، اور زہر ہلاکت کا سبب ہے۔ ذہن نشین رہے کہ **فَغَوٰى** کا معنی گمراہ ہونا بھی ہے، اور خراب اور فاسد ہونا بھی ہے، اور یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے، کہ جنت سے آنے کے بعد ان کی زندگی کا عیش وآرام خراب ہوگیا اور ان کو کھانے پینے اور لباس پہننے کے لیے محنت اور مشقت کرنی پڑی۔۔۔

(چنانچہ) ابلیس کے کہنے سے دونوں نے **(کھالیا اُس)** شجرِ ممنوعہ **(سے، تو ظاہر ہوگئیں اُن کے لیے اُن کی شرم کی چیزیں)** یعنی بہشت کا لباس اُن پر سے اُتر گیا اور دونوں برہنہ ہوگئے۔

اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے کو برہنہ دیکھنا، خود انہی تک محدود تھا، کسی غیر کی نگاہ نہیں پڑی تھی، تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ آدم علیہ السلام کو کسی بات کی سزا مل رہی ہے۔

اِسی لیے فرمایا کہ "ظاہر ہوگئیں اُن کے لیے" یعنی صرف اُن کے لیے اُن کی شرم کی جگہ، نہ کہ دوسروں کے لیے۔

(اور) اُن نفوسِ قدسیہ والوں کو خود اپنی شرمگاہ کا دیکھنا بھی باعثِ شرم تھا، تو ستر پوشی کے لیے **(لگے چپکانے اپنے اپنے اوپر جنت کے پتے)** یعنی جنتی درخت انجیر کے پتے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ چوڑے پتے تھے، دونوں ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کی شکل اُسی طرح کی بنائی گئی ہے۔

۔۔المختصر۔۔کلام کا حاصل **(اور)** خلاصہ یہ نکلا، کہ **(بھول گئے آدم اپنے رب کے حکم کو، تو انہوں نے بھی اپنا چاہا کھودیا)** یعنی جو ہمیشہ کی زندگی انہیں مطلوب تھی اور جو ہمیشہ کے لیے جنت کی رہائش چاہتے تھے، یہ باتیں اُنہیں حاصل نہ ہوسکیں۔ پھر توبہ واستغفار کرتے رہے اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے مغفرت چاہی۔۔تو۔۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰی ﴿۱۲۲﴾

پھر چن لیا اُن کو اُن کے رب نے، پس توبہ قبول فرمالی ان کی، اور راہ لگا دیا●

(پھر چُن لیا اُن کو اُن کے رب نے، پس توبہ قبول فرمالی ان کی، اور راہ لگا دیا)۔ یعنی اُس توبہ پر ہمیشہ کے لیے استقامت عطا فرمادی۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی ۵

فرمایا، "دونوں اتر جاؤ جنت سے سب کے سب، تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے، اب اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت۔۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴿۱۲۳﴾

تو جس نے پیچھا دھرا میری ہدایت کا، تو نہ بھٹکے نہ مشقت میں پڑے●

اور پھر (فرمایا) حق تعالیٰ نے، کہ اَے آدم وحواء! تم (دونوں اُتر جاؤ جنت سے سب کے سب) باہم اپنی پشت میں موجود اولاد کے ساتھ۔ یہ جنت لڑنے جھگڑنے کی جگہ نہیں اور حال یہ ہے کہ (تم میں) یعنی تمہاری ہونے والی اولاد میں (ایک دوسرے کا دشمن ہے)، تو لڑنا جھگڑنا اُن کی سرشت ہوگی۔

۔۔چنانچہ۔۔ کھلی آنکھ سے ہر دیکھنے والا بنی آدم کی عداوتوں اور اُن کے جھگڑوں کا مشاہدہ کر ہی رہا ہے۔ آگے تمام بنی آدم کو حق تعالیٰ مخاطب فرما کر فرما رہا ہے، کہ زمین میں پہنچنے کے بعد۔۔۔

(اب اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت) کرنے والا۔۔یا۔۔وہ چیز جو ہدایت کی سبب ہو، یعنی کتاب اور رسول، (تو جس نے پیچھا دھرا میری ہدایت کا) اور پیروی کی میری ہدایت کی، (تو) وہ (نہ بھٹکے) گا دُنیا میں اور (نہ) ہی (مشقت میں پڑے) گا آخرت میں۔ یعنی وہ آخرت میں سختی اور عذاب میں مبتلا نہ ہوگا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ

اور جس نے بے رخی کی میری یاد سے، تو اس کی زندگی تنگ ہے۔ اور اٹھائیں گے ہم اُسے

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ﴿۱۲۴﴾

قیامت کے دن اندھا"●

(اور) اِس کے برخلاف (جس نے بے رخی کی میری یاد سے) یعنی ہدایت کرنے والے سے

جومیری یاد کا سبب ہے۔۔یا۔۔منہ پھیرے گا میری کتاب سے، (تو) پھر بے شک (اُس کی زندگی تنگ ہے) اور سخت ہے دُنیا میں۔یعنی حرام کمائی میں پڑ جائے گا۔۔یا۔۔بُرے کام میں مبتلا ہو جائے گا۔۔یا ۔۔قناعت اُس سے جاتی رہے گی اور وہ حرص کے پھندے میں پھنسے گا۔

اور بعضوں نے کہا ہے تنگ معیشت عذابِ قبر ہے۔۔یا۔۔زقوم دوزخ۔

(اور اٹھائیں گے ہم اُسے) یعنی اُس منہ پھیرنے والے کو (قیامت کے دن اندھا) تاکہ جہنم اور اُس کے طرح طرح کے عذاب کے سوا کچھ دیکھے ہی نہ۔اب۔۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾

اگر پوچھا کہ "پروردگارا کیوں اٹھایا تو نے مجھے اندھا، حالانکہ میں انکھیارا تھا؟" ●

(اگر) اُس اندھے نے (پوچھا کہ پروردگارا! کیوں اُٹھایا تُو نے مجھے اندھا) یعنی کس سبب سے تو نے مجھ کو اندھا حشر کیا۔

فعل ماضی لانے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ امر یقینی واقع ہوگا، ایسا یقینی گویا کہ ہو چکا۔۔الختصر ۔۔وہ پوچھے گا کہ مجھے اندھا کیوں اٹھایا۔۔۔

(حالانکہ میں انکھیارا تھا) جب کہ قبر سے میں نے سر نکالا تھا۔یعنی قبر سے نکلتے وقت تو میں آنکھ والا تھا، اب میدانِ حشر میں اندھا کیسے ہو گیا؟۔۔۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

تو اس کا جواب ہے کہ "اِسی طرح آئی تھیں تجھ تک ہماری آیتیں، تو تم نے اُسے بھلا دیا تھا، اور اسی طرح آج بھی تو یاد نہ کیا جائے گا" ●

(تو اِس کا جواب ہے، کہ اِسی طرح آئی تھیں تجھ تک ہماری آیتیں) یعنی ہماری کتاب کی آیتیں۔۔یا۔۔ہماری قدرت کی دلیلیں اور ہماری وحدت کی نشانیاں، (تو تم نے اُسے بھلا دیا تھا) اور اس سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔۔نیز۔۔اُسے ترک کر دیا تھا، (اور) جس طرح تم نے ہماری آیتوں کو یاد نہیں رکھا اور اُن سے اعراض کیا، (اِسی طرح آج بھی تو یاد نہ کیا جائے گا) اور عذاب میں رہے گا۔ جس طرح تُو نے ہماری آیات کو نظر انداز کیا، اُسی طرح آج تجھے یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔۔الغرض ۔۔تُو کسی طرح کی رُو رعایت کا مستحق نہیں رہ گیا۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ

اور اسی طرح سے سزا دیتے ہیں ہم جس نے زیادتی کی، اور نہ مانا اپنے پروردگار کی آیتوں کو۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾

اور بلاشبہ آخرت کا عذاب تو زیادہ سخت اور دوامی ہے●

(اور) یہ تو ہمارا دستورِ ازلی ہے، کہ **(اسی طرح سے سزا دیتے ہیں ہم جس نے زیادتی کی)** اور حد سے گزر گیا، یعنی مشرک ہو گیا **(اور نہ مانا اپنے پروردگار کی آیتوں کو)** بلکہ اُن کی تکذیب کی، **(اور بلاشبہ آخرت کا عذاب تو زیادہ سخت)** دُنیا کی تنگ معیشت کی سختی سے، **(اور دوامی ہے)** یعنی ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اس جہت سے کہ کبھی منقطع ہوگا ہی نہیں۔

--المختصر-- آخرت کا عذاب کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے دُنیا اور برزخ کے عذاب سے زیادہ ہوگا۔ بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر میدانِ حشر میں دیکھنے والا ہوگا، وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھے گا اور جنتیوں اور دوزخیوں کو دیکھے گا، تو پھر وہ اندھا کیسے ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اندھے سے مراد آنکھوں کا اندھا نہیں، بلکہ حجتوں کا اندھا ہے، یعنی دُنیا میں تو اس نے اپنے کفر اور فسق پر حجتیں بنا رکھیں تھیں، لیکن آخرت میں اُس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور وہ بالکل خالی ہاتھ ہوگا۔

اور اگر اُس سے مراد آنکھوں کا اندھا ہی لیا جائے پھر اُس کا معنی یہ ہے، کہ قیامت کے بعض احوال میں اُس کی بینائی نہ ہوگی اور وہ اندھا ہوگا، اور بعض دوسرے احوال میں وہ بینا ہوگا اور قیامت کے ہولناک مناظر کو دیکھنے کے لیے اس کو بینائی عطا کر دی جائے گی۔

آیت ١٢٨ سے پہلے---

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا، کہ جو شخص اللہ عزّوجلّ کے ذکر اور اس کے دین سے اعراض کرتا ہے، اُس کا قیامت کے دن کس طرح حشر کیا جائے گا اور اب آیت ١٢٨ میں یہ بتایا کہ دنیا میں ہونے والے واقعات سے انسانوں کو یہ سبق لینا چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اِس آیت کا معنی یہ ہے، کہ کیا اہلِ مکہ کو ان کی خبر معلوم نہیں ہوئی، جو اُن سے صدیوں پہلے اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ یعنی جب اہل مکہ تجارت کرنے اور اپنی روزی طلب کرنے کے لیے سفر پر نکلتے ہیں، اور پچھلی امتوں کے شہروں کے کھنڈرات دیکھتے ہیں اور اُن بستیوں کو دیکھتے ہیں جو اپنی بنیادوں پر گری پڑی ہیں، تو کیا

اُن کو خوف لاحق نہیں ہوتا، کہ اگر وہ اِسی طرح اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے رہے، تو اُن پر بھی وہ عذاب آسکتا ہے جو پچھلی امتوں پر آچکا ہے ۔۔چنانچہ۔۔اِسی نکتے پر توجہ دلانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ

تو کیا انہیں ہدایت نہ ملی اس سے؟ کہ کتنے ہلاک کر دیے ہم نے اِن سے پہلے طبقے کے طبقے، کہ یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں جن کے گھروں میں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے●

(تو کیا انہیں ہدایت نہ ملی اُس سے کہ کتنے ہلاک کر دیے ہم نے ان سے پہلے طبقے کے طبقے) گزرے زمانوں کے لوگوں کے، جیسے قومِ عاد، قومِ ثمود، نمرُود وغیرہ (کہ) آج (یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں) بغرضِ تجارت (جن کے گھروں میں) یعنی جن کے رہنے کی جگہوں میں۔(بے شک) ان کے (اِس) ہلاک کرنے (میں ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے) عبرت لینے کو۔۔یا۔۔دلیلیں ہیں منکروں کے عذاب پر اُن لوگوں کے واسطے جن کی عقلیں اُن کو تغافل سے منع کرتی ہیں۔۔۔

ع ۱۴ ۱۶

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾

اور اگر نہ ایک کلمہ پہلے سے طے ہوتا تمہارے رب کے یہاں، اور وقت مقرر، تو عذاب چپک جاتا●

(اور) اَے محبوب! (اگر نہ ایک کلمہ پہلے سے طے ہوتا تمہارے رب کے یہاں) وہ یہ کہ منکرین کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔۔یا۔۔اُن کی نسل سے مومن پیدا کرے گا (اور) یہ کہ ان کے عذاب کے لیے (وقت مقرر) ہے۔۔الغرض۔۔اگر تاخیرِ عذاب اور اَجَلٌ مُّسَمًّى کا حکم نہ ہو چکا ہوتا، (تو عذاب چپک جاتا) یعنی جو کچھ عاد وثمود پر نازل ہوا تھا، وہ سب اِن کافروں پر بھی نازل ہو جاتا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ

تو صبر کرو جو وہ بکتے ہیں، اور پاکی بیان کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ، سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے،

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

اور رات کی گھڑیوں میں، تو پاکی بیان کرو اور دن کے کناروں میں، کہ تم کو خوشی میسر ہو●

(تو) اَے محبوب! (صبر کرو) اِن دل آزار باتوں پر (جو وہ بکتے ہیں)۔۔مثلاً: آپ کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور بہت سارے دلائل و معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے۔۔علاوہ ازیں۔۔بعض آپ کو ساحر کہتے ہیں، بعض آپ کو شاعر یا مجنون کہتے ہیں، اس سے آپ کو بہت رنج و غم ہوتا ہے، تو آپ اس پر صبر کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیے۔۔نیز۔۔فرائض رسالت کو ادا کرتے رہیے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ جہاد کا حکم ۲ھ میں نازل ہو گیا تھا، لیکن اُس وقت بھی فی الفور تمام کافروں کو ملیا میٹ نہیں کر دیا گیا تھا۔ ۷ر ہجری میں خیبر فتح ہوا اور ۸ر ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ غرض کہ کفار کی باتوں اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے کے مواقع کافی عرصے تک باقی رہے تھے، سو اب بھی ہیں۔ اس لیے اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۔۔الغرض۔۔اَے محبوب! آپ صبر کرو (اور) اپنے رنج و غم کو زائل کرنے کے لیے (پاکی بیان کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ) یعنی رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہو اور پنج وقتہ نمازوں کو اُن کے اوقات میں ادا کرتے رہو، یعنی فجر کی نماز (سورج نکلنے سے پہلے اور) عصر کی نماز (اُس کے ڈوبنے سے پہلے) کیونکہ یہ نماز غروبِ آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہے (اور رات کی گھڑیوں میں تو پاکی بیان کرو) یعنی مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھو (اور دن کے کناروں میں) ظہر کی نماز ادا کرو۔ اِس واسطے کہ اس کا وقت زوال کے قریب ہے، اور پہلے آدھے دن کا پچھلا کنارہ اور پچھلے آدھے دن کا پہلا کنارہ ہے۔ اور لفظ اطراف کا جمع ہونا اس واسطے ہے کہ دوسرے وقت کا شبہ تک نہ ہو۔

۔۔یا۔۔اطراف کا لفظ دن کے دو حصوں کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ یعنی دن کے نصف اوّل کے آخر اور اس کے نصف ثانی کے اوّل میں جو نماز ہے وہ نماز ظہر ہے۔

۔۔المختصر۔۔اَے محبوب! اِن اوقاتِ مذکورہ میں نماز ادا کرتے رہو، تا (کہ تم کو خوشی میسر ہو) اور وہ بھی ایسی خوشنودی جو ایسی بزرگی کے سبب سے ہوگی، جو حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے گا اور وہ بزرگی شفاعت ہے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ کسی کے مرتبے و شان کو دیکھ کر اُس کی آرزو کرنا اور اُسے رشک کی نگاہوں سے معمولی طور پر غور سے دیکھنا، ایسا امر ہے کہ اُس سے بچنا دشوار ہے اور انسان کے اپنے بس میں نہیں۔ اس لیے کہ بہت سے امور ہمارے سامنے آتے ہیں

ہم اُنہیں دیکھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، لیکن بحکم شرع اُس سے آنکھ میچ لیتے ہیں۔ اِس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں اُسے بار بار بطورِ حسد دیکھنا اور دُنیاوی نقش ونگار میں اپنی نگاہیں اس طرح لگادینا گویا کہ اُس کے دل میں اُس نے گھر کرلیا ہے، یہ معیوب چیز ہے اور شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن بشری جبلت کے پیش نظر ایسی ہدایت کی ضرورت تھی جو دُنیا کی زیب وزینت اور اُس کے نقش ونگار میں دل لگانے سے لوگوں کو روکے۔ اس کے لیے مناسب و مؤثر طریقہ یہ ہے کہ پیغمبر کی طرف روئے خطاب کرکے اُن کی امت کو یہ پیغام پہنچایا جائے۔ اس میں پیغمبر کے لیے بھی تسلی ہوگی، اُن کی امت کے فقراء ومساکین کو بھی تسلی ہوگی، کہ جب امام الانبیاء علیہ السلام کو دُنیوی زیب وزینت اور رونق کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، تو ہم کون ہوتے ہیں، کہ اُس کے لیے للچائیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا۔۔۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۙ

اور مت اٹھا کر دیکھو اپنی آنکھیں، جو رہنے سہنے کو دے ڈالا ہم نے اِن کافروں کے جوڑوں کو دُنیاوی زندگی کا ساز وسامان،

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾

تاکہ انہیں فتنے میں پڑا رہنے دیں اس میں۔ اور تمہارے رب کی روزی بہتر ہے اور دوامی ہے ●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ اَے محبوب! حسبِ معمول **(مت اُٹھا کر دیکھو اپنی آنکھیں)** رغبت ومیلان کے طور پر اُن چیزوں کی طرف **(جو رہنے سہنے کو دے ڈالا ہم نے اِن کافروں کے جوڑوں کو)** کافروں کے اصناف میں سے، جیسے وثنی یعنی بت پرست اور کتابی یعنی یہود ونصاریٰ وغیرہ کو، **(دُنیاوی زندگی کا ساز وسامان تاکہ انہیں فتنے میں پڑا رہنے دیں اس میں)**، یعنی آزمائیں ہم اُن کو اُس میں۔ یعنی ان کے ساتھ وہ سلوک کریں جو اُس کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔۔ یا۔۔ اُسے ان کے حق میں فتنہ اور بلاء کردیں۔۔ یا۔۔ قیامت کے دن اُس کے سبب سے ہم اُن پر عذاب کریں۔ **(اور)** اَے محبوب! **(تمہارے رب کی روزی)** وہ جو اُس نے تمہیں عطا فرمائی ہے، یعنی نبوت اور ہدایت، وہ **(بہتر ہے)** ان کے فنا ہوجانے والے بے اعتبار مال سے، **(اور دوامی ہے)** ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

دنیاوی مال کو ارشادِ ربانی میں **زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا** کہنے میں نکتہ یہ ہے، کہ **زَهْرَة** درحقیقت پھول کی کلی ہے، حق تعالیٰ نے دُنیا کو کلی فرمایا، اس واسطے کہ اُس کی تری اور تازگی

دو تین روز سے زیادہ نہیں رہتی، اور ذرا سی مدت میں پژمردہ اور فنا ہو جاتی ہے۔۔المختصر۔۔

وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا ؕ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقًا ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ؕ

اور حکم دو اپنے گھر والوں کو نماز کا، اور اُس پر جم کر رہو، ہم تم سے نہیں مانگتے روزی، ہم خود روزی تمہیں دیتے ہیں،

وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ﴿۱۳۲﴾

اور انجام خیر خوفِ خدا کا ہے●

اَے محبوب! جیسے ہم نے آپ کو نماز کا حکم فرمایا ہے (اور) ہدایت کی ہے، ایسے آپ (حکم دو اپنے گھر والوں کو نماز کا) کیونکہ صاحبِ فقر کو ضروری ہے، کہ وہ اپنے فقر پر نماز کے ساتھ استعانت کرے۔اُسے معاشی امور میں نہ گھبرانا چاہیے اور نہ ہی دولت مندوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہیے۔

(اور اس پر جم کر رہو) یعنی ہمیشہ پڑھتے اور حکم کرتے رہو۔

اَے محبوب! (ہم تم سے نہیں مانگتے) اور نہیں چاہتے کہ تم اپنے کو۔۔یا۔۔اپنے لوگوں کو (روزی) دو۔یعنی اپنی۔۔یا۔۔اپنوں کی روزی کے تم ذمے دار نہیں ہو، کہ تمہیں اس کے انتظام کی فکر کرنی پڑے۔بلکہ سب کے رازِق ہم ہی ہیں، اور (ہم) تنہا (خود روزی تمہیں) اور تمہارے لوگوں کو (دیتے ہیں) تو نماز کے واسطے اور اسباب نیاز مہیا کرنے کو تم فارغ البال رہو، (اور) یاد رکھو، کہ (انجام خیر خوفِ خدا کا ہے)۔یعنی بہشت کی شکل میں پسندیدہ انجام اہلِ تقویٰ کے لیے ہے۔یعنی نیک انجام آپ کے لیے اور اُس کے لیے جو آپ کی تصدیق کرے۔

اہلِ دُنیا کو نیک انجام نصیب نہ ہوگا، کیونکہ دُنیا و آخرت کا اجتماع محال ہے۔یہاں یہ تنبیہ مقصود ہے کہ جمیع اعمال کا دارومدار تقویٰ اور خوفِ خدا پر ہے۔اور تقویٰ کہتے ہیں نفس اور جوارح کو اُن جمیع قبائح سے روکنا، جن کی شریعتِ مطہرہ اور عقل سلیم نے مذمت کی ہے ۔۔الحاصل۔۔جملہ ضروریات طلب کرنے کے لیے نماز جیسا اور کوئی نسخہ نہیں۔لیکن یہ نعمت ایمان والوں ہی کا مقدر ہے، نہ کہ کفار قریش جیسے سرکش بندوں کا۔۔۔

وَقَالُوۡا لَوۡلَا يَاۡتِيۡنَا بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ

اور بولے کہ "کیوں نہیں لاتے کوئی نشانی اپنے رب کی؟ کیا نہیں آئی اُن کے پاس کوئی خبر،

مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿١٣٣﴾

جو پہلے صحیفوں کی ہے"●

(اور) ضد اور ہٹ دھرمی پر اَڑے رہنے والوں کا، جو بہت سارے معجزات دیکھنے کے باوجود (بولے، کہ کیوں نہیں لاتے کوئی نشانی اپنے رب کی) جو ہمارے نزدیک بھی معتبر ہو، جیسے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ، تو اگر یہ آ کر آپ کی رسالت کی گواہی دے دیں، تو ہم بھی تسلیم کر لیں ۔۔یا یہ کہ۔۔ہم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہیں وہی ہم کو دکھا دیں۔ ذرا اُن ہٹ دھرموں سے پوچھو کہ (کیا نہیں آئی اُن کے پاس کوئی خبر جو پہلے صحیفوں کی ہے)۔۔مثلاً: انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے سبب عذاب آنا اور معجزات ظاہر ہو جانے کے بعد جن لوگوں نے اپنی خواہش کے مطابق اُن معجزات کی فرمائش کی تھی، اُن کا ہلاک ہو جانا۔۔یا یہ کہ۔۔نہیں آئی اُن کے پاس توریت و انجیل میں مذکور حضرت خاتم الانبیاء کے اوصاف اور اُن کے آنے کی بشارت۔ یعنی کیا انہوں نے اہلِ کتاب سے یہ باتیں نہیں سنیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انہوں نے معجزہ طلب کیا تو حق تعالیٰ نے ایک بڑے معجزے یعنی قرآنِ کریم کے سبب سے اُن کو الزام دیا اور فرمایا۔

کہ کیا ان کے پاس کھلا ہوا بیان نہیں آیا، جو اِن سب باتوں کا خلاصہ ہے جو اُور آسمانی کتابوں میں تھیں۔ اور یہ کھلا ہوا بیان یعنی قرآنِ کریم جو شخص ان کے پاس لایا وہ 'اُمّی' ہے، جس نے کتابیں نہ دیکھیں نہ سنیں، نہ کسی سے تعلیم لی اور عرب کے سب فصیح اُس کی ایک سورت کے مثل بنانے میں عاجز ہیں۔ تو ایسا کھلا ہوا معجزہ موجود ہوتے ہوئے اُور نشانی ڈھونڈنا عین عناد اور بدترین انکار ہے۔ اور جب صورتِ حال یہ ہے جو مذکور ہوئی، تو اب کافروں کے لیے شرائع و احکام کے ترک پر کوئی عذر نہیں اور نہ ہی اُن کا گمراہی کے راستے پر چلنا کوئی مناسب کام رہ گیا۔۔الغرض۔۔انہیں اب کسی طرح کی حیلہ سازی کی گنجائش نہیں رہ گئی۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا

اور اگر ہم برباد کر دیتے انہیں عذاب سے اس کے پہلے، تو کہتے کہ "پروردگارا کیوں نہ بھیج دیا تُو نے

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی ﴿١٣٤﴾

ہماری طرف رسول، کہ پیروی کرتے ہم تیری نشانیوں کی قبل اِس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے"●

(اور اگر) بالفرض (ہم برباد کر دیتے انہیں عذاب سے) یعنی اُن کے کفر کے سبب سے اپنی طرف سے ان پر عذاب نازل کر کے انہیں نیست و نابود کر دیتے (اُس کے پہلے)، یعنی بعثتِ محمدی کے پہلے۔۔یا۔۔قرآن نازل کرنے کے قبل، (تو) اُن کے لیے گنجائش ہوتی کہ (کہتے کہ پروردگارا کیوں نہ بھیج دیا تُو نے ہماری طرف رسول، کہ پیروی کرتے ہم تیری نشانیوں کی قبل اِس کے کہ ہم ذلیل ورُسوا ہوتے)، دُنیا میں قتل اور قید ہوکر اور آخرت میں آگ میں داخل ہونے کے سبب سے۔ اِن کافروں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے، اِسی لیے ہم نے حجت تمام کر دی، کہ ان کے پاس پیغمبر اور قرآن بھیجا، تا کہ وہ ایمان لے آئیں۔۔۔اُس پر بھی جو ایمان نہیں لاتے۔۔تو۔۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ

کہہ دو کہ "سب منتظر ہیں، تو تم بھی منتظر رہو، کہ جلد معلوم کرلو گے کہ کون سیدھے راستہ والا ہے

وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

اور کس نے راہ پالی" ●

ع ۸ ۱۷

(کہہ دو، کہ سب منتظر ہیں) یعنی ہر ایک ہم میں اور تم میں سے انتظار میں ہے، کہ دیکھیں کہ کس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ تم ہماری خرابی کے امیدوار ہو اور ہم تم پر سختی ہونے کے منتظر ہیں، (تو تم بھی منتظر رہو) اور امیدوار بنے رہو اور انتظار کی گھڑیاں کھینچو، کیوں (کہ جلد معلوم کرلو گے) قیامت میں، (کہ کون سیدھے راستے والا ہے، اور کس نے) حق کی طرف (راہ پالی)۔

یہاں سیدھی راہ پانے والے اور حق کی راہ دکھانے والے سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہے، کیونکہ۔

راہ دان وراہ بین وراھبر
درحقیقت نیست جز خیر البشر۔۔۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

وبعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۴؍اپریل ۲۰۱۱ء

بروز دوشنبہ، سولھوٰیں پارے اور سورۂ طٰہٰ کی تفسیر مکمل

ہوگئی ہے۔ دُعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے

باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت

مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرُمَتِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

۱۷

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۵؍اپریل ۲۰۱۱ء

بروز شنبہ، سورۃ الانبیاء، اور سترھویں پارے کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ ان کی اور پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی

توفیق عطا فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرمَتِ حَبِیبِكَ

سَیِّدِالمُرسَلِینَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
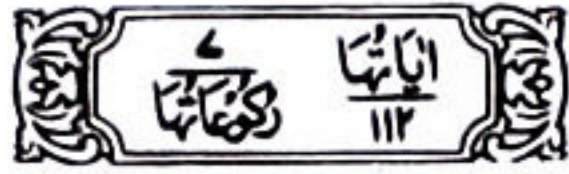
سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ

سورة الانبیاء ۲۱ مکیہ ۷۳ — آیاتہا ۱۱۲ رکوعاتہا ۷
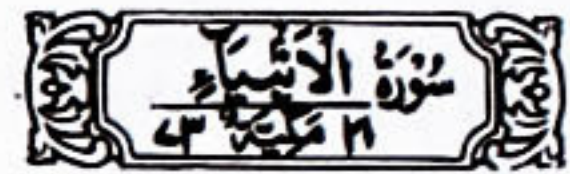
حضرت عبداللہ ابنِ مسعود نے اِس سورۃ کو 'الانبیاء' کہا، اور اِس کا کوئی دوسرا نام معروف نہیں۔ بقولِ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود، بنی اسرائیل، الکہف، مریم، طٰہٰ، اور الانبیاء، قدیم سورتوں میں سے ہیں اور اِن کو ابتداءِ اسلام سے حفظ کیا جاتا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سب سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اِس سورۂ زیرِ تفسیر میں اٹھارہ[١٨] انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر ہے۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کے اسماء کی تصریح ہے اور بعض کی صفات اور القاب کا ذکر ہے۔ اِس سے پہلے سورۂ اَنعام میں بھی اٹھارہ[١٨] انبیاءِ کرام کے ناموں کا ذکر ہے، لیکن چونکہ اُس میں 'اَنعام' یعنی مویشیوں کا لفظ چھ[٦] بار آیا، اس لیے اُس کے لیے سورۂ اَنعام کا نام مناسب سمجھا گیا۔ ویسے بھی وجہِ تسمیہ کا جامع مانع ہونا ضروری نہیں۔

اِس سے پہلے سورۂ طٰہٰ ہے۔ اُس میں اور اِس سورت میں باہمی مناسبت یہ ہے، کہ سورۂ طٰہٰ کے آخر میں قیامت کے آنے سے خبردار کیا گیا تھا، اور سورۃ الانبیاء کی ابتداء میں قیامت کے آنے سے خبردار فرمایا ہے۔۔نیز۔۔سورۂ طٰہٰ کے آخر میں یہ تنبیہ فرمائی تھی، کہ دُنیا کی آرائش اور زیبائش سے فریب نہیں کھانا چاہیے، کیوں کہ یہ سب چیزیں زائل ہونے والی ہیں۔ اور الانبیاء کی پہلی آیت میں یہ فرمایا، کہ قیامت کا وقوع قریب آچکا ہے اور اُس کا تقاضا یہ ہے، کہ دُنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے دِل نہ لگایا جائے، اور عبادت و ریاضت میں دِل لگایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جن چیزوں کا حساب پیش کرنا ہے، اُن میں دِل لگایا جائے اور اُن کی تیاری کی جائے۔ اور اِس طرح سورۂ طٰہٰ کا آخر اور سورۃ الانبیاء کا اوّل، دونوں قیامت کے قرب کی خبر دے رہے ہیں اور اُس کی تیاری کرنے پر برانگیختہ کر رہے ہیں۔

اِس سورۂ مبارکہ میں عقائدِ اسلام، خصوصیت کے ساتھ توحید، رسالت، قیامت، مرنے کے بعد اٹھنا اور جزا اور سزا کا بیان ہے۔۔نیز۔۔اِس میں انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کیے گئے ہیں۔ اِس سورت کی ابتداء ہی قیامت کے ذکر سے کی گئی ہے۔ تو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرانے والی، لوگوں کو لہو ولعب اور یادِ الٰہی سے غافل کر دینے والی چیزوں کو ترک کر دینے کی ہدایت دینے والی، اور آخرت کی تیاری میں منہمک ہوجانے کا پیغام دینے والی، سورۂ مبارکہ کو ہم شروع کرتے ہیں۔۔۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے، اور گنہگار مسلمانوں کا (بخشنے والا) ہے۔

ہر ایک کو خبردار اور ہوشیار ہو جانا چاہیے، اس لیے کہ۔۔۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ①

نزدیک آگیا لوگوں کے لیے ان کا حساب، اُور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں●

(نزدیک آگیا لوگوں کے لیے اُن کا حساب)، یعنی قریب آگیا لوگوں کے واسطے اُن کے اعمال کے محاسبے کا وقت، یعنی قیامت کا دن۔

اِس مقام پر یہ خیال نہ کیا جائے، کہ نبی کریم کی بعثت کو بھی چودہ[۱۴] صدیاں گزر چکیں، ابھی تک تو قیامت آئی نہیں۔ اس لیے کہ اوّلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے اعتبار سے یوم حساب کو قریب فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ایک دن بھی ایک [۱۰۰۰] ہزار سال کا ہوتا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔سورۂ حج آیت ۴۷ میں ہے کہ "اور یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں، اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک [۱۰۰۰] ہزار سال کا ہے"۔۔ثانیاً۔۔ ہر وہ چیز جس کا آنا یقینی اور حتمی ہو، اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے۔۔ثالثاً۔۔جب کسی چیز کی میعاد کا اکثر حصہ گزر جائے، تو پھر کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے۔ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اُن کی امتوں کے گزر جانے کے بعد قیامت آنی تھی، اور کم و بیش ایک لاکھ چوبیس [۱،۲۴،۰۰۰] ہزار انبیاء کرام علیہم السلام اب تک گزر چکے ہیں، اور اب صرف ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت رہ گئی ہے، اس لیے آپ اور آپ کی امت کے لحاظ سے اب یوم حساب قریب آچکا ہے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کو اُس کی موت کے وقت کی خبر دی ہے اور نہ ہی قیامت کے وقت کو ظاہر فرمایا ہے، تو اپنے وقت معینہ میں دونوں کو اچانک ہی آنا ہے۔ یہ اس لیے، تاکہ انسان ہر وقت گناہ سے بچتا رہے، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ کر رہا ہو اور اُسی وقت موت آجائے۔ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے، تاکہ

اگر اُس کو موت آئے، تو اُس وقت آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہو۔ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے یومِ حساب سے اِس لیے تعبیر فرمایا ہے، تاکہ انسان روزِ قیامت سے ڈرتا رہے، کہ اُس دن اِس کا حساب لیا جائے گا۔

اِس مقام پر یہ بات بھی فائدے سے خالی نہیں، کہ ایک ہے 'عالَمِ شہادت' اور ایک ہے 'عالَمِ غیب'۔ انسان ولادت سے 'عالَمِ شہادت' میں قدم رکھتا ہے، اور اپنی وفات سے 'عالَمِ غیب' میں پہنچ جاتا ہے۔ عالَمِ شہادت 'دارُ العمل' ہے، اور عالَمِ غیب 'دارِ جزا'۔ قبر، برزخ اور قیامت، یہ سب 'عالَمِ آخرت' کے احوال ہیں۔ موت اُسی آخرت کا آغاز ہے قیامت جس کے احوال میں سے ہے، تو موت درحقیقت قیامت کی تمہید ہے۔ تو موت کا آنا گویا قیامت ہی کا آجانا ہے۔

اِسی لیے حدیث شریف میں بھی ہے کہ "جو مرتا ہے اُس کے لیے قیامت قائم ہو جاتی ہے"۔ اور وہ دارِ عمل سے نکل کر دارِ حساب میں پہنچ جاتا ہے۔ اب اُس کا حساب جب بھی لیا جائے، جلدی۔۔یا۔۔تاخیر سے، وہ رہتا ہے دارِ حساب ہی میں۔ اِس صورت میں ہر شخص کی قیامت کا آغاز اُس کی موت سے ہوگا، اور کسی کو اپنی موت کا وقت معلوم نہیں، وہ کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔۔لہٰذا۔۔ ہر شخص کو ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے اور اپنی حیات کی ہر آنے والی گھڑی کو اپنی آخری گھڑی سمجھنا چاہیے، تاکہ یہ فکر اُسے محتاط رکھے اور خدا کا نافرمان نہ ہونے دے۔

اب جب موت بھی قیامت کی تمہید ہے، تو موت کا قریب ہونا بھی قیامت ہی کا قریب ہونا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ اُنہیں علم ہو چکا ہے، کہ اُن کے حساب کا دِن نزدیک آچکا ہے (اور) عنقریب وہ 'دارالحساب' میں پہنچنے والے ہیں، مگر (وہ ہیں کہ غفلت میں) ہیں حساب اور مواخذہ سے۔ اور (منہ پھیرے ہیں) یعنی اُس میں غور وفکر کرنے کے بھی وہ منکر ہیں۔۔یا یہ کہ۔۔توبہ کرنے سے منہ پھیرنے والے ہیں اور اُس سے آگاہ ہونا بھی نہیں چاہتے۔ اُن کا حال یہ ہے کہ۔۔۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۲﴾

نہ آیا ان کے پاس کوئی نیا پیغام اُن کے رب کا، مگر یہ کہ اسے سنا کھیلتے ہوئے ●

(نہ آیا اُن کے پاس کوئی نیا پیغام اُن کے رب کا)، یعنی قرآنِ مجید کی آیات کا کوئی حصہ، جو اُنہیں حساب کی مکمل طور پر یاددہانی کراتا ہے، بلکہ اُنہیں غفلت کے خواب سے بیدار کرتا ہے۔ گویا قرآنِ مجید 'عین ذکر' ہے۔

یہ اُس کا 'عین ذکر' ہونا اُس کی فضیلت وشرافت کا بیان ہے اور مشرکین نے اُس کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کی مذمت ہے۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ قرآنِ حکیم کا منجانب اللہ نازل ہونا حکمتِ خداوندی کے تقاضے کے عین مطابق ہے، اور بار بار کلامِ الٰہی کا نزول اُن کو متنبہ کرنے کے لیے ہے، تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ باقی رہا اِس کا بدلتے حالات کے وقت نازِل کرنا، تو وہ بھی اُن کی مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے ہے۔ اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ کلامِ الٰہی 'حادِث' ہے، بلکہ کلامِ الٰہی تو 'قدیم' ہے۔ ہاں مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے حادِث ہے۔ اس لیے کہ وہ قدیم ازلی ذات کی صفت ہے، تو جیسے ذات قدیم اور ازلی ہے، ویسے ہی اُس کی صفت بھی قدیم اور ازلی ہے۔

اِسی بات کی وضاحت یوں بھی کی جاسکتی ہے، کہ ایک ہے 'کلامِ لفظی' اور ایک ہے 'کلامِ نفسی'۔ 'کلامِ لفظی' حروف واصوات سے مرکب وہی نظم وعبارت ہے، جس کی 'کلامِ نفسی' پر دلالت ہے۔ اور 'کلامِ نفسی' وہ معنی قدیم ہے، جو ذاتِ باری تعالیٰ سے قائم ہے، جسے ہم الفاظ سے بولتے اور سنتے ہیں۔ تو وقتاً فوقتاً حسبِ مصلحت وحکمت نزول 'کلامِ لفظی' کا ہوتا ہے، جو حادِث ہے۔ رہ گیا 'کلامِ نفسی'، تو اُس کا نزول نہیں ہوتا --- بلکہ --- جو نازل ہوتا ہے وہ حروف واصوات سے مرکب کلام اُس 'کلامِ نفسی' پر دلالت کرتا ہے جو صفتِ باری تعالیٰ ہے اور قدیم ہے۔

--- الحاصل --- کفار کی یہ روش ہے، کہ جب کلامِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، تو اُسے یہ غور سے سنجیدہ ہوکر ہدایت حاصل کرنے کے لیے نہیں سنتے، (مگر یہ کہ اُسے سنا کھیلتے ہوئے)۔ یعنی وہ اِس نصیحت کو بے پرواہی سے سنتے ہیں --- یا --- اِس نصیحت کا مذاق اڑاتے ہوئے اِس کو سنتے ہیں۔ اِس حال میں، کہ ---

لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ هَلْ هَٰذَا

اُن کے دل کھلنڈرے۔ اور خفیہ مشورہ کیا اندھیر والوں نے۔ کہ "یہ نہیں ہیں

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۳﴾

مگر تمہاری طرح بشر، تو کیا جادو کے پاس آتے جاتے ہو دیکھتے بھالتے"●

(اُن کے دِل کھلنڈرے) ہیں، یعنی کسی اُور ہی چیز کے ساتھ مشغول ہیں اور قرآن کے معنی اور حقائق پر غور کرنے سے غافل ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ 'قلبِ لاہی' وہ دِل ہے، جو دُنیا کے مال سے مشغول اور عقبیٰ کے احوال سے غافل ہو۔

پیغامِ حق سن کر آپس میں سرگوشیاں کیں، (اور خفیہ مشورہ کیا اندھیر والوں نے) جنہوں نے شرک اور گناہ کرکے اپنے اوپر ظلم کیا، (کہ یہ نہیں ہیں مگر تمہاری طرح بشر)۔ یعنی کھانے پینے چلنے پھرنے میں، تو یہ یعنی محمد ﷺ 'تمہاری ہی طرح آدمی ہیں، تو اُنہیں رسول نہ ہونا چاہیے بلکہ رسول تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے۔

کافروں کا اِعتقاد یہ تھا، کہ جنابِ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جو کچھ کلام اُن پر پڑھتے ہیں وہ سحر ہے، تو اُنہوں نے چھپا کر باہم مشورہ کیا اور ایک دوسرے سے بولا، کہ تم جانتے ہو جو کچھ وہ پڑھتا ہے وہ سحر ہے۔۔۔

(تو کیا جادو کے پاس آتے جاتے ہو) اور اُس کو مان لینا چاہتے ہو (دیکھتے بھالتے)؟ یعنی یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ آدمی ہے تمہارے مثل اور فرشتہ نہیں ہے۔ تو کیا فکر کرتے ہو اس کی جس سے اُس کا کام بگڑے؟ یعنی اِس کے کام کو درہم برہم کردینے والی کوئی تدبیر سوچتے ہو۔

حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اِس خفیہ گفتگو کی خبر دی، تو جواباً۔۔۔

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۴﴾

نبی نے کہا کہ "میرا رب جانتا ہے ہر بات کو آسمان وزمین کی۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے"●

(نبی نے کہا، کہ میرا رب جانتا ہے ہر بات کو) ہر بات کرنے والے کی (آسمان وزمین کی)، علانیہ کہیں۔۔یا۔۔ چھپا کر۔ (اور وہ سننے والا) ہے کافروں کی بات اور (جاننے والا ہے) اُن کے دِلوں کے خیالات۔ یہی نہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔۔۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا

بلکہ وہ بک دیے کہ "خواب پریشاں ہیں بلکہ من گڑھت ہے، بلکہ وہ شاعر ہیں۔ لہٰذا ہمارے پاس

بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾

کوئی نشانی لائے، جس طرح اگلے بھیجے گئے تھے"●

(بلکہ وہ بک دیے کہ خواب پریشاں ہیں، بلکہ من گڑھت ہے، بلکہ وہ شاعر ہیں)۔ حاصل یہ، کہ یہ کافر لوگ آنحضرت 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' کے باب میں مضطرب اور متحیر ہو کر کبھی تو آپ کو ساحر کہتے، کبھی شاعر، کبھی مفتری اور کبھی اُکھڑی ہوئی پریشان باتیں کرنے والا بتاتے، اور پھر یہ بھی کہتے، کہ جیسا ہم کہتے ہیں اگر ایسا نہیں ہے، تو چاہیے کہ وہ اِس کو ثابت کرے۔ **(لہٰذا ہمارے پاس کوئی نشانی لائے، جس طرح اگلے بھیجے گئے تھے)**۔ یعنی اگلے پیغمبروں کی پیش کردہ نشانیوں اور معجزات میں سے کوئی نشانی اور معجزہ پیش کرے۔۔ مثلاً: اونٹنی، عصا، ید بیضا، اور مُردے جلانا، وغیرہ۔

اِس پر حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ اگلے پیغمبروں کے معجزات، تو اُن کو بھی تو۔۔۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

نہ مانا اُن سے پہلے کسی آبادی نے جن کو ہم نے تباہ کردیا، تو بھلا کیا یہ مانیں گے●

(نہ مانا اُن سے پہلے کسی آبادی) والوں **(نے جن کو ہم نے تباہ کردیا)**، یعنی معجزات دیکھ لینے کے بعد اپنے انکار اور تکذیب کے سبب ہلاک ہو گئے۔ جب پہلے والوں کا یہ حال رہا، **(تو بھلا کیا یہ مانیں گے)**؟ چونکہ اگلے مشرکوں کی بہ نسبت یہ بڑے سخت دِل اور جھگڑالو ہیں، تو معجزے دیکھنے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ رہ گیا کافروں کا یہ سوچنا، کہ جو نبی ہوگا وہ آدمی نہ ہوگا بلکہ فرشتہ ہوگا، یہ اُن کی خام خیالی ہے۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

اور نہیں رسول کیا ہم نے تم سے پہلے مگر مردِ میدان، جن کے پاس ہم وحی فرماتے، تو دریافت کرو جاننے والوں سے،

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾

اگر تم خود نہیں جانتے●

(اور) یہ اُن کی کج فکری کیوں نہ ہو، اس لیے کہ یہ تو ظاہر ہے، کہ **(نہیں رسول کیا ہم نے تم**

سے پہلے مگر مرد) اور وہ بھی مردِ (میدان)، نازشِ انسانیت، فخرِ آدمیت (جن کے پاس ہم وحی فرماتے ہیں)۔ یعنی کوئی پیغمبر، فرشتہ نہ تھا، سب آدمی ہی تھے۔ تاکہ ہم جنس ہونے کے سبب سے اُن میں اور اُن کی امتوں میں فائدہ لینا اور فائدہ دینا ظاہر ہو۔ (تو دریافت کرو جاننے والوں سے) کہ انبیاء آدمی تھے یا فرشتے (اگر تم خود نہیں جانتے) کہ رسول کو آدمی ہونا چاہیے۔ اور تم نے اعتقاد جمالیا ہے کہ پیغمبر کے لیے کھانا پینا کیونکر ہوگا، تو سن لو!۔۔۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ﴿۸﴾

اور نہیں بنایا تھا ہم نے انہیں بے جان دھڑ، کہ نہ کھائیں کھانا، اور نہ وہ ہمیشہ یہاں رہنے والے ●

(اور) یاد رکھو! کہ (نہیں بنایا تھا ہم نے اُنہیں بے جان دھڑ، کہ نہ کھائیں کھانا)۔ یعنی وہ ایسے جسم والے نہیں تھے جنہیں کھانے کی ضرورت ہی نہ ہو۔۔ یا۔۔ کھانا اُن کی شایانِ شان نہ ہو۔ (اور نہ) ہی (وہ ہمیشہ یہاں رہنے والے) تھے، کہ دُنیا میں اُن پر موت ہی طاری نہ ہو۔۔ ہاں۔۔ یہ ضرور ہے، کہ ہم نے اُن سے وعدہ کرلیا تھا کہ 'موحد' غالب ہوں گے اور 'مشرک' مغلوب۔۔ تو۔۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۹﴾

پھر ہم نے سچ کر دکھایا انہیں اپنے وعدے کو، چنانچہ بچالیا ہم نے انہیں اور جسے چاہا، اور برباد کردیا زیادتی کرنے والوں کو ●

(پھر ہم نے سچ کر دکھایا اُنہیں اپنے وعدے کو) جس وعدے کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔ (چنانچہ بچالیا ہم نے انہیں) یعنی انبیاءِ کرام کو، (اور جسے چاہا) مومنوں میں سے۔۔ یا۔۔ اُن لوگوں کو جنہیں باقی رکھنے میں کچھ حکمت تھی، (اور برباد کردیا زیادتی کرنے والوں کو)، جو فضول کام کرنے والے اور فضول باتیں کرنے والے تھے۔ تو اَے گروہِ قریش! تم اپنے اوپر ہمارے فضلِ بے پایاں کو دیکھو، کہ۔۔۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

ع ۱-۱

بے شک اتارا ہم نے تمہاری طرف کتاب، جس میں تمہارے لیے بڑی بات ہے، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے ●

(بے شک اُتارا ہم نے تمہاری طرف کتاب جس میں تمہارے لیے بڑی بات ہے)، یعنی تمہارا شرف نامہ اور تمہارا آوازہ اور شہرہ۔۔ یا۔۔ تمہارے واسطے نصیحت اور زندگی گزارنے کے ایسے قوانین وضوابط ہیں، جن کو اپنانے اور اُن پر عمل کرتے رہنے ہی میں دُنیا و آخرت کی خوش بختی ہے۔

(تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے)؟ کہ ایسی عظیم و جلیل اور شرف بخشنے والی کتاب کو سمجھتے اور اُس پر ایمان لاتے۔ اور "اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرآن"، یعنی "حاملینِ قرآن ہی میری امت کے اشراف ہیں" کا مصداق بن جاتے۔ تو اَے ظلم و زیادتی کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے قریشیو! کیا تمہیں ملکِ شام کی ایک بستی 'حضور'۔۔یا۔۔'حضورا' کی بات نہیں پہنچی، جہاں حق تعالیٰ نے ایک پیغمبر بھیجا تھا، تو اُن گاؤں والوں نے سرکشی اور عداوت کی راہ سے اُسے قتل کر ڈالا۔ پس اللہ تعالیٰ کے غضب نے بخت نصر کو اُن پر بادشاہ مقرر کیا، یہاں تک کہ اُس نے اُن لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا، اور پھر اس طرح سب کے سب ہلاک ہو گئے۔۔تو۔۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا

اور کتنی برباد کر دیں ہم نے بستی جو اندھیر نگری تھیں، اور پیدا کر دیں

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪

اُن کے بعد دوسری قومیں ●

دیکھو (اور) سمجھو! کہ (کتنی برباد کر دیں ہم نے بستی جو اندھیر نگری تھیں)، جہاں کے لوگ کفر و شرک کی وجہ سے ظالم تھے، (اور) پھر (پیدا کر دیں اُن کے) موضع کو تباہ اور ہلاک کر دینے کے (بعد دوسری قومیں) اُن کی جگہ پر۔

یہ بیان فرما کر حق تعالیٰ کفارِ عرب کو تہدید کرتا ہے، کہ جو قادر اگلوں کو ہلاک کر دینے میں عاجز نہ تھا، وہ پیچھے آئے ہوؤں کو ہلاک کر ڈالنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔۔قصہ مختصر۔۔

فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۗ⑫

پھر جب انہوں نے دیکھا ہمارا عذاب، اُسی وقت وہاں سے بھاگنے لگے ●

(پھر جب اُنہوں نے)، یعنی 'حضوریوں' نے (دیکھا ہمارا عذاب)، یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بخت نصر کے لشکر نے اُنہیں گھیر لیا ہے، تو (اُسی وقت وہاں سے بھاگنے لگے) اور اپنے جانوروں کو تیزی سے ہنکانے لگے۔۔المختصر۔۔وہ سب اپنے جانوروں کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو فرشتوں نے استہزاء کے طور پر کہا۔۔۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ

"بھاگو مت، اور لوٹ چلو جس آرام میں تھے، اور اپنے گھروں کو،

لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾

کہ تم سے پوچھا جائے"●

(بھاگو مت)، خدا کے عذاب سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ **(اور لوٹ چلو جس آرام میں تھے اور اپنے گھروں کو)**، یعنی اپنی آرام گاہوں اور عشرت کدوں کی طرف واپس جاؤ، تا **(کہ تم سے پوچھا جائے)** اور یہ سوال کیا جائے، کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے مقابلے میں تم نے کیا عبادتیں کی ہیں، اور اُس کے دیے ہوئے اُن اِنعامات کا کس طرح شکریہ ادا کیا ہے۔ اُس وقت اُنہوں نے اعتراف کیا، اور۔۔۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤﴾

بولے، "ہائے افسوس! ہمیں اندھیر والے تھے"●

(بولے ہائے افسوس! ہمیں اندھیر والے تھے)، کیونکہ ہم نے پیغمبر کو قتل کر ڈالا۔ پھر اُن قوموں پر ایسا عذاب آیا جس نے اُن سب کو جڑ سے اُکھاڑ دیا۔۔الحاصل۔۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾

پھر یہی رہ گئی تھی اُن کی پکار یہاں تک کہ کر دیا ہم نے انہیں کٹا کھیت، بجھی آگ●

(پھر یہی رہ گئی تھی اُن کی پکار) یعنی وہ ہمیشہ **يٰوَيْلَنَآ** کہتے رہے، **(یہاں تک کہ کر دیا ہم نے اُن کو کٹا کھیت)** چھیلی ہوئی گھاس، یعنی جس طرح کھرپی سے گھاس کاٹتے ہیں اُسی طرح انہیں تلوار سے کاٹ ڈالا، اور کر دیا ہم نے اُنہیں **(بجھی آگ)** یعنی مرے مُرجھائے ہوئے۔

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کو اپنا پیغام دے کر بھیجا، تو کافروں اور مشرکوں نے سرکشی کی اور اُن کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اِنکار کیا۔ اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا، کہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی عبادت کی کیا ضرورت ہے، کیونکہ وہ **خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اور 'مالکِ کائنات' ہے۔ وہ خود اِرشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾

نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان وزمین کو، اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، بے کار●

(نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، بے کار)۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک اور غلام ہے۔ انسانوں کی بہ نسبت فرشتے بہت طاقتور ہیں اور بہت عظیم مخلوق ہیں۔ وہ ہر وقت اُس کی عبادت کرتے رہتے ہیں، اور اُس کی عبادت سے نہیں تھکتے۔

ذہن نشین رہے کہ تسبیح وتحمید کے سوا بعض فرشتوں کے دوسرے بھی فرائض ہیں، تو ممکن ہے کہ فرشتوں کی بناوٹ اور ساخت کچھ اِس قسم کی ہو، کہ وہ اپنے دوسرے فرائض بھی ادا کرتے رہیں اور ہر وقت تسبیح بھی پڑھتے رہیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ جس طرح ہمیں سانس لینا دوسرے کاموں سے مانع نہیں ہے، اِسی طرح فرشتوں کا تسبیح کرنا اُن کو دوسرے امور انجام دینے سے مانع نہ ہو۔۔ الحاصل۔۔ لہو ولعب کے طور پر کسی شے کی تخلیق شانِ الٰہی کے منافی ہے۔ بلکہ ایسی چیزیں جو شانِ خداوندی کے منافی ہوں، وہ تحتِ قدرت ومشیت ہوتیں ہی نہیں۔ محالات نہ تو تحتِ قدرت ہوتے ہیں اور نہ ہی تحتِ مشیت۔ قدرت ہو۔۔ یا۔۔ مشیت، دونوں کا تعلق ممکنات ہی سے ہوتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اگر تحتِ قدرت ومشیت ہوتا، کہ ہم اختیار کریں کھلونا، تو اختیار کر لیتے اپنی طرف سے۔ اگر ہمیں کرنا ہوتا●

(اگر تحتِ قدرت ومشیت ہوتا کہ ہم اختیار کریں کھلونا)، یعنی وہ چیز جس سے کھیلتے ہیں اور جسے دیکھنے سے خوش ہوتے ہیں، جیسے جورُو لڑکے، **(تو اختیار کر لیتے اپنی طرف سے)** ایسے طور پر، جو ہماری شان کے لائق ہوتا۔۔ نیز۔۔ **(اگر ہمیں کرنا ہوتا)** اس کام کو۔ لیکن جورُو لڑکے سے ہم پاک اور منزہ ہیں۔۔ نیز۔۔ ہم لہو ولعب بھی ہرگز اختیار نہیں کرتے۔۔۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ

بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر۔ تو وہ بھیجا نکال دیتا ہے باطل کا، جبھی وہ مٹا مٹایا ہے۔

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور تمہارے لیے خرابی ہے جو باتیں بناتے ہو●

(بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر)، یعنی خیر کولہو ولعب۔۔یا۔۔اسلام کو کفر پر مسلط کرتے ہیں، (تو وہ بھیجا نکال دیتا ہے باطل کا) یعنی حق باطل کو توڑ ڈالتا ہے۔ (جبھی) تو (وہ) یعنی لہو ولعب۔۔یا۔۔کفر (مٹا مٹایا ہے)۔ یعنی انجام کے لحاظ سے انہیں مٹنا اور زائل ہونا ہی ہے، تو نتیجہ کے لحاظ سے دونوں ہی گویا مٹے مٹائے ہیں۔ (اور) اندھیر کرنے والو! (تمہارے لیے خرابی ہے) بہ سبب اُس کے (جو باتیں بناتے ہو) اور اپنے جی سے گڑھ کر خدا کے لیے بیوی اور بیٹے کا قول کرتے ہو۔۔الغرض۔۔ اُس ذاتِ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف ایسے وصف کی نسبت کرتے ہو، جو کسی حال میں بھی اُس کا وصف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اندھیر کرنے والو سن لو! کہ خدائے عظیم وجلیل اور قادر ومختار کو، نہ تو بیوی بیٹے کی حاجت ہے اور نہ تمہاری عبادتوں کی۔۔۔

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ

اور اُسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور جو اُس کے نزدیکی ہیں، نہ بڑے بنیں

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ﴿۱۹﴾

اُس کی عبادت سے، اور نہ تھکیں●

(اور) یہ اس لیے، کہ (اُسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے) خواہ روحانیات والے ہوں یا جسمانیات والے۔۔الغرض۔۔سارے آسمان وزمین والے سب کے سب اُسی کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ (اور) اُن میں (جو) معزز ومشرف اور صاحبانِ عظمت (اُس کے نزدیکی) ومقرب (ہیں)، اُن ملائکہ کی سعادت مندیوں کا حال یہ ہے، کہ (نہ بڑے بنیں اُس کی عبادت) وبندگی (سے)، ایسا کہ سرکشی پر اُتر آئیں، اور عبادت کرنے سے انکار کردیں۔ (اور نہ) ہی (تھکیں) یعنی کثرتِ عبادت کے باوجود، نہ وہ عبادت سے تھکتے ہیں اور نہ ہی عبادت سے ذرا بھی باز آتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔اُن کی شان یہ ہے، کہ۔۔۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

پاکی بولیں رات اور دن بے سلسلہ توڑے●

(پاکی بولیں) یعنی حق تعالیٰ کی پاکی بیان کریں۔۔یا۔۔نماز ادا کرتے ہیں۔۔یا۔۔حمد کرتے ہیں (رات اور دن بے سلسلہ توڑے)، یعنی رات دِن امرِ الٰہی کی تعظیم میں برابر گزارتے ہیں اور سست اور ضعیف نہیں ہوجاتے۔

اب حق تعالیٰ مشرکوں کی نادانی بیان فرماتا ہے، یعنی اَے مشرکو! تم بتوں کو خدا کہتے ہو، اور خدائی کو یہ بات لازم ہے کہ ممکنات پر قدرت رکھتا ہو، اور تم جانتے ہو کہ بتوں کو قدرت نہیں ہے، تو اُس بے قدرتی کے باوجود۔۔۔

اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا کافروں نے بنالیے بہت سے معبود زمین سے، جو کچھ پیدا کرلیں؟●

(کیا کافروں نے بنالیے بہت سے معبود زمین) کے اجزاء (سے)، جیسے سونے چاندی لکڑی پتھر وغیرہ سے، (جو کچھ پیدا کرلیں) یعنی کسی چیز کو پیدا کرسکیں۔۔یا یہ کہ۔۔مُردے کو زندہ کرسکیں۔

ظاہر ہے کہ جو بھی کسی کی عبادت کرتا ہے، تو وہ اجر وثواب ہی کے لیے کرتا ہے۔تو اُس کا یہ عقیدہ لازمی ہوگا، کہ وہ اپنے معبود کو اجر وثواب دینے پر قادر مانتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو دُنیا میں اجر وثواب نہیں ملتا، تو اب اُن کا اجر وثواب اُنہیں آخرت ہی میں مل سکے گا۔تو اب جو ان بتوں کو معبود مانتے ہیں، اُن کا یہ معبود ماننا اِس بات کو واجب کرتا ہے، کہ وہ بتوں کو حیاتِ آفرینی اور زندگی دینے پر قادر مانیں۔تو یہ مشرکین کی کتنی بڑی جہالت ہے، کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہوئے، یہ نہیں مانتے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرسکتا ہے، تو دوسری طرف اپنے باطل معبودوں کے تعلق سے ایسے خیالات وابستہ کرلیے ہیں جس سے اِن معبودوں کے لیے بھی مُردوں کو زندہ کردینے کا اعتراف جھلکتا ہے۔اِن نادانوں کے دماغ میں یہ حقیقت بھی نہ آسکی، کہ۔۔۔

لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ

اگر ہوتے زمین وآسمان میں بہت سے معبود اللہ کے سوا، تو ضرور برباد ہوجاتے، پس پاکی ہے اللہ کی، پروردگار عرش کا،

عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

ان کی من گڑھت باتوں سے●

(اگر ہوتے زمین وآسمان میں بہت سے معبود) جو اُن کے کاموں کی تدبیر کریں (اللہ) تعالیٰ (کے سوا، تو ضرور برباد ہوجاتے) آسمان وزمین اور اُن کا کام خراب ہوجاتا۔

اِس واسطے کہ اگر سب خدا کسی مراد میں موافق ہوتے، تو ایک مقدور پر بہت سی قدرتیں

طاری ہوجاتیں۔اوراگرکسی کام میں مخالفت کرتے ،تو وہ کام بغیر بنے توقف میں پڑا رہتا۔
تو تمام عالم کا تدبیر کرنے والا ایک ہی چاہیے،اوروہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اُورنہیں۔
اِس پر یوں بھی غور کیا جاسکتا ہے، کہ اگر بالفرض عالمَ میں تدبیر کرنے والے دو خدا ہوں تو دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ایک یہ، کہ دونوں میں کوئی ایک تنہا نظامِ کائنات کے چلانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔۔یا۔۔دونوں ہی قدرت رکھتے ہوں۔پہلی صورت میں ہرایک، دوسرے کا محتاج ہوگا تو جومحتاج ہو، وہ خدانہیں ہوسکتا۔اوردوسری صورت میں جب ایک سے کام چل سکتا ہے،تو دوسرے کی ضرورت نہ ہوگی اور وہ بے کار ہوگا اور وہ بھی خدانہیں ہوسکتا، جس کی ضرورت ہی نہ ہو۔وہ مدِّ فاصل یعنی بے کار ٹھہرے۔

(پس پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی) جو (پروردگار) ہے (عرش کا،ان) مشرکین (کی مَن گڑھت باتوں سے)۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ اولا دوالا ہونے اور جورُواختیار کرنے سے پاک وصاف اور بے نیاز ہے۔اُس کی شان یہ ہے، کہ اپنی عظمت اوراپنے وحدہٗ لاشریک ہونے کے سبب سے۔۔۔

لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَهُمۡ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۲۳﴾

وہ نہ پوچھا جائے گا جو بھی کرے،اورسب پوچھے جائیں گے●

(وہ نہ پوچھا جائے گا جو بھی کرے)۔یعنی وہ کسی کے بھی سامنے جوابدہ نہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ اپنی مخلوق میں جو قضاء اور فیصلہ فرماتا ہے،اُس کے متعلق اُس سے سوال نہیں کیا جائے گا۔اورمخلوق سے اُن کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا، کیونکہ وہ اُس کے غلام ہیں۔

ایک قول کے مطابق آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے کسی قول اورفعل پر گرفت نہیں کی جائے گی اورمخلوق کے اقوال اور افعال پر گرفت ہوگی۔۔المختصر۔۔حکمت و مصلحت دریافت کرنے کی بات الگ ہے،مگر حاکمانہ طور پراُس کے کسی فعل اورقول کے تعلق سے اُس سے سوال نہیں کیا جاسکتا۔

(اور) اُس کے سوا جو ہیں، **(سب پوچھے جائیں گے)** اُس کام کے تعلق سے جو وہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ سب مملوک ہیں اورمملوک پرلازم ہے کہ اپنی باتوں اورکاموں کا حساب مالک کے ساتھ دُرست کرے۔

ذہن نشین رہے کہ اِلٰہیت جنسیت اورمتولیت کے منافی ہے،یعنی جو اِلٰہ ہے اُس کا کوئی

ہم جنس نہیں ہوسکتا۔ اور یوں ہی جو اِلٰہ ہے وہ کسی کا مسئول وجوابدہ نہیں ہوسکتا، تو آخر مشرکین نے کس دلیل کی بنیاد پر غیر خدا کو خدا قرار دے دیا۔۔۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ

یا بنالیا سب نے اللہ کے مقابلے پر کئی معبود۔ مطالبہ کرو کہ "لاؤ اپنی دلیل۔ یہ قرآن ہے تذکرہ میرے ساتھ والوں کا

وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾

اور مجھ سے پہلوں کا۔" بلکہ ان کے بہتیرے نہیں جانتے حق کو، تو وہ بے رخی کرتے ہیں●

(یا) یہ کہ (بنالیا سب نے) بِلا دلیل (اللہ) تعالیٰ (کے مقابلے پر کئی معبود)۔ اور اگر یہ اِس بات کے مدعی ہوں، کہ وہ اپنے اِس مشرکانہ عقیدے کی دلیل رکھتے ہیں، تو اَے محبوب! اُن سے (مطالبہ کرو کہ لاؤ اپنی دلیل)، عقلی ہو۔۔یا۔۔نقلی۔

۔۔عقلاً: تو ایک خدا کے سوا کو باطل کہا جاچکا ہے۔۔نقلاً: بھی اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اِس لیے کہ تمام آسمانی کتابوں میں توحید ہی کی بات کی گئی ہے۔ ہمارے پاس۔۔تو۔۔

(یہ قرآن ہے) جو (تذکرہ) ہے (میرے ساتھ والوں کا) یعنی میرے امتیوں کا (اور مجھ سے پہلوں کا)، یعنی توریت وانجیل اور صحفِ آسمانی والوں کا۔ اِن سب کتابوں میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت ہے۔ یقین نہ ہو، تو جو لوگ اگلی آسمانی کتابوں کے سچے عالم ہوں اُن سے معلوم کرلو۔ (بلکہ) اب تو صورتِ حال یہ ہے، کہ (ان کے بہتیرے) یعنی سب کے سب (نہیں جانتے حق کو)، تو وہ حق وباطل میں تمیز نہیں کرسکتے، اِسی لیے (تو وہ بے رخی کرتے ہیں) اور اِنکار کرتے ہیں خدا پر ایمان لانے اور اُس کے رسول کی متابعت کرنے سے۔ ایسی بات نہیں کہ اِن کافروں کی فہمائش نہیں کی گئی۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول مگر وحی بھیجا کیے اُس کی طرف کہ "نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل میرے سوا،

اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ

تو مجھی کو پوجو"● اور کافر بولے کہ "بنالیا خدائے مہربان نے اولاد" پاکی ہے اُس کی۔ بلکہ وہ

مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾

معزز بندے ہیں● جو نہ سبقت کریں اُس سے بات میں، اور اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں●

(اور) اُن کی ہدایت نہیں فرمائی گئی، اس لیے کہ اَے محبوب! (نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول مگر وحی بھیجا کیے اُس کی طرف، کہ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل میرے سوا، تو مجھی کو پوجو)۔ اِس ہدایت کو نظر انداز کر دیا۔ (اور کافر بولے کہ بنالیا خدائے مہربان نے اولاد) تو ملائکہ اُس کے فرزند ہیں۔ (پاکی ہے اُس کی) اِس بات سے۔ (بلکہ وہ)، یعنی ملائکہ اُس کے (معزز بندے ہیں) جنہیں بزرگی دی گئی ہے، اور جو نوازے گئے ہیں (جو نہ سبقت کریں اس سے بات میں)، یعنی اُس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔ اس لیے کفار اِس خام خیالی میں نہ رہیں، کہ فرشتے اُن کی شفاعت کریں گے۔ اس لیے، کہ خدا کے اِذن کے بغیر وہ ہرگز شفاعت نہ کرسکیں گے۔ (اور) یہ اِس لیے، کہ وہ تو صرف (اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں)۔

يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰى

وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے، اور نہ شفاعت کریں بجز اُن کی، جنہیں اللہ نے پسند فرمایا،

وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنۡ يَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّىۡۤ اِلٰـهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ

اور وہ سب خوفِ خدا سے تھراتے آتے ہیں● اور جو کہہ دے اُن میں سے کہ میں معبود ہوں اللہ کے مقابل،

فَذٰلِكَ نَجۡزِيۡهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۹﴾

تو ایسے کو سزا دیں ہم جہنم کی۔ اِسی طرح ہم سزا دیتے ہیں اندھیر مچانے والوں کو●

(وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے)، یعنی وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ اُس سے پہلے وہ کر چکے ہیں اور جو کچھ اُس کے بعد کریں گے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ فرشتے نہ درخواست کریں (اور نہ شفاعت کریں بجز اُن کی، جنہیں اللہ) تعالیٰ (نے پسند فرمایا)، یعنی جس کی شفاعت خدا پسند فرمائے۔۔یا۔۔ جو خدا کے پسندیدہ کلمۂ توحید کا اِقرار کرے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ کی تصدیق کرے، تو جس نے دُنیا میں کلمۂ طیبہ کو دِل کی تصدیق کے ساتھ زبان سے کہا، اُس کی شفاعت واجب ہوگی۔۔ الغرض۔۔ اُسی کی شفاعت کرنے کا اِذنِ اِلٰہی ہوگا۔ خواہ وقتِ شفاعت اِذن عطا فرمایا جائے۔۔یا۔۔ ایسوں کی شفاعت کے لیے پہلے ہی سے ماذون فرما دیا جائے۔ بھلا فرشتے خدا کی بارگاہ میں خود آگے بڑھ کر بات کیسے کر سکتے ہیں (اور) وہ کلام میں سبقت کیسے کر سکتے ہیں، جب کہ (وہ سب) بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے وقت (خوفِ خدا سے تھراتے آتے ہیں)۔

(اور) یہ خوب جانتے ہیں کہ (جو کہہ دے اُن میں سے کہ میں معبود ہوں اللہ) تعالیٰ (کے مقابل، تو ایسے کو سزا دیں) گے (ہم جہنم کی)، خواہ وہ اُنہی فرشتوں میں سے کوئی ہو۔۔یا۔۔کسی اور مخلوق میں سے کوئی ہو۔ تو یاد رکھو! کہ جس طرح ہم خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو جزا اور بدلہ دیتے ہیں، (اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں اندھیر مچانے والوں کو) جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کرنے والے کی پرستش کر کے اپنے اوپر ظلم کیا۔

اب آگے کی آیات میں اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کی چیزوں سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرما رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

کیا نہیں سوچا جنہوں نے کفر کیا کہ "بلاشبہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھولا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور بنایا ہم نے پانی سے ہر چیز زندہ۔" تو کیا نہیں مانتے؟●

(کیا نہیں سوچا جنہوں نے کفر کیا، کہ بلاشبہ سارے آسمان اور زمین بند تھے) یعنی بندھے ہوئے تھے، یعنی مجتمع تھے اور ایک حقیقت میں تھے۔ (پھر ہم نے اُنہیں کھولا)، یعنی ہم نے اُنہیں ایک سے دوسرے کو قسم کر کے اور تمیز دے کر الگ کر دیا۔۔یا۔۔سب آسمان ایک ہی آسمان تھا، اُسے مختلف حرکتیں دے کر ہم نے کتنے آسمان بنا دیے، اور ایک زمین کو بھی طبقوں کی کیفیتیں اور حال مختلف ہونے کے سبب سے کئی قسم کی ہم نے کر دی۔۔یا۔۔زمین و آسمان ایک میں چپکے اور جمے تھے، اور اُن کے بیچ فرق نہ تھا، ہم درمیان میں ہوا لائے، اور ہم نے اُنہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔

ایک قول کے مطابق اِس کا معنی یہ ہے، کہ ایک زمین سے ہم نے چھ[٦] طبقے نکالے، تو سات طبقے ہو گئے۔ اور ایک آسمان سے چھ[٦] نکالے تو سات ہو گئے۔ بعضوں نے یہ معنی کہے ہیں کہ آسمان بندھا تھا، اور اس سے پانی نہ برستا تھا۔ اور زمین بندھی تھی اور اُس پر گھاس نہ اُگتی تھی، تو ہم نے اُس کو مینھ کے سبب سے اور اِس کو گھاس کے سبب سے کھول دیا۔

(اور بنایا ہم نے پانی سے ہر چیز) کو جو (زندہ) ہے۔ یعنی سب حیوانوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے۔ اِس واسطے کہ جن چیزوں سے یہ بنے ہیں، اُن میں سب سے زیادہ پانی ہی ہے، اور اُن کا پانی سے احتیاج رکھنا اور پانی سے نفع لینا سب پر ظاہر ہے۔۔یا۔۔ہم نے نطفے سے پیدا کیا۔۔یا۔۔ہم نے

پانی کو ہر زندہ کی زندگی کا سبب کردیا، (تو) پھر (کیا نہیں مانتے) اور ایمان نہیں لاتے مشرک لوگ، باوجود اِن کھلی ہوئی نشانیوں کے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا

"اور گاڑ دیے ہم نے زمین میں پہاڑ، کہ کہیں ہل جائے ان کو لیے۔ اور بنایا ہم نے اِس میں

فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣١﴾

کھلے کھلے راستے، کہ لوگ راہ چلتے پھرتے رہیں●

(اور) ہماری قدرتِ کاملہ تو دیکھو، کہ (گاڑ دیے ہم نے زمین میں پہاڑ کہ کہیں ہل جائے اُن کو لیے)، یعنی اُن کو لے کر ملنے نہ لگے اور آدمیوں کو تباہ اور ہلاک نہ کر دے۔ (اور بنایا ہم نے اُس میں) یعنی زمین میں۔۔یا۔۔ پہاڑوں کے درمیان (کھلے کھلے راستے)، تا (کہ لوگ راہ چلتے پھرتے رہیں)، یعنی سفر کرتے رہیں اور اپنی منزلوں تک پہنچتے رہیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾

اور کر دیا ہم نے آسمان کو محفوظ چھت۔" اور کفار اُس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہیں●

(اور کر دیا ہم نے آسمان کو محفوظ چھت) جو گرنے پڑنے سے محفوظ ہے۔۔یا۔۔ وقتِ معلوم تک نیست و نابود ہونے سے بچی ہوئی ہے۔۔یا۔۔ ہَوا میں بے ستون محفوظ ہے۔ (اور کفار) کی حالت یہ ہے، کہ وہ (اُس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہیں)۔ یعنی ہماری نشانیوں سے جو آسمان میں ہیں اور اِس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ بنانے والا موجود ہے اور ایک ہی ہے، اور اُس کی قدرتِ کاملہ کھلی ہوئی ہے، کافر لوگ اُن نشانیوں سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ یعنی جس قدر ہماری نشانیاں دیکھتے ہیں اُن کا انکار بڑھتا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ

"اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا رات اور دن کو، اور سورج اور چاند کو۔

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾

سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں"●

(اور) یہ منکرین اِن حقائق پر غور وفکر نہیں کرتے، کہ اللہ تعالیٰ ہی (وہی ہے جس نے پیدا فرمایا رات اور دن کو)۔ رات اندھیری، تاکہ اُس میں آرام پائیں اور دن روشن، تاکہ اُس میں چل پھر کر حصولِ معاش کی جد وجہد کریں۔ (اور) پیدا فرمایا (سورج اور چاند کو)۔ سورج کو دِن کی علامت بنایا اور چاند کو رات کی علامت بنایا، تاکہ لوگ مہینوں اور سالوں کا حساب کرسکیں۔ اُن کی رفتار دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ (سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں)۔

یہاں فلک سے مُراد سورج اور چاند کے وہ مدار ہیں جس پر وہ گردش کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں اُس کی کوئی تصریح نہیں ہے، کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں۔۔یا۔۔خلاء میں ہیں۔ قدیم فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مدار آسمانوں میں ہیں اور سورج و چاند اِس پر اس طرح دوڑتے ہیں جیسے پیراک پانی پر دوڑتا ہے۔

حالیہ جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے، کہ چاند اور سورج افلاک میں مرکوز نہیں ہیں۔ اور زمین سمیت تمام سیارے خلاء کے اندر اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔

چونکہ اِن کے حقائق پر گفتگو کرنا قرآنِ کریم کا موضوع نہیں، اس لیے وہ صرف اِن کے منافع وفوائد اور اِن کی حکمتوں اور مصلحتوں اور اِن میں موجود قدرتِ الٰہی اور توحیدِ خداوندی کی نشانیوں کی وضاحت فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ ﴿۳۴﴾

اور نہیں کیا ہم نے کسی بشر کے لیے تم سے پہلے یہاں ہمیشہ رہنا، "تو کیا اگر تم انتقال کر جاؤ، تو یہ کافر لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟"●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی چیزوں سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا، اور اب اِن آیتوں میں یہ بتا رہا ہے، کہ زمین اور آسمان کی یہ عظیم الشان چیزیں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں، کہ اِن کا بقا اور دوام ہو۔ اور نہ اُن چیزوں کے لیے بقا اور دوام ہے، جس کے لیے یہ چیزیں بنائی گئیں۔ یہ دُنیا بھی فنا ہوجائے گی اور اس میں رہنے والے بھی سب فنا ہوجائیں گے۔ روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن گمراہی کی وجہ سے کہتے تھے، کہ ہم یہ انتظار کرتے ہیں، کہ حوادث کی آندھی آئے اور محمد "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم" کے یاروں کو متفرق کر کے انہیں ہلاکت میں ڈال دے، تو اپنے حبیب کی تسلی کے لیے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(اور نہیں کیا ہم نے کسی بشر کے لیے تم سے پہلے یہاں ہمیشہ رہنا، تو کیا اگر تم انتقال کر جاؤ، تو یہ کافر لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟)۔ یعنی جو تمہاری موت کے منتظر ہیں ہمیشہ رہیں گے اور موت سے نجات پا جائیں گے، ایسا نہیں۔۔۔اس لیے کہ۔۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم آزماتے ہیں تمہیں دکھ اور سکھ سے آزمانے کو۔

وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہمارے ہی طرف لوٹائے جاؤ گے●

(ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے)۔ یعنی دُنیا میں ہر 'ممکن' اور ہر 'مخلوق' کے نفس کو موت سے پہلے آنے والے امراض اور اُن کے آلام کا سامنا کرنا ہے۔۔نیز۔۔موت کے مقدمات اور وہ کیفیات جو موت سے پہلے وارد ہوتی ہیں اور جن تکلیفوں میں مبتلا ہو کر جان نکلتی ہے، اُن کا ہر شخص کو سامنا کرنا ہے اور اُن کا ادراک کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھ ملے۔۔یا۔۔دُکھ، یہ دراصل اُس کی طرف سے آزمائش ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ خداوندی۔۔۔

(اور) فرمانِ الٰہی ہے، کہ (ہم آزماتے ہیں تمہیں دُکھ اور سکھ سے)، یعنی بَلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار کر کے اور نعمتیں اور بخششیں دے کر (آزمانے کو)۔ یعنی ہم تمہارے ساتھ آزمائش کرنے والوں کا معاملہ کرتے ہیں سختی اور آسانی، مفلسی اور تونگری میں، تا کہ ہر ایک کا مرتبہ اہلِ عالَم کو معلوم ہو جائے۔ (اور) یاد رکھو! کہ تم (ہمارے ہی طرف لوٹائے جاؤ گے) اور اپنے اعمال کے موافق جزا پاؤ گے۔

کافروں کی جن باتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، کہ وہ نبی کریم کے انتقال کے تعلق سے اپنے انتظار کی بات کرتے ہیں، صرف اِتنا ہی نہیں، بلکہ وہ وقتاً فوقتاً دوسرے طریقوں سے گستاخیاں کرتے رہتے تھے۔۔چنانچہ۔۔جب ایک بار آنحضرت ﷺ عرب کے سرداروں کی ایک جماعت کے سامنے سے گزرے، تو اُن میں سے ابوجہل بے ادبی کی راہ سے ہنسا اور بولا، کہ یہ نبی! عبدِ مناف کا بیٹا ہے۔ یعنی آپ کو بطورِ استہزاء نبی کہا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ

اور جب دیکھا تم کو کافروں نے، تو نہیں قرار دیتے تمہیں مگر مذاق۔ کہ "کیا یہی کہا کرتے ہیں

یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

تمہارے بتوں کو۔" حالانکہ خدائے مہربان کے ذکر سے وہ منکر ہیں●

(اور) فرمایا گیا، کہ (جب دیکھا تم کو کافروں نے، تو) لوگوں کے سامنے (نہیں قرار دیتے تمہیں) یعنی نبی نہیں کہتے، (مگر) بطورِ (مذاق)۔ یعنی وہ ہنسی کی راہ سے تم کو نبی کہتے ہیں، اور آپس میں کہتے ہیں، (کہ کیا یہی کہا کرتے ہیں تمہارے بتوں کو) برا اور اُن کی مذمت کرتے ہیں؟ (حالانکہ خدائے مہربان کے ذکر سے وہ منکر ہیں)، یعنی درحقیقت ہنسے جانے اور مسخرے بننے کے لائق یہ کافر خود ہی ہیں، جو خدا کو یاد کرنے اور اُسے ایک جاننے۔۔یا۔۔قرآن کے ساتھ۔۔یا۔۔رحمان کے نام پر ایمان نہیں لاتے۔ تو یہ اِس لائق ہیں، کہ اُن کی فہم و فراست اور عقل و دانش کا مذاق اڑایا جائے۔ اِن بے وقوفوں کو پیغمبر پر ایمان لانا چاہیے۔ یہ ایمان نہیں لا رہے، بلکہ اپنے اوپر بعجلت عذابِ الٰہی چاہ رہے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔نضر بن حارث عذاب کی جلدی کرتا تھا۔۔تو۔۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

پیدا کیا گیا ہے انسان جلد پسندی سے، بہت جلد ہم دکھا دیں گے تمہیں اپنی نشانیاں، تو جلد بازی سے کام نہ لو●

(پیدا کیا گیا انسان جلد پسندی سے)۔ جلد پسندی کو اُس کا خمیر بنا کر کمال درجے کا مبالغہ فرمایا گیا ہے، یعنی کاموں میں بہت جلدی کرنے اور دیر کم کرنے کے مادّے سے اُسے بنایا گیا۔۔ چنانچہ۔۔ اُس کی جلد بازیوں میں سے یہ بات بھی ہے، کہ وہ عذابِ الٰہی میں بھی جلدی چاہتا ہے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

(بہت جلد ہم دکھا دیں گے تمہیں اپنی نشانیاں)۔ دُنیا میں بدر کا واقعہ تھا اور آخرت میں عذابِ دوزخ ہوگا۔ (تو جلد بازی سے کام نہ لو) ہم سے عذاب مانگنے میں۔

اور بعضوں نے کہا ہے، کہ انسان سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ اُن کی جلدی یہ تھی کہ جب اُن کے سر اور آنکھوں میں روح آئی، تو اُنہوں نے دیکھا کہ آفتاب ڈوبنے والا ہے، تو بولے یارب آفتاب ڈوبنے سے پہلے میری خلقت پوری کردے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور پوچھتے ہیں کہ "کب یہ وعدہ ہوگا اگر سچے ہو؟" ●

یہ جلد باز (اور) عذابِ الٰہی کے نزول میں عجلت چاہنے والے کافر، پیغمبرِ اسلام اور اُن کے اصحاب سے (پوچھتے ہیں، کہ کب یہ وعدہ ہوگا)۔ یعنی عذاب کا یا قیامت کا یہ وعدہ کب ہوگا، ہمیں بتاؤ تو (اگر سچے ہو)؟

توحق تعالیٰ نے اُن کی بات کے جواب میں فرمایا۔۔۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ

کاش جانتے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے، جس وقت، کہ نہ روک سکیں گے اپنے چہرے سے آگ،

وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور نہ اپنی اپنی پشت سے، اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی ●

(کاش جانتے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے جس وقت کہ نہ روک سکیں گے اپنے چہرے سے آگ، اور نہ اپنی اپنی پشت سے، اور نہ) ہی (اُن کی مدد کی جائے گی)۔۔ الحاصل۔۔ آگ اُن کے سارے بدن کو گھیرے ہوئے ہوگی، اور وہ کوئی ایسا یار و مددگار نہ پائیں گے جو عذاب کو ان سے روکے۔ تو اگر کافر ایسے عذاب کو جانیں، تو اُس کے نازل ہونے کی جلدی نہ کریں۔۔ یا۔۔ انہیں اگر پیغمبرِ اسلام کی سچائی اور اپنی غلطی کا علم ہو جائے، جب بھی عذاب کے نزول میں عجلت کا مطالبہ نہ کریں۔ اِن منکرین کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، کہ قیامت اُن پر پہلے ہی سے اپنا وقت بتا کر نہیں آئے گی۔۔۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

بلکہ آپڑے گی اُن پر اچانک تو بھوچکا کر دے گی انہیں، تو اُس کو پھیر سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ●

(بلکہ آپڑے گی اُن پر اچانک، تو بھوچکا کر دے گی اُنہیں)، یعنی انہیں مبہوت اور متحیر کر دے گی۔ (تو اُس کو) نہ تو (پھیر سکیں گے اور نہ) ہی (اُنہیں مہلت دی جائے گی) توبہ اور معذرت کے واسطے۔۔ یا یہ کہ۔۔ نظر نہ ڈالی جائے گی اُن پر، نہ اُن کی گریہ وزاری پر۔

اب آگے حق تعالیٰ جنابِ حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دِل کو تسلی دینے کے واسطے اگلے انبیاء علیہم السلام کا حال اور اُن کے ساتھ دشمنوں کے ہنسنے کی خبر دیتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ فرماتا ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ

اور بے شک مذاق اڑایا گیا رسولوں کا تم سے پہلے، تو پڑے گا جو مذاق کرتے تھے اُن سے،

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾

ع ٣ / ١٢ / ٤

اُن پر اُن کا مذاق●

(اور) بیان کرتا ہے، کہ (بے شک مذاق اُڑایا گیا رسولوں کا تم سے پہلے)۔ یعنی اَے محبوب! آپ کے ساتھ جو کافر ہنسی کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں، اس لیے کہ آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اُڑایا گیا تھا۔ سو مذاق اُڑانے والوں کو اُس عذاب نے گھیر لیا تھا، جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔ تو اَے محبوب! آپ رنج وغم نہ کریں، حق بات کہنے والوں کو ہمیشہ ایسی دِل آزار باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔۔ الختصر۔۔ ایسی دل آزار بات جب بھی کوئی کرے گا (تو پڑے گا)، یعنی اپنے مذاق کا وہ خود ہی شکار ہو جائے گا اور گھیر لے گا اُس کو اور اُن جیسوں کو (جو مذاق کرتے تھے اُن سے، اُن پر اُن کا مذاق)۔۔ چنانچہ۔۔ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مسخراپن کرتے تھے، اُنہیں اپنے مسخراپن کی سزا مل گئی۔ تو اَے محبوب! آپ کے ساتھ جو ہنسی کرتے ہیں، اُن کے ساتھ بھی وہی صورت واقع ہوگی۔

کفار اپنے معبودوں کے متعلق یہ کہتے تھے، کہ وہ آخرت میں ہماری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا رَد فرمایا، کہ نہ تو وہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں، اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی مدد کی جائے گی۔ تو اَے محبوب! اُن ہنسنے اور مذاق اڑانے والوں سے۔۔۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ

پوچھو کہ "کون محفوظ رکھتا ہے تمہیں رات ودن خدائے مہربان سے؟"

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾

بلکہ وہ اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے ہیں●

(پوچھو، کہ کون محفوظ رکھتا ہے تمہیں رات ودن خدائے مہربان سے)، یعنی خدا کے عذاب سے، اگر وہ تم سے بدلہ لینا چاہے؟ (بلکہ وہ اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے ہیں)۔۔ یا۔۔ قرآن سے۔۔ یا۔۔ اُس کی نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہیں، کہ دِل میں قرآن۔۔ یا۔۔ نصیحت نہیں جمتی، تو عذابِ الٰہی سے کیا ڈریں اور اپنے حقیقی نگہبان کو کیوں کر پہچانیں۔ آخر اُن کی سرکشی اور اُن کے اعراض

وانکار کی اُن کے پاس کیا معقول وجہ ہے جس پر وہ مطمئن ہیں۔۔۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ

کیا اُن کے بت ہیں جو بچاتے ہیں انہیں میرے مقابلے پر؟ وہ تو سکت نہیں رکھتے اپنے آپ مدد کرنے کی،

وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور نہ وہ ہم سے مدد کیے جائیں●

(کیا اُن کے) خودساختہ (بت ہیں) جنہیں معبود بنارکھا ہے (جو بچاتے ہیں اُنہیں میرے مقابلے پر)؟

پھر اُن کے جھوٹے خداؤں کی کیفیت بیان فرماتا ہے، کہ۔۔۔

(وہ) یعنی اُن کے خودساختہ مزعومہ خدا (تو سکت نہیں رکھتے اپنے آپ مدد کرنے کی)، یعنی اگر کوئی اُن کے ساتھ خرابی چاہے جیسے توڑ ڈالنا، نجاست بھر دینا، تو اُس خرابی کو اپنے سے دفع نہیں کرسکتے۔ تو جو اُن کی پرستش کرتے ہیں اُن کی نگہبانی کیونکر کرسکیں گے؟ (اور نہ وہ ہم سے مدد کیے جائیں)، یعنی ایسی بات بھی نہیں کہ بت۔۔یا۔۔ بت پرست ایک دوسرے کی مدد کرکے ہمارے عذاب سے نگاہ رکھے گئے اور پناہ دیے گئے ہیں، یعنی ایسا بھی تو نہیں کہ اللہ کی طرف سے اُنہیں عذابِ الٰہی سے مامون ومحفوظ کردیا گیا ہو۔۔۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ

بلکہ ہم نے رہنے سہنے دیا اِن کو اور اِن کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ دراز ہوگئی اِن کی عمر، تو کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ

اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

"ہم اِس ملک کو گھٹاتے جاتے ہیں اُن کے حدود سے۔" تو کیا یہ جیتیں گے؟●

(بلکہ ہم نے رہنے سہنے دیا اُن) مکہ میں رہنے والے گروہ (کو) وسعتِ عیش اور ایمنی اور سلامتی کے ساتھ۔ (اور اُن کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ دراز ہوگئی اُن کی عمر) یعنی اُن کی زندگی لمبی ہوگئی، اُس کے سبب سے وہ مغرور ہوکر سمجھنے لگے کہ ہمیشہ یوں ہی رہیں گے، اور یہ نہ سمجھے کہ عیش اور زندگی دم بہ دم گھٹے گی۔ (تو کیا اُنہیں) یعنی اُن کافروں کو (نہیں سوجھتا، کہ ہم اِس مُلک کو گھٹاتے جاتے ہیں) مسلمانوں کے واسطے (اُن کے حدود سے)۔۔چنانچہ۔۔وہ روز بروز ایک ملک فتح کرتے

جارہے ہیں، اور ہر روز ایک قلعہ لے لیتے ہیں، اور ایک نئ جگہ اپنے قبضے میں لاتے ہیں۔ جب یہ صورتِ حال ہو، (تو کیا یہ جیتیں گے؟) اور پیغمبر اور مسلمانوں پر غالب آئیں گے؟۔

مگر یہ صورتِ حال اُس وقت کی تھی جب ہم قرآن کے معیار کے مطابق مسلمان تھے، تو زمین کے کنارے ہم پر کشادہ اور وسیع ہورہے تھے اور کفار پر تنگ اور کم ہورہے تھے۔ اور جب ہم قرآن کے معیار کے مطابق مسلمان نہ رہے، تو دُنیا میں حکومت اور اقتدار کا نقشہ بھی بدلنے لگا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں مکہ میں جو کفر و اسلام کے درمیان آویزش تھی، اُس میں مکہ کے مسلمانوں پر اگرچہ کفار ظلم و ستم کررہے تھے اور بہ ظاہر غالب تھے، لیکن مکہ کے اطراف میں اور مدینہ میں اسلام کی دعوت جڑ پکڑ رہی تھی اور کفار کا حیطۂ اقتدار دن بہ دن کم ہورہا تھا، اور بتدریج اسلام کا غلبہ ہورہا تھا۔ اِن حالات کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، کہ۔۔۔

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم اُن پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آرہے ہیں، تو کیا یہ اب بھی غالب ہوسکتے ہیں؟ اَے محبوب! اُن سے۔۔۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ۖ٘ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ

صاف کہہ دو کہ "میں بس ڈراتا ہوں تمہیں وحی سے۔" اور نہیں سنتے بہرے پکارنے کو،

اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جب کہ وہ ڈرائے جائیں●

(صاف کہہ دو، کہ میں بس ڈراتا ہوں تمہیں وحی سے)۔ یعنی میں جس کلام کو سنا کر تمہیں ڈراتا ہوں، وہ میرا کلام نہیں ہے۔۔ بلکہ۔۔ یہ تمہارے رب کا کلام ہے۔ تو تم یہ گمان نہ کرو، کہ میں اپنی طرف سے کچھ کہہ رہا ہوں۔ اور اب جب کہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچادیا ہے، تو تم پر اِس کا قبول کرنا لازم ہے۔ اور اگر تم نے اس پیغام کو قبول نہیں کیا اور اِس کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا، تو اِس کا وبال صرف تم پر ہوگا۔

اِس آیت میں اُن کافروں کو بہرا قرار دیا ہے، جو پیغامِ حق کو قبول نہیں کرتے۔ اس لیے کہ سننے کی غرض وغایت یہ ہے، کہ حق کو سن کر اُس کو قبول کیا جائے۔ لیکن جب انہوں نے پیغامِ حق کو قبول نہیں کیا، تو گویا انہوں نے اُس کو نہیں سنا اور وہ بہرے ہیں۔

(اور نہیں سنتے بہرے پکارنے کو، جب کہ وہ ڈرائے جائیں)۔۔الغرض۔۔کافر جو بات سنتے ہیں اُس سے فائدہ نہ حاصل کرنے میں بہروں کے مثل ہیں جو کچھ سنتے ہی نہیں۔اَے محبوب! جو کفار اپنے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے عذاب کا مطالبہ کرر ہے ہیں، اگر اُن کو معمولی سا عذاب چھو گیا، تو اُن کی ساری اَکڑفوں جاتی رہے گی۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَئِنۡ مَّسَّتۡهُمۡ نَفۡحَةٌ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوۡلُنَّ يٰوَيۡلَنَاۤ

اور اگر لگ جاتی انہیں ہوا تمہارے رب کے عذاب کی، تو ضرور بول پڑتے کہ "ہائے بربادی،

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿٤٦﴾

بے شک ہم اندھیر والے تھے"●

(اور) فرمایا جارہا ہے، کہ (اگر لگ جاتی اُنہیں ہوا تمہارے رب کے عذاب کی، تو ضرور بول پڑتے کہ ہائے بربادی، بے شک ہم اندھیر والے تھے)۔ہائے ہماری بدبختی، اللہ کے رسول تو ہمیں اِس عذاب سے بچانے کے لیے آئے تھے، ہم نے خود ہی اُن کے پیغام کو مسترد کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

کس نے کتنا ظلم کیا؟ اور کس قدر برائی اکٹھا کی۔۔یوں ہی۔۔کس نے کس قدر نیکیاں جمع کیں، قیامت کے دن سب کا چشم دید کرانے کے لیے حق تعالیٰ کا ارشاد۔۔۔

وَنَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡـًٔا ؕ وَاِنۡ

اور رکھیں گے ہم انصاف کے ترازو قیامت کے دن، تو ظلم نہ کیا جائے گا کوئی کچھ۔اور اگر

كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَيۡنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ ﴿٤٧﴾

کچھ ہو رائی کے دانے کے برابر، تو ہم اُسے بھی لا چکے۔اور ہم کافی حساب کرنے والے ہیں●

(اور) فرمان ہے، کہ (رکھیں گے ہم انصاف کے ترازو قیامت کے دن) جزا دینے کو۔

اِس مقام پر ایک قول کے مطابق 'ترازو' سے مراد 'عدل' ہے، اور یہ دراصل تمثیل ہے ٹھیک ٹھیک حساب اور پوری پوری جزاءِ اعمال کے واسطے۔اکثر مفسرین اس بات پر ہیں، کہ ایک میزان مراد ہے۔اُس کی ایک ڈنڈی اور دو پلڑے ترازو کی طرح ہوں گے، اور اُس میں اعمال

تولیں گے۔ میزان کو جمع کے لفظ سے لانا، اُس کی عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لیے ہے۔۔

یا۔۔ یہ بات ہے کہ ہر ایک مکلف کے اعمال اُس ترازو میں تولے جائیں گے، تو ہر ایک کے واسطے ایک ترازو ہوگی، یعنی نیک بدعمل جو اُس میں تولیں گے۔

(تو ظلم نہ کیا جائے گا کوئی کچھ) اپنے حق میں سے، یعنی کوئی نیک بدعمل بے تُلا نہ چھوڑیں گے، **(اور اگر کچھ ہو رائی کے دانے کے برابر)** جو سب دانوں میں چھوٹا ہوتا ہے، **(تو) اُسے بھی ہم لائیں گے** اور ترازو کے پاس حاضر کردیں گے۔ یہ اتنا یقینی معاملہ ہے، گویا **(ہم اُسے بھی لاچکے اور ہم کافی حساب کرنے والے ہیں)۔** یعنی ہم بس ہیں حساب کرنے والے بندوں کے اعمال کو، اِس واسطے کہ علم اور عدل کا کمال ہم ہی کو ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور بے شک دیا ہم نے موسیٰ وہارون کو توریت، حق و باطل کو جدا کرنے والی، اور روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کے لیے●

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور قیامت کے دلائل کو مکمل فرمایا، تو اب اُس نے انبیاء علیہم السلام کے قصص کا ذکر شروع فرمایا، تاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے جس سختی اور ہٹ دھرمی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے میں آپ کو جو مشکلات اور مصائب پیش آرہے ہیں، اُس میں آپ کو تسلی دی جاسکے، اور آپ کے صبر کے لیے مثالیں اور مواقع فراہم ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے دس قصص بیان فرمائے ہیں۔ پہلا قصہ۔۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ **(بے شک دیا ہم نے موسیٰ وہارون کو توریت، حق و باطل کو جدا کرنے والی، اور روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کے لیے)۔**

۔۔الغرض۔۔ آیتِ کریمہ میں 'فرقان' سے مراد 'توریت' ہے، جو حق و باطل کو جدا کرنے والی ہے۔۔ یا۔۔ اُس سے مُراد دشمنوں پر فتح و کامیابی ہے۔۔ یا۔۔ دریا کا پھٹ جانا ہے۔

ہم نے یہ روشن کتاب اس لیے دی، تاکہ اُس کی متابعت کرنے والے حیرت اور جہالت کی تاریکی سے چھوٹ جائیں۔ اِس کتاب کی دوسری خوبی یہ ہے، کہ یہ سب کے لیے نصیحت و ہدایت ہے، لیکن اُس کی نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہوں گے۔۔۔

الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جوڈریں اپنے رب کو بے دیکھے، اور وہ قیامت سے تھرتھراتے ہیں●

(جوڈریں اپنے رب کو بے دیکھے)۔یعنی خدا کو دیکھا نہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں، اور عذاب دیکھا نہیں اور اُس سے خوف کرتے ہیں۔

ایسے پرہیزگاری کی طرف مائل ہونے والوں کو اُن کے مستقبل کے لحاظ سے متقی کہہ دیا جاتا ہے، جیسے حج کے ارادے سے کوئی مکہ شریف گیا، تو حج کرنے سے پہلے ہی اُسے حاجی کہا جانے لگتا ہے۔

(اور) اُن پرہیزگاروں کی شان یہ ہے، کہ **(وہ قیامت سے تھرتھراتے ہیں)** یعنی قیامت کے ہَولوں کا ذکر انہیں لرزہ بَراندام کردیتا ہے۔

ذہن نشین رہے، کہ جوکوئی خدا کی وحدانیت، دوزخ، جنت، حشر، حساب، اور میزان کا ایمان رکھتا ہے، وہ بے شک خدا سے پوشیدہ ڈرتا ہے۔ آگے رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ سنو!۔۔۔

ع٤

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ع

اور یہ نصیحت ہے مبارک، کہ اتارا ہم نے جسے۔تو کیا تم اُس کے منکر ہو؟●

(اور) یادرکھو! **(یہ)** قرآنِ کریم **(نصیحت ہے)** اور **(مبارک)** ہے، یعنی بہت برکت اور منفعت والا ہے، اس لیے **(کہ اتارا ہم نے جسے)** **محمد** ’صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم‘ پر، یعنی یہ ہمارا نازل کیا ہوا ہے، انہوں نے خود اِسے نہیں بنالیا ہے، **(تو کیا تم اُس کے منکر ہو؟)** یعنی تم قرآنِ مجید کو نازل کرنے کا کیوں انکار کررہے ہو، حالانکہ ہم اِس سے پہلے ’حضرت‘ موسیٰ اور ’حضرت‘ ہارون پر توریت نازل فرماچکے ہیں، جب کہ اِس قرآن میں معجزانہ کلام ہے، جس کی فصاحت و بلاغت اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے۔ اِس میں دلائلِ عقلیہ ہیں اور احکام شرعیہ کا مفصل بیان ہے۔بھلا ایسی کتاب کا انکار کیا معنی رکھتا ہے؟

چونکہ قرآنِ مجید کے مضامین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے مشابہت تامہ ہے، اس لیے قرآنِ کریم کے نزول کے ذکر کے بعد فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع فرمادیا گیا۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾

اور بے شک دیا تھا ہم نے ابراہیم کو اُن کی نیک راہ پہلے ہی سے، اور ہم انہیں جانتے تھے●

(اور) ارشاد فرمادیا گیا، کہ (بے شک دیا تھا ہم نے ابراہیم کو اُن کی نیک راہ) یعنی ہدایت اُس کی صلاحیت موجود ہونے کے باعث (پہلے ہی سے)، یعنی حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے قبل --یا-- محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قبل --یا-- نبی ہونے کے پہلے ہم نے ابراہیم کو پہچاننے کی توفیق دی تھی۔ (اور ہم اُنہیں جانتے تھے)۔ یعنی ہمیں اُن کے تعلق سے یہ علم تھا، کہ وہ مستحق ہیں کہ انہیں اپنی مخصوص عنایات ونوازشات کا مرکز بنایا جائے، تو اُن کے استحقاق کے موافق ہم نے اُن کو نوازا۔

آگے کے واقعات سے خداوندی نوازش کا صاف اظہار ہورہا ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

جب کہ کہا اپنے بابا سے اور اُس کی قوم سے، "یہ مورتیاں کیا ہیں؟ کہ تم ان کا آسن مارے ہو،" سب نے جواب دیا●

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾

کہ "ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا کہ ان کے پجاری ہیں"●

اَے محبوب! یاد کرو، (جب کہ کہا) ابراہیم نے (اپنے بابا) یعنی حقیقی باپ کے بڑے بھائی (سے) جنہیں عُرفاً بابا کہا جاتا ہے، (اور اُس کی قوم سے) یعنی اپنی قوم سے، کہ (یہ مورتیاں کیا ہیں؟) یعنی یہ شکلیں اور صورتیں (کہ تم اُن کا آسن مارے ہو) اور اُن کی پرستش پر مجاور رہو، آخر اُن کی حقیقت کیا ہے؟ --یا یہ کہ-- تم اُن کی پرستش میں کیوں لگے ہوئے ہو؟۔

وہ بہتر ۷۲ مورتیاں تھیں۔ ایک قول کے مطابق وہ نوّے ۹۰ بت تھے۔ سب سے بڑا جو بت تھا اُسے آزر نے بنایا تھا، اور بہت عمدہ دو ۲ موتی اُس کی آنکھوں کی جگہ جڑے تھے۔ وہ صورتیں درند، پرند، چارپائے، اور آدمیوں کی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ تاروں کی شکلیں تھیں۔ بہر تقدیر حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا، کہ یہ کیا صورتیں ہیں جن کو تم پوجتے ہو۔

(سب نے جواب دیا● کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا کہ اُن کے پجاری ہیں)، تو ہم نے بھی اُن کی تقلید کی۔ اِس پر---

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٥٤﴾

وہ بولے کہ "بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے"●

(وہ) یعنی حضرت ابراہیم (بولے، کہ بلاشبہ تم) کھلی گمراہی میں ہو، (اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے)۔۔الحاصل۔۔تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں رہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿٥٥﴾

سب بولے کہ "کیا آپ ہمارے پاس حق لائے ہیں، یا بے کار مذاق کرتے ہیں؟"●

(سب بولے، کہ کیا آپ ہمارے پاس حق لائے ہیں، یا بے کار مذاق کرتے ہیں)۔یعنی اُن کی قوم نے کہا، کہ آیا آپ سنجیدگی سے بات کررہے ہیں یا مذاق کررہے ہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک یہ بہت بعید تھا، کہ جو کام برسوں سے نسل دَرنسل چلا آرہا ہو، اُس کو گمراہی کہا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا، کہ اُن کی قوم یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ اُن کے ساتھ مذاق کررہے ہیں، تو انہوں نے توحید کا اعلان کیا، تاکہ قوم کو یقین ہوجائے کہ وہ اظہارِ حق میں سنجیدہ ہیں، اس لیے اُنہوں نے اپنی زبان اور عمل سے اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار کیا۔۔اور۔۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ

وہ بولے "بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پالنہار ہے، جس نے ان سب کو پیدا فرمایا۔

وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿٥٦﴾

اور میں اس پر گواہوں میں سے گواہ ہوں●

(وہ بولے، بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پالنہار ہے، جس نے اِن سب کو پیدا فرمایا)۔

اِس میں یہ دلیل ہے کہ خالق وہ ہے، جس نے اُن چیزوں کو بندوں کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ دُنیا اور آخرت میں بندوں کو ضرر اور عذاب سے بچانے اور نفع اور ثواب پہنچانے پر قادر ہے، سو اُسی کی عبادت کرنی چاہیے۔۔۔

(اور میں اِس پر) کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے، (گواہوں میں سے گواہ ہوں)

--- الغرض --- میں اپنے دعویٰ میں مذاق نہیں کررہا ہوں، بلکہ منجملہ اُن لوگوں میں سے ہوں جو اپنے دعویٰ کو دلائل و براہین کے ایسے درجے میں پہنچاتے ہیں، کہ گویا وہ عینی شاہد ہیں، کہ جن کے دلائل و براہین سے دعاوی قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوجاتے ہیں۔

روایت ہے کہ نمرودیوں کی عید کا ایک دن تھا، اُس دن وہ میدان میں جاتے اور شام تک سیر کرتے، واپسی کے وقت بت خانے میں آتے اور بتوں کو بنا سنوار کر اُن کے سامنے گاتے بجاتے، پھر پرستش کی رسمیں ادا کر کے اپنے گھروں میں پھر آتے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن میں سے کچھ لوگوں سے اُن مورتیوں کے باب میں مناظرہ کیا، تو وہ بولے، کہ اچھا کل ہماری عید کا دن ہے، شہر سے باہر آکر دیکھنا، کہ ہمارے دین اور آئین میں کس قدر زیبائش ہے۔ حضرت ابراہیم نے ہاں --- یا --- نہیں کچھ جواب نہ دیا۔

دوسرے دن جب وہ صحرا کو جانے لگے، تو ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا، تو آپ نے اپنی طبیعت کا اضمحلال ظاہر فرمایا اور فرمایا کہ **اِنِّیْ سَقِیْمٌ** یعنی میں تمہاری حرکتوں سے مضمحل اور رنجیدہ خاطر ہوں۔ اُن لوگوں نے یہ سمجھا، کہ آپ بیمار ہیں --- چنانچہ --- انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے پوشیدہ یہ بات فرمائی۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝٥٧

اور اللہ کی قسم ضرور میں بگاڑوں گا تمہارے بتوں کو، بعد اس کے کہ تم واپس جاؤ پشت دکھا کر" ●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (اللہ) تعالیٰ (کی قسم ضرور میں بگاڑوں گا تمہارے بتوں کو بعد اِس کے کہ تم واپس جاؤ پشت دکھا کر)، یعنی جب بتوں کو چھوڑ کر اپنی سیرگاہ میں جاؤ گے۔

اِن لوگوں میں سے ایک نے یہ بات سن لی اور کسی سے نہیں کہی، مگر جب وہ لوگ چلے گئے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک تبر اٹھالیا اور اور بت خانے میں گھسے ---

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝٥٨

تو کر دیا اُن بتوں کو ریزہ ریزہ، مگر اُن میں بڑے کو، کہ وہ لوگ اِدھر واپس ہوں گے ●

(تو کر دیا اُن بتوں کو ریزہ ریزہ، مگر اُن میں بڑے) بت (کو) یوں ہی رہنے دیا اور اس کو نہیں توڑا --- بلکہ --- اُس کی گردن میں تبر رکھ کر نکل آئے۔ اِس خیال سے **(کہ وہ)** نمرودی **(لوگ**

اِدھر) یعنی اپنے بڑے بت کی طرف (واپس ہوں گے) اوران کا حشر دیکھیں گے، اور پھر شاید اِس بڑے بت سے پوچھیں، کہ انہیں کس نے توڑ ڈالا۔

اِس واسطے کہ معبود کی شان سے یہ بات ہے، کہ مشکلیں حل ہونے میں اُس کی طرف رجوع کریں۔ اوراس کام سے حضرت ابراہیم کی غرض یہ تھی کہ قوم کوالزام دیں، کہ تم نے ایسے کومعبود بنالیا ہے، جومشکل کے وقت تمہاری اتنی بھی مدد نہ کرسکے، کہ تمہیں حقیقتِ حال سے آگاہ کردے۔۔۔اِس آیت کی تفسیر میں اِلَیْهِ میں ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم کوبھی قرار دیا ہے۔ اِس صورت میں معنی یہ ہوگا، کہ حضرت ابراہیم نے اس واسطے بت توڑے، کہ شاید بت پرست اُن کی طرف رجوع کریں اوروہ دلیل قاطع سے بتوں کی عاجزی ثابت کردیں۔

غرضیکہ نمرودی جب شام کو بت خانے میں آئے، تو حال دیکھ کر متحیر ہوئے۔۔اور۔۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾

سب بولے کہ "کس نے کیا یہ ہمارے معبودوں سے؟ بے شک وہ اندھیر کرنے والوں سے ہے"●

(سب بولے، کہ کس نے کیا یہ ہمارے معبودوں سے)، کہ انہیں توڑ پھوڑ ڈالا، (بے شک وہ اندھیر کرنے والوں سے ہے)۔ یعنی یہ کام کر کے اُس نے اپنی جان کوخطرے میں ڈالا۔

۔۔المختصر۔۔نمرود اور اُس کے لوگ اُس شخص کی تلاش میں پڑے اور چاہا کہ بت توڑنے والے کو سب کے سامنے حاضر کریں۔ وہ شخص جس نے بتوں کو بگاڑ دینے کی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے سنی تھی، اس نے دوسرے سے کہا۔۔الغرض۔۔ایک سے دوسرے کی زبان پر یہ بات آئی، یہاں تک کہ نمرود کے مصاحبوں کوخبر پہنچی۔ اُن میں سے۔۔۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى

بعض بولے کہ "ہم نے سنا ہے ایک نوجوان کو، کہ اِن کے لیے بولتا ہے، اُن کوابراہیم کہا جاتا ہے"● سب بولے، "تو اس کو لاؤ

اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

سب کے سامنے، کہ وہ لوگ گواہی دیں"● سب نے پوچھا کہ "کیا تم نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا

اَے ابراہیم؟"● جواب دیا، "بلکہ کر گزرا ہو، اِن کا یہ بڑا۔ تو اِن سب سے پوچھو اگر

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

بولتے ہوں"● توسب نے اپنے اپنے جی میں پلٹا کھایا، اور کہنے لگے کہ" بلاشبہ تمہیں اندھیر والے ہو"●

(بعض) نمرود سے (بولے، کہ) (ہم نے) قوم سے (سنا ہے ایک نوجوان کو) جو (کہ اِن) بتوں (کے لیے) برائی سے (بولتا ہے) اور اِن کی مذمت کرتا ہے۔ (اُن کو ابراہیم کہا جاتا ہے) یعنی ان کا نام ابراہیم ہے۔ یہ سن کر نمرود اور اُس کے امیر (سب بولے، تو اُس کو لاؤ سب کے سامنے)، یعنی ایسا کرو کہ لوگ اُسے دیکھیں، تا (کہ وہ لوگ گواہی دیں)، کہ ہاں یہی بتوں کی مذمت کرتا ہے۔۔الغرض ۔۔سب اُس کو پہچان لیں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر نمرود کے سامنے حاضر کیا گیا، پھر (سب نے پوچھا، کہ کیا تم نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ اُے ابراہیم؟) حضرت ابراہیم نے (جواب دیا، بلکہ) کہیں ایسا نہ ہوا ہو، کہ یہ کام (کر گزرا ہو اُن کا یہ بڑا) جس کے کاندھے پر تبر نظر آرہا ہے۔ اور اُس نے یہ کام اِس غصے میں کیا ہو، کہ میرے ہوتے ہوئے لوگوں نے اِن کو کیوں پوجا۔

تو اگر پوچھنا ہی ہے، (تو اُن سب سے پوچھو) کہ تمہیں کس نے توڑا، (اگر بولتے ہوں) اگر بات کر سکتے ہوں۔ (تو سب نے اپنے اپنے جی میں پلٹا کھایا) یعنی اپنی عقلوں کی طرف رجوع ہوئے ۔۔یا۔۔آپس میں سوالیہ نشان بن کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، (اور) بعض بعض سے (کہنے لگے کہ بلاشبہ تمہیں اندھیر والے ہو)، ایسی چیز کو پوجنے کے سبب سے جو نہ سنے نہ بولے۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ

پھر اوندھے سر کر دیے گئے۔ کہ "تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں"● جواب دیا

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ

"تو کیا پوجا پاٹ کرتے ہو اللہ سے بے واسطہ ہو کر، اُس کا جو نہ بنا سکے تمہارا کچھ، اور نہ بگاڑ سکے تمہارا● تھڑی ہے تم پر

وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اُن پر جنہیں تم پوجتے ہو، بمقابلہ اللہ کے۔ تو کیا عقل نہیں رکھتے"●

(پھر اوندھے سر کر دیے گئے) یعنی خجالت و شرمندگی سے سر جھکا لیے اور حیرت سے بولے، (کہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں) اور بات نہیں کرتے، تو پھر جان بوجھ کر یہ بات کیوں کہتے ہو، کہ اُن سے پوچھو۔ پھر جب بت پرستوں نے اپنے خداؤں کی عاجزی کا اقرار کر لیا، تو اُن کی باتوں

کا (جواب دیا، تو کیا پوجا پاٹ کرتے ہو اللہ) تعالیٰ (سے بے واسطہ ہو کر اس کو جو نہ بنا سکے تمہارا کچھ اور نہ بگاڑ سکے تمہارا)۔ یعنی اُس کو تم کتنا ہی پوجو، مگر وہ تم کو نفع نہیں دے سکتا اور یوں ہی اُس کو کبھی بھی نہ پوجو بلکہ توڑ پھوڑ بھی ڈالو جب بھی وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔۔تو۔۔(تھڑی ہے تم پر)، یعنی بُرائی اور خرابی ہو تم پر، (اور اُن پر جنہیں تم پوجتے ہو بمقابلہ اللہ) تعالیٰ (کے۔تو کیا عقل نہیں رکھتے) یعنی کیا تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے، کہ اپنے عمل کی بُرائی معلوم کر لیتے؟ جب نمرود کی قوم نے یہ بات سنی، تو عداوت سے حضرت پہنچانے کی طرف مائل ہو گئے۔۔چنانچہ۔۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

سب نے کہا کہ "اِن کو جلا دو، اور مدد کرو اپنے معبودوں کی، اگر کرنا ہے" ●

(سب نے کہا کہ اِن کو جلا دو)، اِس لیے کہ آگ کا عذاب ہولناک ہوتا ہے۔(اور مدد کرو اپنے معبودوں کی) اِن سے بدلا لے کر (اگر کرنا ہے)، یعنی اگر تم بتوں کی مدد کرنا چاہتے ہو، تو ایسا کرو۔

پھر نمرود نے حکم کیا تو ایک پہاڑ کے سامنے ایک گڑھا بنایا گیا۔ اُس کی دیوار ساٹھ[٦٠] گز بلند تھی اور مہینہ بھر تک لکڑیاں جمع کرتے کرتے اُس گڑھے کو بھر دیا، اور بہت سا تیل تمام ایندھن پر چھڑک کر اُس میں آگ لگا دی، اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی گردنِ مبارک میں طوق، ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق سے آگ میں ڈال دیا۔ پس حضرت جبرائیل علیہ السلام اُن کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا، کہ آپ کو کچھ حاجت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، کہ تم سے تو کچھ بھی حاجت نہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا، کہ جس سے حاجت ہو اُس سے مانگیے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، وہ خود جانتا ہے، مانگنے کی حاجت نہیں۔ چونکہ خدائے جلیل پر حضرت ابراہیم خلیل کا توکل پکا اور ماسوی اللہ سے انقطاع پورا تھا۔۔تو۔۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

ہم نے حکم دیا کہ "اَے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر" ●

(ہم نے حکم دیا، کہ اَے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر)۔ سلامتی کے حکم نے آگ کو اتنی ٹھنڈی نہیں ہونے دیا جو تکلیف پہنچائے۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾

اور اُن لوگوں نے چاہا ابراہیم کا بُرا، پس ہم نے کر دیا انہیں کو گھاٹے والا●

(اور) اپنے مذکورہ بالا عمل سے (اُن لوگوں نے چاہا) تھا (ابراہیم کا بُرا، پس ہم نے کر دیا اُنہیں کو گھاٹے والا)۔ اِس واسطے کہ اُن کی کوشش کا انجامِ کار یہ ہوا، کہ حضرت ابراہیم کی حقانیت اور ان کے فعل کا بطلان روشن ہو گیا۔

روایتوں میں ہے، کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش کدہ میں پہنچے، تو فوراً اُن کا طوق، بیڑی اور ہتھکڑی جل گئی، اور اُن کے گرد پھول کھل گئے، اور میٹھے پانی کا چشمہ ظاہر ہو گیا۔ سات دن تک نمرودیوں کے گمان میں آتش کدہ میں اور حقیقتاً اپنے گلکدہ میں رہے۔ نمرود نے بلندی پر سے دیکھا، کہ ابراہیم علیہ السلام نہایت شاندار باغ میں بیٹھے ہیں اور نہایت ہی خوش و خرم ہیں اور اُن کے گرداگرد آگ شعلے مارتی ہے، تو نمرود نے پکار کے کہا، کہ اَے ابراہیم تیرا خدا جس کی اتنی بڑی قدرت ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، بڑا خدا ہے، تو کیا میں اُس کے واسطے قربانی کروں۔ ابراہیم علیہ السلام بولے، کہ جب تک تو اپنے طریقے پر ہے میرا خدا تیری قربانی قبول نہیں کرتا۔ روایت ہے، کہ نمرود نے چار ہزار گائیں قربان کیں، اور حضرت ابراہیم کو ایذاء دینا چھوڑ دیا۔

۔۔ با ایں ہمہ۔۔۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عراق میں جو نمرود اور اُس کی قوم کی جگہ تھی نہیں رکھا۔۔۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

اور بچالے گئے ہم انہیں اور لوط کو، اُس زمین کی طرف، کہ جس میں ہم نے برکت دے رکھی ہے، جہان والوں کے لیے●

(اور بچالے گئے ہم اُنہیں اور) اُن کے بھتیجے (لوط) بن ہارون (کو اُس زمین کی طرف، کہ جس میں ہم نے برکت دے رکھی ہے جہان والوں کے لیے)۔ یعنی ولایتِ شام میں بخیر و عافیت پہنچا دیا، کیونکہ وہاں انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے سے برکت اور نعمت و رحمت کی کثرت تھی۔ حضرت ابراہیم فلسطین میں اُترے اور حضرت لوط علیہ السلام 'موتفکات میں۔ دونوں مقاموں میں ایک دن رات کی راہ تھی۔۔۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾

اور عطا فرمایا ہم نے انہیں اسحٰق، اور یعقوب پوتا۔ اور سب کو بنایا ہم نے لیاقت والے ●

(اور عطا فرمایا ہم نے اُنہیں) یعنی ابراہیم 'علیہ السلام' کو سارہ سے جو اُن کے چچا کی بیٹی تھیں ایک بیٹا **(اسحٰق، اور یعقوب پوتا)** جو طلب سے زیادہ تھے۔ یعنی 'حضرت' ابراہیم نے صرف ایک بیٹے کی خواہش کی تھی، ہم نے اُسے بیٹا بھی دیا اور پوتا بھی دیا۔ **(اور)** ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب 'علیہم السلام' ۔۔الغرض۔۔اُن **(سب کو بنایا ہم نے لیاقت والے)**، یعنی نہایت نیک اور شائستہ۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ

اور کر دیا ہم نے انہیں امام، کہ ہدایت کریں ہمارے حکم سے، اور وحی بھیجی ہم نے اُن کی طرف، "نیکیوں کے کرنے

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾

اور نماز کی پابندی، اور زکوٰۃ دینے کی۔" اور وہ تھے ہمارے ہی پوجنے والے ●

(اور کر دیا ہم نے انہیں امام) یعنی پیشوا، تا **(کہ)** خلق کو **(ہدایت کریں)** اور راہ دکھائیں ہماری طرف، اور وہ بھی **(ہمارے حکم سے)**، ہماری ہدایات وارشادات کی روشنی میں۔ **(اور وحی بھیجی ہم نے اُن کی طرف نیکیوں کے کرنے)** کی کہ خلق کو اُن کی رغبت دلائیں، **(اور نماز کی پابندی اور زکوٰۃ دینے کی)**، یعنی جسمانی اور مالی ہر طرح کی عبادتیں انجام دینے کی۔

نماز وزکوٰۃ کا ذکر اُن کی فضیلت کی جہت سے ہے۔ اور اِس قول کے بنیاد پر، کہ انبیاء پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، کیونکہ زکوٰۃ مال کو میل سے پاک کرنے کے لیے نکالی جاتی ہے، اور انبیاء کا مال میل سے متلوث نہیں، ارشادِ ربانی کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اُن کو زکوٰۃ کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا، نہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے کا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے زکوٰۃ سے مراد تزکیۂ نفس ہو، یعنی اُن کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے باطن کو پاک وصاف رکھیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُنہیں نعمتوں پر نعمتیں عطا فرماتا رہا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اُس کی عبادت کرتے ہی رہے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ کا ارشاد۔۔۔

(اور) فرمان ہے، کہ **(وہ تھے ہمارے ہی پوجنے والے)**۔

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ

اور لوط کو دیا تھا ہم نے نبوت وعلم، اور نجات دی ہم نے انہیں اُس آبادی سے

تَعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾

جو بدکاری کرتی تھی۔ بلاشبہ وہ تھے بدکردار لوگ، نافرمان●

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ تیسرا قصہ ہے جو حضرت لوط علیہ السلام سے متعلق ہے۔

اُن کے تعلق سے ارشادِ الٰہی۔۔۔

(اور) فرمانِ خداوندی ہے، کہ (لوط کو دیا تھا ہم نے نبوت وعلم)۔ وہ علم جو پیغمبروں کو چاہیے، یعنی ملت کے قواعد۔ (اور نجات دی ہم نے اُنہیں اُس آبادی سے جو بدکاری کرتی تھی) یعنی سدوم نام کے جس گاؤں کے لوگ ناپاک کام کرتے تھے، اور لواطت میں مشغول تھے اور رہزنی بھی کرتے تھے، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ کیونکہ (بلاشبہ وہ تھے بدکردار لوگ، نافرمان)، فرمان سے نکل جانے والے۔

وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵

اور لے لیا ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں۔ بے شک وہ لیاقت مندوں سے ہوئے●

(اور لے لیا ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں) یعنی رحمت والوں میں۔۔یا۔۔ جنت میں، کہ رحمت کی جگہ ہے۔ (بے شک وہ لیاقت مندوں سے ہوئے)، یعنی نیکوں اور شائستہ لوگوں سے رہے۔

اِس سے قبل حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے گزرا ہے۔

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ

اور نوح، جب کہ پکارا پہلے اِس سے، تو ہم نے قبول فرمالیا اِسے، چنانچہ نجات دی ہم نے انہیں،

وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾

اور اُن کے اہل کو بڑی سختی سے●

اِس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان کیے گئے ہیں، ان میں یہ چوتھا قصہ ہے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کا قصہ ختم کیا، جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کے ساتھ یہ مناسبت تھی، کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو انگاروں میں ڈال دیا تھا، تو حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا جس میں نوح علیہ السلام کی دُعا سے پانی مسخر کر دیا، اور تمام روئے زمین والوں کو پانی میں غرق کر دیا۔

(اور) اَے رسولِ مکرم! یاد کیجیے (نوح) کو، (جب کہ پکارا) انہوں نے اپنے رب کو (پہلے اِس سے) یعنی حضرت لوط اور حضرت ابراہیم کے واقعات سے پہلے، یعنی اپنی قوم کے ہلاک ہونے کی دُعا کی، (تو ہم نے قبول فرمالیا اُسے) یعنی اُن کی دُعا کو، (چنانچہ نجات دی ہم نے اُنہیں اور اُن کے اہل کو بڑی سختی سے)، یعنی اُن کے فرمانبردار فرزندوں اور عورتوں کو بڑے غم، یعنی طوفان کی مصیبت سے نجات عطا فرمادی۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

اور مدد فرمائی ہم نے اُن کی اُس قوم سے، جس نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، بے شک وہ تھے بُرے لوگ،

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

تو ہم نے ڈبودیا اُن سب کو●

(اور مدد فرمائی ہم نے اُن کی اُس قوم سے جس نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو)۔۔المختصر۔۔اُس قوم پر اُنہیں غالب کردیا۔ اور چونکہ (بے شک وہ تھے بُرے لوگ، تو ہم نے ڈبودیا اُن سب کو)۔۔ الغرض۔۔ان کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچادیا۔

اب انبیاءِ کرام کے قصص سے متعلق پانچویں قصے کو شروع فرمایا جارہا ہے، جو حضرت داود اور حضرت سلیمان سے متعلق ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ

اور داوٗد و سلیمان، جب کہ فیصلہ کررہے تھے کھیتی کے بارے میں، کہ پڑگئی تھیں اس میں لوگوں کی بکریاں،

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾

اور ہم تو اِن کے فیصلے کے وقت حاضر ہی تھے●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ اَے محبوب! یاد کرو (داود و سلیمان) کا واقعہ، (جب کہ فیصلہ کررہے تھے کھیتی کے بارے میں، کہ پڑگئی تھیں اُس میں لوگوں کی بکریاں اور ہم تو اُن کے فیصلے کے وقت حاضر ہی تھے)، اور دیکھ ہی رہے تھے فریقین پر دونوں نے کیا حکم نافذ کیا ہے، اور داود و سلیمان علیہما السلام نے ایلیا اور یوحنا پر کیا حکم جاری کیا ہے۔

اِس تعلق سے قصہ مختصر یہ ہے، کہ جب داود علیہ السلام دارُ القضاء میں بیٹھتے، تو سلیمان علیہ السلام

دروازے پر کھڑے رہتے، اور جو باہر نکلتا اُس سے اُس کا مقدمہ اور اپنے والد کا فیصلہ پوچھ لیتے۔ ایک دن دو آدمی عدالت میں آئے۔ ایک کسان جس کا نام ایلیا تھا، اور دوسرا بکریوں والا جسے یوحنا کہتے تھے۔ ایلیا نے عرض کیا، یا خلیفۃ اللہ، میرا پڑوسی یوحنا رات کو اپنی بکریاں چراتا تھا، وہ میرے کھیت میں پڑیں اور سب کھیت چَر گئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ایلیا کے باغ میں جا کر بکریاں انگور کے خوشے کھا گئی تھیں اور تلف کر ڈالے تھے۔

داود علیہ السلام نے یوحنا سے پوچھا، اُس نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔ داود علیہ السلام نے حکم فرمایا، کہ اپنی بکریاں ایلیا کو دے دے۔ اور یہ حکم اس لیے فرمایا کہ آپ کی شریعت میں اسی طرح حکم تھا۔ جب وہ دونوں عدالت سے باہر آئے اور اِس قصے کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا، تو وہ دارُ القضاء کے اندر چلے آئے اور اپنے والد سے عرض کی، اگر اس کے سوا اور کچھ حکم ہوتا، تو اولیٰ اور انسب تھا۔ داود علیہ السلام نے پوچھا، کہ کس طرح حکم کرنا چاہیے۔ سلیمان علیہ السلام نے عرض کی، کہ بکریاں ایلیا کو سپرد کرنا چاہیے، کہ اُن سے نفع حاصل کرے اور دودھ، گھی اور اُس کے بالوں سے فائدہ اٹھائے۔ اور باغ۔۔یا۔۔کھیت، یوحنا کو دینا چاہیے، کہ محنت کر کے جیسا پہلے تھا ویسا ہی تیار کر دے۔ جب انگور کے خوشے لگیں۔۔یا۔۔کھیت تیار ہو جائے، تو ایلیا کو سپرد کر کے اپنی بکریاں لے لے، تا کہ دونوں میں کوئی بے نصیب نہ رہے۔ داود علیہ السلام نے پھر اسی طرح حکم فرمایا۔

اِس مقام پر اچھی طرح یہ ذہن نشین رہے، کہ اُس زمانے میں حکم اِسی طرح تھا جو داود علیہ السلام نے دیا تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر وحی بھیجی۔ اِس وحی نے وہ پہلا حکم منسوخ کر دیا اور حضرت داود علیہ السلام پہلا حکم منسوخ ہو جانے پر جب مطلع ہوئے، تو یہ دوسرا حکم انہوں نے نافذ فرمایا۔ اِسی حقیقت کو واضح فرمانے کے لیے ارشادِ ربانی ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ

تو ہم نے سمجھا دیا معاملہ سلیمان کو۔ اور سب کو دے رکھا تھا ہم نے حکومت و علم۔ اور قابو میں کر دیا ہم نے

دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾

داوٗد کے ساتھ پہاڑوں کو کہ تسبیح کریں، اور پرندکو۔ اور کرنے والے ہم تھے●

(تو ہم نے سمجھا دیا معاملہ سلیمان کو)۔ (اور)۔ اِن دونوں باپ بیٹے میں (سب کو دے رکھا تھا ہم نے حکومت) یعنی نبوت۔۔یا۔۔حکم کرنا (وعلم)، یعنی امورِ دین کا علم۔۔الختصر۔۔دونوں ہی نبوت

وحکومت وعلم والے تھے۔

تو مذکورہ معاملے میں ابتداءً دونوں کا اختلاف اجتہادی تھا،لیکن جب وحیٔ الٰہی سے فکرِ سلیمانی کی توثیق ہوگئی،تو پھر دونوں کا وہی فیصلہ قرار پایا،جس کی وضاحت اوپر کی جاچکی ہے۔حضرت داود علیہ السلام کی بلندوبالاشان کے تعلق سے حق تعالیٰ ارشادفرماتا ہے۔۔۔

(اور قابو میں کردیا ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں کو، کہ تسبیح کریں اور) مسخر کردیا ہم نے اُن کے واسطے **(پرندکو)**، کہ خدا کی تسبیح وتقدیس میں اُن کا ساتھ دیتے رہیں۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ حضرت داود کا ذوق وشوق تازہ کرنے کے لیے آپ کو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سنادیتا تھا۔۔بلکہ۔۔لوگ جس طرح داود علیہ السلام سے ذکرِالٰہی سنتے تھے،اُسی طرح پہاڑوں اور پرندوں سے بھی سنتے تھے۔اور یہ اُن کا معجزہ تھا۔اِس مقام پر یقین کرنے والے مسلمان کو اعتقاد رکھنا چاہیے،کہ پہاڑ اور پرند حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اُسی طرح تسبیح کرتے تھے،کہ سب سننے والے اُن کے حروف اور کلمے سمجھتے تھے،اور قدرتِ الٰہی سے یہ بات عجیب نہیں۔اور یہ عجب ہوبھی کیسے؟اس لیے کہ اِس کے تعلق سے فرمانِ خداوندی۔۔۔

(اور) ارشادِ الٰہی ہے،کہ **(کرنے والے ہم تھے)**۔تو ایسی باتیں ہماری قدرت میں اچنبھے کی بات نہیں،اگرچہ عام لوگوں کے نزدیک عجیب بات ہے۔

حضرت داود کی ذات میں یہ بھی خوبی تھی جس کا ذکر فرمانِ خداوندی۔۔۔

وَعَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِكُمۡ‌ۚ

اور سکھادیا تھا ہم نے انہیں ایک تمہارے کام کے پہناوے کی کاریگری،کہ تمہاری حفاظت کرے تم لوگوں کی جنگ سے،

فَهَلۡ اَنۡتُمۡ شٰكِرُوۡنَ ﴿٨٠﴾

توکیا تم شکر گزار ہو؟●

(اور) ارشادِ الٰہی میں ہے،کہ **(سکھادیا تھا ہم نے انہیں ایک تمہارے کام کے پہناوے کی کاریگری،کہ تمہاری حفاظت کرے تم لوگوں کی جنگ سے)** یعنی ہم نے داود کو تمہارے لیے خاص لباس،یعنی زرّہ بنانا سکھایا،تاکہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے۔**(تو کیا تم شکر گزار ہو؟)** اِس نعمت پر۔

یہ دراصل استفہام کی صورت میں حکم ہے،کہ ایسے لباس پر خدا کا شکر ادا کرو۔اللہ تعالیٰ نے

حضرت داود پر اپنے انعامات کا ذکر فرما کر ان کے فرزند پر جو فضل فرمایا اُس کا ذکر شروع کیا۔۔۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

اور سلیمان کے لیے تیز ہوا کو، کہ چلا کرے ان کے حکم سے اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے

بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿٨١﴾

برکت دے رکھی ہے۔اور ہم ہر چیز کے دانا ہیں●

(اور) فرمایا کہ مسخر کر دیا ہم نے **(سلیمان کے لیے تیز ہوا کو)**۔اُس سخت اور تیز چلنے والی ہوا کی تیزی یہ تھی، کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھا لے جاتی تھی اور ایک دن میں ایک مہینے کی راہ پر پہنچا دیتی تھی۔اور وہ پابند تھی **(کہ چلا کرے اُن کے حکم سے)**، اور اُن کی خواہش کے ساتھ **(اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت دے رکھی ہے)** ولایتِ شام میں۔

ملکِ شام میں جنوں نے حضرت سلیمان کے واسطے ایک شہر بنا رکھا تھا۔صبح کو حضرت سلیمان وہاں سے نکلتے اور تمام عالم کے گرد پھرتے، پھر مغرب کی نماز کے وقت ہوا اُنہیں وہیں لے آتی۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان صبح کو 'تدمر' سے یعنی اُس شہر سے جو جنوں نے آپ کے لیے بنایا تھا نکلتے، اور فارس کے شہر 'اصطخر' میں استراحت کرتے، رات کو 'بابل' میں جاتے دوسرے دن 'بابل' سے نکل کر چاشت کے وقت 'اصطخر' میں ہوتے، اور شام کے وقت 'تدمر' میں واپس آجاتے۔

(اور ہم ہر چیز کے دانا ہیں)۔اِسی لیے ہم اپنی حکمت اور علم کے مطابق ہر شے کا اِجراء کرتے ہیں۔

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ

اور کچھ شیطان تھے کہ غوطے لگاتے اُن کے لیے، اور دوسرے کام کرتے۔

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٨٢﴾

اور ہم سب کے نگراں تھے●

(اور) ساتھ ہی ساتھ **(کچھ شیطان تھے)** جنہیں ہم نے سلیمان کے واسطے مسخر کر دیا جو **(کہ غوطے لگاتے)** دریاؤں میں **(اُن کے لیے)** نفیس چیزیں نکالنے کے لیے۔**(اور)** اُس کے سوا

بھی (دوسرے کام کرتے)۔۔مثلاً: مکان بنانا اور عجیب وغریب مصنوعات تیار کرنا۔ (اور ہم سب کے نگراں تھے) یعنی ہم اُن دیووں کے لیے نگہبان تھے، تاکہ یہ حضرت سلیمان سے سرکشی اور بغاوت نہ کرسکیں، اور آپ کے حکم سے باہر نہ ہوجائیں۔۔یا۔۔ یہ شیاطین اپنی فطرت کے مطابق زمین پر فساد نہ برپا کریں۔

وَاَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۸۳﴾ۚ

اور ایوب نے جب پکارا اپنے رب کو کہ "پہنچا ہے مجھے دکھ، اور تُو سب رحم والوں سے بڑھ کر رحم والا ہے" ●

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ چھٹا قصہ ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے میں جو دلائل اور نصیحت آموز باتیں ہیں، وہ کسی اَور قصے میں نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل عظیم کرنے کے باوجود، اُن کو بیماری میں مبتلا کیا، اور اُن پر بہت سخت بیماری نازل کی۔ انہوں نے اس بیماری پر صبر کیا اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے۔ اور اِس میں انسانوں کے لیے یہ نصیحت ہے کہ غم ہو۔۔یا۔۔خوشی، ہر حال میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ مصائب پر صبر کرے اور نعمتوں پر شکر کرے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب نامہ یہ بیان کیا گیا ہے۔ ایوب بن موص بن زراح بن العیص بن اسحاق ابن ابراہیم الخلیل النبی۔ حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بستی 'حران' کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ بستی دمشق کے نشیبی علاقوں میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرتِ اموال واولاد سے نوازا۔ منقول ہے، کہ آپ کے سات صاحبزادے اور سات صاحب زادیاں تھیں، اور جانوروں کا تو شمار نہ تھا۔

آپ پر ابلیس ملعون نے حسد کر کے کہا، کہ اَے الٰہ العالمین! یہ تیرا بندہ عیش اور خیر وعافیت میں ہے اور بہت مال رکھتا ہے، اور اس کی نیک اولاد بھی بکثرت ہے، اگر مال واولاد چھین کر اُسے بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے، تو وہ بہت جلد تیری راہ سے پھر جائے گا، اور ناشکری کرے گا۔

اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تُو غلط کہتا ہے، کیونکہ وہ میرا پسندیدہ بندہ ہے۔ اگر میں اُسے ہزاروں بلاؤں میں مبتلا کردوں، تب بھی وہ امتحان میں کامیاب ہوگا۔ شیطان کی خام خیالی کو ظاہر فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں ڈال دیا، کہ تمام اونٹ

بجلی سے اُڑا دیے، اور تمام بکریاں سیلاب میں بہا دیں، کھیتی ہوا کی نذر ہوگئی، اولاد دیوار کے نیچے دب کر مرگئی۔ جسم مبارک پر زخم ہوگئے۔ سوائے ایک بیوی کے، باقی تمام لوگوں نے آپ سے علیحدگی اختیار کرلی۔

ایوب علیہ السلام اِس آزمائش میں اٹھارہ[١٨] سال۔۔یا۔۔ سات سال سات ماہ سات دن سات گھڑیاں مبتلا رہے۔ ایک بار آپ کی زوجہ رحمت بنت افراہیم بن یوسف علیہ السلام نے عرض کی، کہ آپ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے صحت و عافیت کی دُعا مانگیے۔ آپ نے فرمایا عیش و عشرت اور آرام میں کتنی زندگی گزاری؟ بی بی صاحبہ نے کہا اَسّی[٨٠] سال۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم و حیاء آتی ہے، کیونکہ آرام کی زندگی کے مقابلے میں دکھ کی زندگی تھوڑی ہے، اگر عرض کروں تو ناموزوں بات ہے۔

ہر سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آواز آتی، اَے ایوب! کیا حال ہے؟ تو ایوب علیہ السلام شوق و ذوق سے ٹھنڈی سانس کھینچ کر عرض کرتے، کہ اَے مولیٰ کریم! آپ کے دیے ہوئے تحفے سے خوش ہوں۔ اِس مقام پر بہت سارے مفسرین نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے تعلق سے اسرائیلی روایات کو شامل تفسیر کرلیا ہے۔ اور آپ کے جسم مبارک میں کیڑے پڑنے کی بات کی ہے، اور آپ کو ایسی بیماری میں مبتلا ظاہر کیا، جس کی وجہ سے لوگوں کو آپ کے قریب جانے سے گھن آئے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ساری باتیں صحیح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو، اور وہ اُس سے گھن کھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ "یہ سب ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں"۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت ایوب پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی، لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اِس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں۔ صرف اُن کی اولاد اور اُن کے مال مویشی کے مرجانے اور اُن کے بیمار ہونے پر صبر کا ذکر ہے۔

اِس مقام پر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ انبیاءِ کرام کو ایسی بیماری۔۔یا۔۔ ایسے حال میں مبتلا فرمانا، جو اُن کے فرائضِ نبوت اور دعوت و تبلیغ کی ادائیگی میں رکاوٹ بنے، خداوندی حکمت و مصلحت کے خلاف ہے۔۔قصہ مختصر۔۔ جب حضرت ایوب کی آزمائش مکمل کی جاچکی اور وہ اپنے اختتام کو پہنچنے والی ہوئی، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئے، اور آپ کو خاموش دیکھ کر پوچھا، کیوں چپ بیٹھے ہو؟ وہ بولے چپ نہ رہوں اور صبر

نہ کروں تو کیا کروں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کے خزانے میں بلائیں بہت ہیں، تم ان کی طاقت نہیں رکھتے، تو خدا سے عافیت اور صحت چاہو۔

تو اَے محبوب! وہ قصہ (اور) واقعہ ذہن میں حاضر کرلو (**ایوب نے جب پکارا اپنے رب کو**)، شکوہ وشکایت کے طور پر نہیں، بلکہ بشریت کے عجز اور ضعف کو ظاہر فرمانے کے لیے، (**کہ**) **پروردگارا (پہنچا ہے مجھے دُکھ)**۔

اِس دکھ کے تعلق سے بہت سارے اقوال ہیں:

﴿١﴾۔۔شیطان کے طعن سے انہیں بہت رنج پہنچا، اِس واسطے کہ شیطان نے اُن کے پاس آ کر کہا تھا، کہ تم میرا سجدہ کرو، تو میں تمہیں بَلاء سے نکال دوں۔ اُس وقت حضرت ایوب علیہ السلام نے شیطان کی ضرر رسانی کی شکایت کی، اپنے رنج ومصیبت کی شکایت نہیں کی۔

﴿٢﴾۔۔جو لوگ ایوب علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اُن میں سے بعض نے کہا تھا، کہ اگر اُن میں کچھ بھلائی ہوتی، تو اِس بَلاء میں مبتلا نہ ہوتے۔ اِس سخت کلام نے اُن کے دِل کو زخمی کردیا۔ اور اُنہوں نے جنابِ الٰہی میں اپنی اِس تکلیف کو پیش کردیا۔

﴿٣﴾۔۔فرض نماز اور عرضِ نیاز کے واسطے کھڑے نہ ہوسکتے تھے۔ لیکن زبان کلمہ، توحید وتمجید سے تر رہتی تھی، تو ہوسکتا ہے کہ اُنہیں اندیشہ ہوگیا ہو، کہ کہیں ضعفِ بدن اپنی انتہاء کو نہ پہنچ جائے، کہ زبان بھی حرکت نہ کرسکے اور پھر یہ مبارک کلمے ادا نہ ہوسکیں، تو ایسے وقت کے آنے سے خوف زدہ ہوکر بارگاہِ الٰہی میں اپنی عرض پیش کردی، کیونکہ یہ خیال ہی اُن کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔

﴿٤﴾۔۔اُن کی زوجہ کمالِ تہی دستی اور بے چارگی کی وجہ سے اپنا گیسو بیچ کر اُن کے واسطے کھانا لائیں۔ اِس حال سے مطلع ہوکر آپ عرض کر پڑے، کہ اَے پروردگار اِس واقعہ سے مجھے بے حد تکلیف پہنچی۔

﴿٥﴾۔۔ہر صبح کو کسی فرشتے اور انسان کے واسطے کے بغیر بارگاہِ کبریا سے یہ خطابِ مستطاب حضرت ایوب علیہ السلام کو پہنچتا تھا کہ "اَے ہمارے بیمار کیسا ہے؟" اور ایوب علیہ السلام اس پرسش کے ذوق وشوق میں وہ بَلا کا پہاڑ جان پر اُٹھائے ہوئے تھے، اور اِس بیماری میں خوش رہتے۔ جس دن صحت ہونے لگی، اُس صبح اِس خطاب کے تحفے سے

سرفراز نہیں ہوئے، تو فریاد کی اَے میرے رب مجھے اِس بات سے تکلیف پہنچی، کہ آج اُس خطابِ روح افزاء اور دِل افروز کے سننے سے محروم رہا۔

اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے خدا سے شکایت کی تھی ۔۔لیکن۔۔خدا کی شکایت نہیں کی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ اگر اپنے مولیٰ سے اپنی تکلیف بیان نہیں کرے گا، تو کس سے کرے گا۔ تو انہوں نے اپنے مولیٰ سے شکایت کی تھی، لیکن اپنے مولیٰ کی شکایت نہیں کی تھی، کہ اُس نے اُنہیں اِس حال میں کیوں رکھا؟۔۔الغرض۔۔ حضرت ایوب کا عمل صبر وتوکل کے خلاف نہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے کلام ہی سے ظاہر فرمادیا، کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے، وہ میرے رب کی طرف سے ظلم وزیادتی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اُس کے رحم وکرم کا تقاضا ہے، کہ سخت سے سخت تر آزمائش لے کر عظیم و عظیم تر مقام کے لائق بنادیا۔

یہ حضرت ایوب کی بشریت تھی، جس نے اپنی تکلیف کا احساس کیا (اور) یہ آپ کی روحانیت تھی جو بول پڑی، کہ پروردگارا (تُو سب رحم والوں سے بڑھ کر رحم والا ہے)، اس لیے کہ تُو اپنے بندوں پر بغیر کسی غرض کے رحم فرماتا ہے۔ تیرا مطلوب نہ کسی ضرر سے بچنا ہوتا ہے، اور نہ ہی کسی فائدے کا حصول ہوتا ہے۔

ویسے بھی جو بھی رحم کرتا ہے اور جس چیز کے ذریعہ رحم کرتا ہے، وہ خود بھی اور اس کی وہ چیز بھی، سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو اگر غور سے دیکھا جائے، تو حقیقت میں خدا کے سوا کوئی دوسرا رحم کرنے والا ہی نہیں۔ جتنے رحم کرنے والے ہیں سب اُسی **اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ** کے رحم وکرم کے مظاہر ہیں۔ ظاہر ہے کہ بندہ کسی پر اُسی وقت رحم کرتا ہے، جب اُس کے دل میں رحم کرنے کا محرک، باعث اور داعی پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ محرک اور داعی بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے، پھر بندے نے کیا رحم کیا؟ سب کچھ اللہ نے کیا ہے۔ اِسی لیے حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، کہ تُو سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔۔الغرض۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے، جب ایوب علیہ السلام نے دُعا کی۔۔۔

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّاٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ

تو قبول فرمالیا ہم نے اِسے، تو دُور کردیا ہم نے جو انہیں دکھ تھا، اور دیا ہم نے انہیں اُن کے اہل وعیال کو، اور اتنے ہی

رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ ﴿۸۴﴾

اُور رحمت فرماتے ہوئے اپنی طرف سے، اور درس اپنے پجاریوں کے لیے●

(تو قبول فرمالیا ہم نے اُسے، تو دُور کر دیا ہم نے جو انہیں دکھ تھا) یعنی رنج اور بیماری سے ہم نے اُن کو شفاء دے دی۔ **(اور دیا ہم نے اُنہیں اُن کے اہل وعیال کو)**، یعنی پہلا کنبہ جو بطورِ آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا، اُسے زندہ کر دیا گیا۔ **(اور)** مزید برآں **(اُتنے ہی اور)**، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے سے زیادہ مال اور اولاد سے اُنہیں نواز دیا، جو پہلے سے دُگنا تھا، **(رحمت فرماتے ہوئے اپنی طرف سے)**۔ یعنی یہ کام ایوب علیہ السلام کے ساتھ ہم نے کیے، تو اپنی طرف سے اُس کو رحمت اور انعام پہنچانے کے واسطے کیے۔ **(اور درس اپنے پجاریوں کے لیے)**، یعنی عبادت کرنے والوں کی نصیحت کے واسطے، کہ جس طرح ایوب علیہ السلام نے صبر کیا، یہ بھی صبر کریں۔ اور جس طرح سے اُنہوں نے بدلا پایا، یہ بھی پالیں۔

اب آگے انبیاء علیہم السلام کا ساتواں قصہ بیان فرمایا جارہا ہے۔۔۔

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَذَا الۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۸۵﴾

اور اسماعیل وادریس وذوالکفل۔ سب صبر والے تھے●

اِس سے پہلی آیتوں میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا ذکر فرمایا تھا، اور اِن آیتوں میں حضرت اسماعیل، حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ یہ حضرات بھی سختیوں، مصائب اور عبادت کی مشکلات پر صبر کرنے والے تھے۔ رہے حضرت اسماعیل علیہ السلام، تو انہوں نے اپنے والد کے حکم پر ذبح کیے جانے کو صبر کے ساتھ تسلیم کیا، اور اُن کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو غیر آباد بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے، اِس پر انہوں نے صبر کیا جہاں پر نہ ایسے مویشی تھے جن کا دودھ دوہا جاسکے اور نہ کھیت باغات تھے، جن سے زمین کی پیداوار حاصل کی جاسکے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر وسکون کے ساتھ اُس جگہ رہتے رہے اور صبر کے ساتھ ہی اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِس صبر کا یہ پھل عطا فرمایا، کہ قائد المرسلین اور خاتم النبیین حضرت سیدنا محمد ﷺ کو آپ کی صلب سے پیدا فرمایا۔۔۔

(اور) اَے محبوب! یاد کرو **(اسماعیل وادریس وذوالکفل)** کے قصوں کو، **(سب صبر والے تھے)**۔

حضرت اسماعیل کے صبر کا اوپر ذکر ہو چکا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے درس وتدریس پر

صبر فرمایا، اور مدتِ دراز تک قوم کی بَلاء اور مصیبت پر صبر کیا۔ حضرت ادریس کی قوم نے اُن کے پیغامِ توحید کو قبول کرنے سے انکار کردیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہلاک کردیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اٹھالیا۔ اور ذوالکفل نے اُن کاموں پر صبر کیا جس کے متکفل ہوئے تھے، یعنی صیام النہار اور قیام اللیل اور حکومت میں لوگوں کی اذیتوں پر صبر فرمایا، کبھی بھی اُن پر خفا نہ ہوتے۔ اُن کے صبر وشکر کا نتیجہ۔۔۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾

اور لے لیا ہم نے انہیں اپنی رحمت میں، کہ بلاشبہ وہ لیاقت مندوں سے تھے●

(اور) ثمرہ اُن کے حق میں یہ نکلا، کہ (**لے لیا ہم نے انہیں اپنی رحمت میں**) نبوت عطا فرما کر۔ ۔۔یا۔۔ یہاں رحمت سے مُراد آخرت کی نعمتیں ہیں، جس کے یہ سب بجا طور پر سزاوار ہیں۔ اُن کے ساتھ یہ مہربانی اس لیے کی گئی، کیوں (**کہ بلاشبہ وہ لیاقت مندوں سے تھے**)، یعنی فرمانبرداروں میں تھے۔

حضرت ذوالکفل کے تعلق سے ایک روایت یہ ہے، کہ انبیاءِ بنی اسرائیل میں سے ایک نبی پر وحی آئی، کہ میں چاہتا ہوں کہ تیری روح قبض کروں، یعنی تیری روح کے قبض کرنے کا وقت قریب آچکا ہے، تُو اپنا ملک بنی اسرائیل پر پیش کر، کہ جو کوئی اِس کا پابند ہو کہ رات کو نماز پڑھے، فتور نہ کرے، دِن کو روزہ رکھے، افطار نہ کرے، لوگوں میں حکم جاری کرے اور غصہ نہ کرے، اُسے تُو اپنی بادشاہی سپرد کردے۔ جب اُن پیغمبر صاحب نے یہ بات بنی اسرائیل پر ظاہر کی، تو ایک جوان اُس قوم میں اٹھا اور بولا کہ "میں کفالت کرتا ہوں تیرے واسطے اِس بات کی"، تو پھر اُن پیغمبر علیہ السلام نے ملک اُس جوان کے سپرد کردیا، اور اُس نے وعدہ وفا کیا۔ پیغمبری کا خلعت پایا، تو حق تعالیٰ نے اُسے ذوالکفل کہا، جو تاحیات قوم کی طرف سے کی گئی زیادتیوں پر صبر کرتے رہے، اور کسی پر غصہ نہیں ہوئے۔

اب حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا۔ یہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا آٹھواں قصہ ہے۔ آپ کا ذکر سورۂ یونس میں بھی آچکا ہے۔ اب یہاں یہ فرمایا جارہا ہے، کہ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی

اور ذوالنون، جب کہ چل پڑے تھے غصے میں بھرے، پھر خیال کیا، کہ ہم تنگی نہ ڈالیں گے اِن پر، پھر پکارا

فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

اندھیریوں میں کہ "نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا تیرے، پاکی ہے تیری۔ بے شک میں بے جا کرنے والوں سے تھا"●

(اور) ذکر کرو (ذوالنون) یعنی مچھلی والے یونس علیہ السلام **کا (جب کہ چل پڑے تھے غصے میں بھرے)** اپنی قوم پر، اس واسطے کہ قوم نے اُن کی دعوت قبول نہیں کی تھی۔

بعض اہلِ علم وعرفان کا قول یہ ہے کہ جانے میں اپنے نفس پر اُنہوں نے غصہ کیا، اس واسطے کہ اُن کے جانے کے واسطے حکمِ الٰہی صادر نہیں ہوا تھا۔ اور بعضوں نے کہا کہ اُنہوں نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا، جب وعدے کا وقت آیا، تو عذاب آنے میں دیر ہوئی، سمجھے کہ قوم کے لوگ اُنہیں جھوٹا جانیں گے، تو اپنی امت میں سے نکل گئے۔

(پھر خیال کیا)، یعنی اُن سے اس شخص کا سا کام صادر ہوا، جو گمان کرتا ہے **(کہ ہم تنگی نہ ڈالیں گے اُن پر)**۔

حضرت یونس نبی معصوم تھے، اُن سے ایسا فعل صادر ہونا محال ہے۔ اسی لیے انہیں اُس شخص جیسا قرار دیا گیا، جو ایسے وقت ایسا گمان کرے۔ مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم سے ناراض ہو کر بحرِ روم کی طرف چلے، تو کشتی پار جانے کے لیے تیار تھی، آپ بھی لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئے۔ جوں ہی کشتی دریا کے درمیانی حصے میں پہنچی تو رُک گئی۔ نہ آگے ہوتی تھی، نہ پیچھے ہٹتی تھی۔ ملاحوں نے کہا، کہ یہاں کوئی نافرمان اور گنہگار اور اپنے آقا سے بھاگا ہوا انسان بیٹھا ہے۔ جب تک وہ یہاں ہے، کشتی نہیں چلے گی۔ اور ہماری عادت ہے کہ ہم پردہ فاش نہیں کرتے، بلکہ قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ جس کے نام کا قرعہ نکلے اُسے دریا میں پھینک دیتے ہیں۔

تین ۳ بار قرعہ ڈالا گیا، ہر بار یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ آپ نے فرمایا، وہ عاصی و آبق بندہ میں ہی ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا دی۔ آپ کو مچھلی نے لقمہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا، کہ میرے اِس پیارے بندے کو بال برابر بھی ضرر نہ پہنچانا، اس لیے کہ میں نے تیرے پیٹ کو اُس کے لیے قید خانہ بنایا ہے، یہ تیرا لقمہ نہیں ہے۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت یونس علیہ السلام قرعہ اندازی کے بعد دریا میں مچھلی کے پیٹ کے اندر جب پہنچے۔۔ تو۔۔۔

(پھر پکارا اندھیریوں میں) یعنی ایک دریا، دوسرا مچھلی کا پیٹ، اور تیسرے رات کی تاریکی۔۔ المختصر۔۔ انہوں نے اِن تاریکیوں میں ندا کی، **(کہ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل، سوا تیرے)**۔ اور کوئی

تیرے سوا ایسا معبود نہیں، جو اِن ظلمات سے میری حفاظت کر کے مجھے اُن کی آفات سے بچالے۔ اور مجھے الہام کے ذریعے بتائے، کہ اِس سخت مقام پر اُسے یاد کروں۔ **(پاکی ہے تیری)**، یعنی میں تیری شان کے لائق تیری تنزیہہ بیان کرتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ تجھے کوئی شے عاجز نہیں کرسکتی، اور مجھے یقین ہے کہ میری آزمائش بھی کسی سبب ہی سے ہے۔ **(بے شک میں بے جا کرنے والوں سے تھا)**۔ اپنے نفس کو ہلاکت میں میں نے خود ڈالا، جو جدا ہونے اور ہجرت کرنے میں جلدی کی۔

حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مچھلی کے پیٹ ہی میں مشاہداتِ ربّانی نصیب ہوئے، تو آپ کو وہی مقام اچھا لگا اور جی چاہا کہ یہیں پر رہ جائیں کیونکہ دُنیا میں ایسے جلوے کہاں۔ لیکن پھر جلوے اُن سے پوشیدہ ہوئے، تو حضرت یونس علیہ السلام کو گھبراہٹ ہوئی، تو نجات کے لیے دُعا مانگی۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مچھلی کے بطن کی وحشت سے نجات عطا فرمائی۔۔ چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ جب یونس نے دُعا کی اور زیادتی کی نسبت اپنی طرف کی۔۔نیز۔۔اپنی عبدیت وعاجزی کا اظہار کیا۔۔۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

تو ہم نے قبول فرمالیا اِس پکار کو، اور بچالیا اُن کو غم سے۔ اور اِسی طرح بچالیتے ہیں ہم اپنے ماننے والوں کو●

(تو ہم نے) اُسے سعادتمندانہ اعتراف پر، نہایت الطف طریق سے **(قبول فرمالیا)** یونس علیہ السلام کی **(اُس پکار کو)**، یعنی اُن کی دُعا کو، **(اور بچالیا اُن کو غم سے)**، یعنی مچھلی کے نگل جانے اور دریا میں رہنے کے غم سے انہیں نجات دے دی۔۔ چنانچہ۔۔ہم نے مچھلی کو حکم دے دیا اور اُس نے دریا کے کنارے انہیں اُگل دیا۔ **(اور اِسی طرح)** یعنی جس طرح یونس علیہ السلام کو ہم نے غم سے نجات دی، **(بچالیتے ہیں ہم اپنے ماننے والوں کو)** اور انہیں غم سے نجات دے دیتے ہیں۔

مچھلی اور دریا کا قصہ سورۂ صافات میں مفصل آتا ہے۔ اب آگے انبیاء علیہم السلام سے متعلق نواں قصہ ہے، جس میں حضرت زکریا کا ذکر ہے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ ۚۖ

اور زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو کہ "پروردگار مت چھوڑ مجھے لاوارث، اور تو سب سے بہتر وارث ہے"●

اَے محبوب! یاد کرو **(اور)** ذکر کرو **(زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو، کہ پروردگار مت چھوڑ مجھے لاوارث)**۔ تو مجھے ایک فرزند عطا فرما، جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو۔

جب زکریا علیہ السلام کی عمرِ مبارک ایک سو بیس[۱۲۰] سال اور آپ کی زوجۂ محترمہ کی ننانوے[۹۹] سال پہنچی، تو اتنا طویل عرصہ اولاد نہ ہونے کے باعث اُنہیں اولاد کی خواہش ہوئی، تا کہ اُس سے جی بہلائیں اور دُنیوی اور دینی امور میں تقویت حاصل ہو، اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی اولاد اُن کی مسند نشیں ہو۔ اِسی لیے سوال ایسے لہجے میں کیا کہ "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے،" کا ثبوت تھا۔

(اور) یہ اس لیے، کہ **(تُو سب سے بہتر وارث ہے)** جو کسی کے مرنے کے بعد باقی رہے۔ تو اگر تُو مجھے وارث نہ دے گا، تو بھی کچھ پرواہ نہیں۔

اِس سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا مطلوب ہے، کہ وہ تمام مخلوق کے فنا کے بعد بھی باقی رہے گا اور تمام زمین وآسمان اُس کی ملک ہیں۔۔القصہ۔۔حضرت زکریا کی دُعا کو رب تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ جب میرے بندے زکریا نے فرزند کے لیے دُعا کی۔۔۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

تو ہم نے اِسے قبول فرمالیا اور بخش دیا انہیں یحییٰ۔ اور اُن کے لائق کر دیا ہم نے اُن کی بی بی کو۔ بے شک یہ لوگ

يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰

جلدی کرتے تھے نیکیوں میں۔ اور پکارتے تھے ہمیں خوشی خوشی، اور کانپتے ڈرتے، اور تھے ہمارے سامنے گڑگڑانے والے ●

(تو ہم نے اُسے قبول فرمالیا اور بخش دیا اُنہیں یحییٰ) نام کا ایک فرزند، کہ اُس کے سبب سے دین زندہ ہوگیا۔

وہ جب تک باحیات رہے، آپ کے اور آلِ یعقوب کے جانشین بن کر ایک سچے وارث کا کردار انجام دیتے رہے۔۔المختصر۔۔حضرت زکریا نبی تھے اور نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے، تو قرآنی تصریح کے مطابق آپ کی دونوں دُعائیں قبول ہوگئیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں فرزند بھی عطا کیا اور اُس فرزند کو اُن کے فریضے کی ادائیگی میں معاون ومددگار بھی بنایا۔۔چنانچہ۔۔ جب تک وہ باحیات رہے آلِ یعقوب کی جانشینی کا حق ادا کرتے رہے۔

ایک مورث کے وصال کے بعد وارث کا جو کردار ہوتا ہے، وہ مورث کی حیات ہی میں حضرت یحییٰ نے کر دکھایا۔۔لہٰذا۔۔اِس مقام پر یہ کہنا مناسب نہیں، کہ وراثت کے حق میں

زکریا علیہ السلام کی دُعا قبول نہ ہوئی، اس لیے کہ یحییٰ علیہ السلام اپنے والدِ گرامی سے پہلے شہید کردیے گئے۔

حضرت زکریا کی دُعا صرف لائق وفائق معین ومددگار فرزندِ صالح کے لیے تھی، وہ قبول ہوگئی۔۔ چنانچہ۔۔اب وہ لاولد نہیں رہ گئے۔رہ گیا اپنے بعد اُس فرزند کے باقی رکھنے کا معاملہ، تو **اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ** فرما کر اُس سے اپنی بے پرواہی کا اظہار فرما کر، مرضیٔ خداوندی کے سپرد کردیا تھا۔اس لیے کہ اپنے بعد کی وراثت والا معاملہ اُن کا خاص مطلوب ومقصود نہیں تھا، بلکہ اُن کی دُعا صرف ایسے فرزندِ صالح سے متعلق تھی، جو جب تک رہے پیغمبرانہ شان سے رہے جسے آلِ یعقوب کی امانتِ علمی ودینی کا محافظ وامین کہا جاسکے۔اور بے شک ان کی یہ دُعا قبول ہوگئی۔

یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، وہ اِس فقیر کے ذہن کی بات ہے۔اگر یہ صحیح ہے، تو فضلِ خداوندی ہے اور اگر غلط ہے، تو خود اِس کے نفس کا دھوکا ہے، مولیٰ تعالیٰ معاف فرمائے۔اس طرح کے سوالات کے جواب میں یہ بات بھی کہی گئی ہے، کہ "اگرچہ انبیاء مستجاب الدعوات ہوتے ہیں لیکن اُن کی بعض دُعاؤں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے"۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کو فرزند بخش دیا۔۔۔

(**اور اُن کے لائق کردیا ہم نے اُن کی بی بی کو**)، یعنی اُن کی خواہش پوری کرنے کے لائق اور بچہ جننے کے قابل بنادیا۔۔حالانکہ۔۔وہ بانجھ تھیں اور ننانوے ۹۹ سال کو پہنچ چکی تھیں، اور اس سِن میں اُن میں بچہ جننے کی صلاحیت تک نہ رہی تھی۔

ایک قول یہ بھی ہے، کہ آپ کی زوجہ ایشاع بنت عمران پہلے بدخلق تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش اخلاق بنادیا، تو اب ارشادِ ربانی کا حاصل یہ ہوا کہ "ہم نے زکریا کی زوجہ کو زکریا کے واسطے خوش اخلاق کردیا جو پہلے بدخلق تھیں"۔

(**بے شک یہ لوگ**) یعنی سارے پیغمبر جن کا ذکر ہوا (**جلدی کرتے تھے نیکیوں میں**) یعنی اُن پیغمبروں پر جو اللہ تعالیٰ کے انعامات ہوئے ہیں، اُن کے شکر میں ہر طرح کی نیکیوں میں سبقت کرتے تھے اور جو اصل نیکیاں اُن سے مطلوب تھیں اُن پر وہ ثابت قدم تھے۔(**اور**) اُن کا حال یہ رہتا تھا، کہ (**پکارتے تھے ہمیں خوشی خوشی**) ثواب اور ہمارے لطف وجمال کی طرف رغبت کرتے ہوئے۔(**اور کانپتے ڈرتے**) ہمارے عذاب وقہر وجلال سے۔(**اور تھے**) تواضع وعجز ونیاز سے (**ہمارے سامنے**

گڑگڑانے والے)،فروتنی کرنے والے اور حکم ماننے والے۔۔یا۔۔نیاز مند۔

بے شک نیاز اُسی کے واسطے چاہیے،اور ناز اُسی پر لائق ہے۔جو کوئی نیاز اُس کے سامنے لے جاتا ہے، وہ اُس نیاز مند کو تونگر کر دیتا ہے۔اور جو کوئی اُس پر ناز کرتا ہے، وہ اُس ناز کرنے والے کو عزت دار بناتا ہے، **كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ** یہ نیاز کا بیان ہے۔اور ''مجھ جیسا کون ہے، کیونکہ میرا معبود رب العرش ہے،'' یہ ناز کے انداز ہیں۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

اور وہ جس نے محفوظ رکھی اپنی پاک بازی،تو نفخ روح فرمایا ہم نے،اور بنادیا انہیں

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾

اور اُن کے بیٹے کو نشانی سارے جہاں کے لیے ●

اِس سورت میں انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متعلقین کا یہ دسواں قصہ ہے۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہے، کہ

اَے محبوب! یاد کرو (اور) ذہن میں حاضر کرلو (وہ) واقعہ، جو اُس پاک طینت عورت سے متعلق ہے (جس نے محفوظ رکھی اپنی پاک بازی)۔اِس سے مراد حضرت مریم بنتِ عمران ہیں، کہ انہوں نے اپنے کو پاک رکھا اور اُن کے دامنِ عصمت تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا، (تو نفخ روح فرمایا ہم نے)۔یعنی ہم نے جبرائیل کو حکم کیا اور انہوں نے پھونک دی، اُن کے پیراہن میں۔۔یا۔۔شکم میں اُس روح میں سے، جو ہمارے حکم سے ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جاری کردی ہم نے اُس میں مسیح 'علیہ السلام' کی روح۔(اور بنادیا انہیں) یعنی اُن کے قصے کو (اور اُن کے بیٹے) کے حالِ (کو نشانی)، یعنی دلیل اور علامت (سارے جہاں کے لیے)۔یعنی جب اُن کے احوال میں اہلِ عالَم غور وفکر کریں، تو اُن پر یہ بات صاف کھل جائے، کہ فقط روح پھونکنے کے باعث بزرگ پاک دامن عورت سے بے باپ کے بیٹا پیدا ہونا صانعِ حکیم قدیم جل جلالہ کے کمالِ قدرت پر دلالت کرتا ہے۔مذکورہ بالا انبیاءِ کرام کے حالات شاہد عدل ہیں، کہ۔۔۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾

''بے شک یہ تمہارا دین، ایک ہی دین ہے۔اور میں تم سب کا رب ہوں، تو میری عبادت کرو'' ●

(اور حرام ہے اُس آبادی) والوں (پر جس کو ہم نے برباد کر دیا ہے کہ وہ لوگ اب یہاں) یعنی دُنیا میں (نہ واپس ہوں گے)۔ یعنی جو لوگ ہلاک ہو گئے اپنے اعمال کی درستی کے واسطے دُنیا میں پھر آنا اُن پر حرام ہے۔

اِس آیت کا یہ بھی معنی کیا گیا ہے، کہ ہلاک ہو جانے والوں پر یہ بات حرام اور ممتنع ہے، کہ حساب کے واسطے محشر کی طرف رجوع نہ کریں۔ بلکہ ضرور آئیں گے اور اُن کا حساب کیا جائے گا۔ پہلا قول یعنی **لَا** کا زاید ہونا بہت مشہور ہے۔ اِس واسطے کہ اِس عالَم کی طرف انہیں رجوع نہ ہوگی۔ اور اُن شقیوں پر قبروں میں عذاب ہوتا رہے گا۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ

یہاں تک کہ جب کھول دیے گئے یاجوج وماجوج، اور وہ

مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہر ٹیلے سے ڈھلکیں گے ●

(یہاں تک کہ جب کھول دیے گئے یاجوج وماجوج) یعنی اُن کی آڑ ہٹا دی گئی۔

یہ قیامت تک کا اشارہ ہے۔ اس واسطے کہ یاجوج اور ماجوج کی آڑ کا کھل جانا قیامت کی علامت ہے۔

(اور) اُس وقت کا عالَم یہ ہوگا، کہ (وہ ہر ٹیلے سے ڈھلکیں گے)۔ وہ بے شمار ہوں گے، تو جب کسی بلندی سے نیچے کی طرف آئیں گے، تو ایسا لگے گا کہ آدمیوں کا سیلاب آ گیا ہے۔ وہ ہر چیز پر بے تحاشا جھپٹیں گے۔ ہر طرف دوڑیں گے۔ سب دریاؤں کا پانی پی جائیں گے، اور خشک وتر جو کچھ پائیں گے کھا جائیں گے۔

یہ بات قیامت کی علامتوں میں سے ہوگی، کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے دجّال اور اُس کے تابع لوگ ہلاک ہو جائیں گے، تو یاجوج ماجوج نکل آئیں گے اور اُن کی آڑ کھل جائے گی اور ایمان والوں کو لے کر عیسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چلے جائیں گے۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ یاجوج ماجوج جبل الخمر تک جائیں گے جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم قتل کر چکے، آؤ جو کچھ آسمان پر ہے، اُسے بھی قتل کر ڈالیں اور پھر آسمان کی طرف تیر ماریں گے جو خون آلود واپس ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور

اُن کے ساتھیوں کو دشواری ہوگی، تو وہ دُعا کریں گے۔ پھر حق تعالیٰ دفعتاً یاجوج وماجوج کو ہلاک کردے گا۔

وَاقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبۡصَارُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ

اور نزدیک آ گیا وعدہ حقہ، تو اُس دم پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی آنکھیں کافروں کی۔

یٰوَیۡلَنَا قَدۡ کُنَّا فِیۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۹۷﴾

"ہائے افسوس! ہم غفلت میں پڑے تھے اس جانب سے، بلکہ ہم اندھیر والے تھے"●

یاجوج ماجوج کی آڑ ہٹتے (اور) اُن کے ہلاک ہوتے ہی، (**نزدیک آ گیا وعدۂ حقہ**) یعنی سچا وعدہ، کہ قیامت کو آنا ہے۔ (**تو**) وہاں قصہ یہ ہے، کہ (**اُس دم پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی آنکھیں کافروں کی**)۔ ایسا کھل جائیں گی، کہ اُن میں جھپکنا بھی نہ ہوگا۔۔ الغرض۔۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، اُن میں جھپک بھی پیدا نہ ہوگی، اور اُس وقت وہ کافر کہتے ہوں گے، (**ہائے افسوس، ہم غفلت میں پڑے تھے**) دُنیا میں (**اِس جانب سے**)، یعنی اِس دن اور اِس حال سے۔ (**بلکہ ہم اندھیر والے تھے**) اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، کہ پیغمبروں کی بات ہم نے نہ سنی اور اُن کے ساتھ تکبر اور جھگڑا کرتے رہے۔ تو اَے کافرو! سن لو! اِس ہائے ہائے کرنے سے اب تمہیں کچھ ملنے والا نہیں۔۔ بلکہ۔۔

اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ

"بے شک تم اور تمہارے مِن دونِ اللہ سارے معبود، جہنم کا ایندھن ہیں۔

اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ﴿۹۸﴾

تم اس میں جاؤ گے●

(**بے شک تم اور**) تمہاری تراشیدہ مورتیاں اور تمہارا مرکزِ اطاعت شیطان۔۔ الغرض۔۔ (**تمہارے مِن دونِ اللہ سارے معبود جہنم کا ایندھن ہیں**)، یعنی دوزخ کی آگ بھڑکانے والے ہیں۔ خود بھی جلیں گے اور تمہیں بھی جلائیں گے۔۔ المختصر۔۔ (**تم**) بتوں سمیت دوزخ پر گزرو گے اور (**اُس میں جاؤ گے**)۔ اُس وقت تمہاری نادانی خود تم پر کھل جائے گی، اور تم دیکھو گے کہ جن کو تم پوجتے تھے، وہ تمہارے ساتھ آگ میں جل رہے ہیں۔ اُس وقت تمہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے گا، کہ۔۔۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

اگر یہ معبود ہوتے، تو اِس میں نہ جاتے۔ اور سب اِس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اگر یہ معبود ہوتے، تو اِس میں نہ جاتے)، اِس لیے کہ خدا تو اَوروں پر عذاب کرتا ہے، خود عذاب میں نہیں ڈالا جاتا۔

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ بت جو دوزخ میں لائے جائیں گے اُس میں حکمت یہ ہے، کہ بت پرستوں پر اور زیادہ عذاب ہو۔ اس واسطے کہ بتوں سے اور بھی زیادہ آگ تیز ہو جائے گی اور بت پرست زیادہ جلنے لگیں گے۔

(اور سب) یعنی بت اور بت پرست (اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)، انہیں اُس سے کسی طرح خلاصی نہیں ہے۔۔ نیز۔۔

لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّهُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

انہیں اِس میں گدھے کی چیخ ہے، اور وہ اِس میں سن نہ پائیں گے"●

(انہیں اُس میں گدھے کی چیخ ہے)، یعنی وہ گدھوں کی طرح آواز نکالتے رہیں گے۔ (اور وہ اُس میں سن نہ پائیں گے) کوئی ایسی بات جس سے انہیں خوشی میسر آئے۔

اوپر کے ارشاد میں جن جھوٹے معبودوں کے جہنم رسید ہونے کی بات کی گئی ہے، اُس سے مُراد وہی مورتیاں اور شیاطین ہیں۔ رہ گئے حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تو یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر ہیں اور ملائکہ جو خدا کے محبوب بندے ہیں، اگر چہ مشرکین نے اپنی جہالت کی وجہ سے اُن کو بھی اپنا معبود سمجھ لیا ہے، تو اُن کے پجاری تو جہنم میں ضرور جائیں گے۔ لیکن یہ حضرات تو جہنم تو جہنم ہے اُس کی آواز سے بھی دُور رکھے جائیں گے۔۔ کیونکہ۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

بے شک جن کے لیے پہلے ہو چکا ہماری طرف سے سب سے اچھا انجام، وہ اس سے دُور رکھے جائیں گے"●

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

نہ سنیں گے اِس کی بھنک۔ اور وہ اس میں جس کو انہوں نے چاہا، ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(بے شک جن کے لیے پہلے ہو چکا ہماری طرف سے سب سے اچھا انجام)، یعنی جنہیں نیکی

کی بات ہے۔۔الحاصل۔۔قیامت کا دن ایک عظیم دن ہے۔

۔۔تو۔۔اَے محبوب! یاد کرو اُس دن کو۔۔۔

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ

جس دن کہ لپیٹیں گے ہم آسمانوں کو مثل لپیٹنے سجل کے نوشتوں کو۔ جس طرح کہ ابتدا فرمائی تھی ہم نے پہلی

خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰۴﴾

پیدائش کی، دوبارہ کر دیں گے اُسے، یہ وعدہ ہے ہمارے ذمے، ہم کو ضرور کرنا ہے ●

(جس دن کہ لپیٹیں گے ہم آسمانوں کو مثل لپیٹنے سجل کے نوشتوں کو)، یعنی جس طرح رقعوں پر طومار لپیٹ لیا جاتا ہے، اُسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ لیں گے۔

تو سجل وہ صحیفہ۔۔یا۔۔وثیقہ ہے جس پر حاکم فیصلہ کر کے اپنی مہر لگا دیتا ہے۔۔یا۔۔جس میں کسی معاہدے کو لکھا جاتا ہے۔۔یا۔۔جس میں کسی ملکیت کے انتقال کو لکھ کر اُس پر گواہوں کے دستخط کرائے جاتے ہیں۔۔یا۔۔طلاق لکھ کر اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اُس کو لپیٹ کر ٹین کے گول اور لمبے ڈبے میں حفاظت سے رکھ دیتے تھے۔ پھر اِس کو لکھ کر فائلوں اور رجسٹروں میں محفوظ کیا جانے لگا۔ اور اب اِس کو کمپیوٹر میں فیڈ کر کے اسٹور کر لیتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے، کہ **سِجِلّ** کسی ایک کاتب رسول کا نام تھا۔۔نیز۔۔ایک قول یہ بھی ہے کہ **سِجِلّ** ایک فرشتے کا نام ہے، **كِرَامًا كَاتِبِیْنَ** نامۂ اعمال لکھ کر جب اُسے دیتے ہیں، تو وہ لپیٹ لیتا ہے۔ ویسے پہلے ہی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، کہ **سِجِلّ** سے مراد صحیفہ ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ہم سب کو لپیٹ دیں گے **(جس طرح کہ ابتداء فرمائی تھی ہم نے پہلی پیدائش کی)** اُسی طرح **(دوبارہ کر دیں گے اُسے)**۔ یعنی ہم انہیں مرنے کے بعد ابتداءً لوٹائیں گے، جیسے انہیں عدم سے پہلی بار لوٹایا تھا، کہ اُس وقت نہ کوئی مادّہ تھا نہ کسی کی مدد۔

کلامِ الٰہی کا حاصل یہ ہے، کہ ہم تخلیقِ انسانی پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے کہ اُس کی تخلیق اوّل میں ہم کسی کے محتاج نہیں ہوئے، تو اُس کے مرنے کے بعد لوٹانے میں بھی کسی کی مدد نہیں چاہیں گے۔ اور آخرت میں لوٹانے کا۔۔۔

(یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ، ہم کو ضرور کرنا ہے)۔ یعنی اُس کا پورا کرنا ہمارے ذمۂ کرم میں

ہے۔۔لہٰذا۔۔ہم اُسے پورا کر کے دکھائیں گے۔اور ضرور بالضرور ہم اُسے پورا کریں گے۔یعنی جس طرح ہم نے اُنہیں 'مغفرت' کے واسطے موجود کیا، تو دوبارہ مکافات کے لیے بھی موجود کریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ نکوکاروں کے لیے بہشت بنائی گئی ہے۔۔۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ

اور بے شک لکھا ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد کہ "بے شک اِس زمین کے

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾

وارث ہوں گے میرے لیاقت والے بندے"●

(اور بے شک لکھا ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد) یعنی داودُ علیہ السلام' کی کتاب میں توریت کے بعد، یعنی توریت میں لکھنے کے بعد زبور میں بھی ہم نے لکھا **(کہ بے شک)** بہشت کی **(اُس زمین کے وارث ہوں گے میرے لیاقت والے بندے)**، یعنی امتِ محمدُ ﷺ' کے لوگ۔

اور ایک قول یہ ہے کہ نیک بندوں سے مُراد تمام ایمان والے ہیں۔

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾

بے شک اِس قرآن میں کافی پیغام ہے عبادت کرنے والوں کے لیے●

(بے شک اِس قرآن میں) جو خبریں نصیحتیں، وعدے، وعیدیں، بیان کی ہیں، اُن میں **(کافی پیغام ہے عبادت کرنے والوں کے لیے)**۔یعنی قرآنی خبریں اور نصیحتیں اپنے مقصودِ اصلی تک پہنچنے کے واسطے خاتم الانبیاء کی امت کے لیے کافی اور بس ہیں۔۔بلکہ۔۔سارے انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانے والی ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے تمھیں مگر رحمت سارے جہاں کے لیے●

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ اَے محبوب! **(نہیں بھیجا ہم نے تمھیں مگر رحمت سارے جہاں کے لیے)**۔

ذاتِ بابرکت مومنوں کے لیے رحمت ہے، اس لیے کہ آپ ہی کی بدولت ایمان والوں

نے ہدایت پائی۔ خود آپ کا ارشاد ہے، ”نہیں ہوں میں مگر رحمت ہدیہ بھیجی ہوئی“۔ اور آپ کافروں کے واسطے بھی رحمت ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ قرآنی ہے کہ ”نہیں ہے اللہ، کہ عذاب کرے گا کافروں پر اور تم ان میں موجود ہو اے محمد“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اِس سلسلے میں مختصر بات یہ ہے، کہ عالَم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ تو اب جو عالمین کے لیے رحمت ہوگا، تو ظاہر ہے کہ ہر اُس ذات اور ہر اُس شے کے لیے رحمت ہوگا جس پر عالَم کا اطلاق کیا جا سکے۔ ہر ایک کے لیے رحمت کی جہت الگ الگ ہوگی، مگر ہوں گے آپ ہر ایک کے لیے رحمت ہی۔

ذہن نشین رہے کہ آپ کی رحمت سے یہ بات بھی ہے، کہ آپ اپنی اُمت کو کہیں نہیں بھولے۔ نہ مدینہ منورہ میں، نہ مکہ معظّمہ میں، نہ مسجدِ حرام میں، نہ حجرۂ طاہرہ میں، یہاں تک کہ عرش پر، مقامِ **قَابَ قَوْسَیْنِ** پر بھی یاد رکھا، اور فرمایا ”اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ“ اور کل قیامت کے دن بھی نہ بھولیں گے، اور شفاعت کا فرش بچھا کر فرمائیں گے، امتی امتی۔۔۔ آپ کو **رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ** بتا کر ارشادِ الٰہی کا حاصل یہ ہے، کہ۔۔۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾

کہہ دو کہ ”یہی وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ بس تمہارا معبود ہے صرف اللہ اکیلا، تو کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟“ ●

اَے محبوب! آپ سارے عالَم کے لیے رحمت اور کفر و شرک کرنے والوں کے لیے بھی نجات کا ذریعہ ہیں، تو آپ اِن کافروں اور مشرکوں سے۔۔۔ (کہہ دو) جو شرک اور توحید کے تعلق سے نزاع کرتے رہتے ہیں، (کہ) اَے کافرو! (**یہی وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ بس تمہارا معبود**) برحق (**ہے صرف اللہ**) تعالیٰ (**اکیلا**)، نہ کہ اُس کے سوا کوئی دوسرا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ نبوت اور دیگر عقائد اور احکام، سب توحید ہی کی فرع ہیں۔ جب انسان توحید کو مان لے گا اور اللہ تعالیٰ کے واحد خالق اور مالک ہونے کا اعتراف کر لے گا، تو پھر وہ باقی عقائد اور احکام کو بھی مان لے گا، اور یہ تمام امور توحید کے تابع ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے، کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے۔۔۔

(**تو کیا تم اسلام قبول کرتے ہو**) اور اِس بات کے ماننے والے ہو جو وحی چاہتی ہے۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰى سَوَآءٍ‌ ؕ وَاِنۡ اَدۡرِىۡۤ اَقَرِيۡبٌ

پھر اگرانہوں نے بے رخی کی، تو کہہ دو کہ "میں نے جنگ کا اعلان کر دیا تم سے برابر پر، اور میں کیا اٹکل رکھوں، کہ قریب ہے

اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

یا دُور ہے، جس کا تمہیں وعدہ کیا گیا●

(پھر اگر انہوں نے بے رخی کی، تو کہہ دو کہ میں نے جنگ کا اعلان کر دیا تم سے برابر پر)۔ یعنی جو کچھ مجھ پر وحی آئی، وہ میں نے صاف تمہیں پڑھ کر سنائی۔۔ چنانچہ۔۔ مسلمان اور کافر اُس کے جاننے میں برابر ہوئے۔۔ الغرض۔۔ جو کچھ میں نے اعلام کر دیا اس میں، میں اور تم برابر ہو۔ **(اور)** اب رہ گئی آگے ہونے والی بات، تو **(میں کیا اٹکل رکھوں کہ قریب ہے یا دُور ہے جس کا تمہیں وعدہ کیا گیا)**، یعنی حشر۔۔ یا۔۔ مسلمانوں کا غلبہ۔۔ الغرض۔۔ اُس کے تعلق سے صرف اپنے اندازے اور قیاس وگمان سے کچھ کہنا میرے لیے مناسب نہیں۔ اب رہ گئی کافروں کی بات جو اسلام پر طعن کرتے ہیں ۔۔ تو۔۔

اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

بے شک وہ جانتا ہے آواز کی بولی، اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو●

(بے شک وہ جانتا ہے آواز کی بولی)، آواز والی بولی، **(اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو)** یعنی وہ تمہارے دِلوں میں پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں سے جو حسد ہے، اُن سب سے باخبر ہے۔

وَاِنۡ اَدۡرِىۡ لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّـكُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۱۱۱﴾

اور میں کیا اٹکل لگاؤں کہ وہ تمہاری آزمائش ہے، اور کچھ وقت کا رہنا سہنا ہے"●

(اور میں کیا اٹکل لگاؤں کہ وہ) یعنی اُس وعدہ کیے ہوئے امر کی تاخیر۔۔ یا۔۔ تم کو اعمال کی مکافات دیر کو ملنا **(تمہاری آزمائش ہے)**، یعنی استدراج کی راہ سے تاخیر میں ڈالنا ہے۔ **(اور)** شاید **(کچھ وقت کا رہنا سہنا ہے)** اور عارضی فائدہ ہو تمہارے واسطے، یہاں تک کہ وقتِ مقرر آپہنچے۔ اس تاخیر میں یہ بھی فائدہ ممکن ہے، کہ کوئی توبہ کرلے اور ایمان کی دولت سے مشرف ہو جائے۔

۔۔ قصہ مختصر۔۔ نبی کریم نے پیغامِ حق پہنچانے کے بعد۔۔۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾

دُعا کی کہ "پروردگارا فیصلہ فرمادے حق۔ اور ہمارا رب بڑا مہربان، اُسی کی مدددرکار ہے جو باتیں تم کرتے ہو"●

(دُعا کی کہ پروردگارا! فیصلہ فرمادے) میرے اور مکہ والوں کے درمیان **(حق)** وراستی کے ساتھ۔ **(اور)** یاد رکھو کہ **(ہمارا رب بڑا مہربان)** ہے اپنے بندوں پر۔ **(اُسی کی مدددرکار ہے جو باتیں تم کرتے ہو)**۔۔مثلاً: کبھی کہتے ہو کہ وعدہ کیا ہوا عذاب اگر حق ہے، تو ہم پر کیوں نہیں نازل ہوتا۔ اور کبھی کہتے ہو، کہ اسلام دم بہ دم ضعیف ہوتا جائے گا۔۔الغرض۔۔تم اِس طرح کی جو بکواس کرتے ہو، اُن کو رَد کرنے اور اُن کا جواب دینے کے لیے ہم خدا ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ بے شک وہ ایسا بادشاہ ہے جس کی درگاہ سے مُراد چاہنے والا کبھی بھی نا امید نہیں ہوتا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ
وبعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
٢٥ رجمادی الاولیٰ ١٤٣٢ھ۔۔مطابق۔۔٢٠ راپریل ٢٠١١ء
بروز چہارشنبہ، بوقت پونے دس بجے شب، سورۂ انبیاء کی تفسیر مکمل ہوگئی۔
دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باقی قرآنِ کریم
کی تفسیر مکمل کرنے کے سعادت مرحمت فرمائے۔
اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔
آمِیْنَ یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَ بِحُرْمَةِ
سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ
وبفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
٢٦ رجمادی الاولیٰ ١٤٣٢ھ۔۔مطابق۔۔٢١ راپریل ٢٠١١ء
بروز پنج شنبہ، 'سورۂ حج' کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔
مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی
توفیق عطا فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔
آمِیْنَ یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ
سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سُوۡرَةُ الحَجِّ ٢٢ مَدَنِيَّة ١٠٣ — اٰيَاتُهَا ٧٨ رُكُوۡعَاتُهَا ١٠

سُوۡرَةُ الۡحَجِّ

سورۃ الحج ٢٢ مدنیہ ١٠٣ — آیاتہا ٧٨ رکوعاتہا ١٠

اِس سورہ کا نام 'سورۃ الحج' عہدِ رسالت ہی میں معروف ہو چکا تھا، اور صحابہ کرام کی زبانوں پر بھی یہی نام جاری تھا۔ 'الحج' کے سوا اِس سورہ کا اور کوئی نام نہیں۔ جمہور کے قول کے مطابق اِس سورت میں بعض آیات مکی ہیں اور بعض مدنی۔ اور یہ آیات ایک دوسرے سے مختلط ہیں، یعنی یہ معین نہیں کہ کون سی آیت مکی ہے اور کون سی آیت مدنی ہے۔ اِس سورت میں جو مکی آیات ہیں، وہ مکہ کے آخری دَور کی آیات ہیں، اور جو مدنی آیات ہیں، وہ ہجرت کے ابتدائی دَور کی آیات ہیں۔

اِس سورت کو اپنی ماقبل سورت یعنی 'سورہَ انبیاء' سے باہمی مناسبت یہ ہے کہ 'سورہَ انبیاء' کی متعدد آیات میں قیامت اور حشر کا ذکر کیا گیا ہے، اور 'سورہَ حج' کو بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت اور حشر کی ہولنا کیوں کے بیان سے شروع فرمایا ہے۔ ابتداءِ کلام ہی سے قیامت وحشر کی ہولنا کیوں سے ڈرانے والی اور خشیتِ الٰہی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا درس دینے والی اِس سورہَ مبارکہ کو، شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مؤمنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱﴾

اَے لوگو! ڈرو اپنے رب کو، بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے●

تو (اَے) وہ (لوگو!) جو مکلّف ہیں اور احکامِ شرعیہ کی تکلیف کا محل ہیں، (ڈرو اپنے رب) کے عذاب (کو)، اور جان لو کہ (بے شک قیامت کا زلزلہ)، یعنی قربِ قیامت میں یہ ظاہر کرنے کے لیے، کہ اب قیامت آنا ہی چاہتی ہے قادرِ مطلق کا زمین کو ہلا دینا، (بڑی سخت) اور ہَول والی (چیز ہے)۔

روایت ہے کہ پہلے نفخہ کے قبل زمین کو زلزلہ ہوگا اور آسمان سے آواز آئے گی، کہ اَے لوگو خدا کا حکم آپہنچا۔ پس مخلوق میں تہلکہ اور کہرام پڑ جائے گا۔۔۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ

جس دن تم دیکھ ہی لوگے کہ بھول گئی ہر دودھ پلانے والی جس کو دودھ پلایا ہے، اور ڈال دے گی ہر

ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى

حاملہ اپنا حمل، اور تم دیکھو گے لوگوں کو کہ نشے کے مارے ہیں، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہیں۔

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲

لیکن ہاں اللہ کا عذاب سخت ہے●

(جس دن تم دیکھ ہی لوگے کہ بھول گئی ہر دودھ پلانے والی) اُس بچے کو (جس کو دودھ پلایا ہے)۔ باوجودیکہ دودھ پلانے والی کو اُس بچے پر شفقت ہوتی ہے، پھر وہ دودھ پلاتی ہے۔ (اور ڈال دے گی ہر حاملہ اپنا حمل)، یعنی خوف سے سب کا حمل ساقط ہوجائے گا۔ (اور تم دیکھو گے) کہ کمالِ دہشت کی وجہ سے اُس روز (لوگوں کو) ایسا جیسے (کہ نشے کے مارے ہیں)۔ ایسے مست کہ عقل وتمیز زائل ہوگئی ہو، (حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہیں)، یعنی حقیقت میں وہ مست نہیں ہوں گے، اِس واسطے کہ خوف اور حیرت سے عقل جاتی رہنا مستی نہیں ہوتی، اگرچہ دیکھنے میں مست کے مانند آدمی دکھائی دے۔ تو وہ لوگ حقیقت میں مست نہ ہوں گے، (لیکن ہاں اللہ) تعالیٰ (کا عذاب سخت ہے)، تو اُس کے ہَول کے مارے لوگ مدہوش نظر آئیں گے۔ اور نضر بن حارث اور ابی بن خلف۔۔۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور کچھ لوگ ہیں کہ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بے جانے بوجھے،

وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳

اور پیچھے پیچھے رہتے ہیں ہر شیطان سرکش کے●

(اور) اُن جیسے (کچھ لوگ ہیں) جو (کہ جھگڑتے) اور بحث ومباحثہ کرتے (ہیں) (اللہ) تعالیٰ کی کتاب (کے بارے میں بے جانے بوجھے) بلا دلیل۔۔ چنانچہ۔۔ نضر بن حارث کہتا ہے، کہ "نہیں ہے یہ، مگر کہانیاں اگلوں کی"۔۔ یوں ہی۔۔ ابی بن خلف حشر کا منکر ہے۔ اور یہ سب اس لیے ہے،

کہ وہ سب جاہل ہیں۔(اور پیچھے پیچھے رہتے ہیں ہر شیطان سرکش کے)۔یعنی اپنے جھگڑنے۔۔یا۔۔
اپنے سب احوال میں وہ پیروی کرتا ہے سرکش گمراہ شیطان کی۔ایسا سرکش۔۔۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهْدِيْهِ
جس کے لیے طے کردیا گیا ہے کہ جو اُس کی دوستی کرے، وہ اُس کو گمراہ کرتا رہے، اور لے چلے اُسے
اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٤﴾
عذابِ جہنم کی طرف●

(جس کے لیے) لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اور (طے کردیا گیا ہے، کہ جو اُس کی دوستی کرے) گا اور اُس کی متابعت کرے گا، (وہ اُس کو گمراہ کرتا رہے) گا (اور لے چلے) گا (اُسے عذابِ جہنم کی طرف)۔یعنی اپنے دوست کو ایسے کام میں لگائے گا جس کی جزا دوزخ ہو۔

عَلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع اگر 'مجادلہ' ہو، تو اب آیت کا معنی یہ ہوگا، کہ خدا نے حکم کردیا ہے، کہ جو جھگڑنے والا شیطان کی پیروی کرے گا، وہ دوزخ میں جائے گا۔اب حشر کے منکر کافروں کو مخاطب فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
لوگو! اگر "تمہیں شک ہے قیامت میں زندہ اٹھائے جانے میں، تو بلاشبہ ہمیں نے تم کو پیدا فرمایا مٹی سے،
ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ
پھر نطفے سے، پھر گاڑھے خون سے، پھر لوتھڑے سے، صورت پوری بنی یا بے بنی، تاکہ ہم روشن کردیں حقیقت
لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ
تمہارے بھلے کو، اور ہم ٹھہرا دیتے ہیں ماں کے پیٹ میں جسے چاہیں، ایک مقرر وقت تک۔پھر
نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ
نکالتے ہیں ہم بچہ، کہ پھر پہنچو تم اپنی جوانی کو اور بعض تمہارے ہیں کہ ان کی عمر پوری کردی جاتی ہے، اور کچھ وہ کہ
اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ
پھینک دیے گئے نکمی عمر تک، کہ کچھ نہ جانیں، جاننے کے بعد۔اور دیکھا کرتے ہو زمین کو

هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ

سوکھی پڑی، پھر جب ہم نے گرایا اس پر پانی، تو ابھری اور پھولی اور اگانے لگی

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ۝٥

ہر قسم کے خوشنما جوڑے ●

(لوگو! اگر تمہیں شک ہے قیامت میں زندہ اٹھائے جانے میں) اور تم کہتے ہو، کہ مر کر اٹھنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مقدور ہے، **(تو)** اپنے حال پر نظر کرو، **(بلاشبہ ہمیں نے تم کو پیدا فرمایا مٹی سے)** اور تم اُس کی فرع ہو۔ **(پھر نطفے سے)** بنایا۔ **(پھر گاڑھے خون سے)**، یعنی خون کے تھکے سے۔ **(پھر لوتھڑے سے)**، یعنی گوشت کے اتنے ٹکڑے سے جسے چبایا جا سکے۔ **(صورت پوری بنی)** یعنی خلقت پوری ہو، کہ اُس میں کچھ عیب اور نقصان نہ ہو، **(یا بے بنی)**، یعنی اَدھوری صورت کہ اُس کے بعضے اجزاء میں نقصان ہو۔

اِس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تخلیق کے مندرجہ بالا مراحل کو طے کرانے کے بعد یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ صورت مکمل بنا دی گئی ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صورت گری کی تکمیل نہ کی گئی ہو۔ یہ بات اُس بچے میں ہے، جو مدتِ حمل پوری ہونے سے قبل ساقط ہو جائے۔ اِس میں سے بعض کی صورت بنی ہوتی ہے اور بعض کی نہیں۔ اِس پورے کلام کا خلاصہ یہ ہے، کہ ارشادِ ربّانی ہے، کہ لوگو! تم کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ہم نے منتقل کیا ہے۔۔۔

(تا کہ ہم روشن کر دیں) تمہاری تخلیق کی ابتداء کی **(حقیقت تمہارے بھلے کو)** تا کہ تم 'مبداء' سے 'معاد' پر دلیل پکڑو اور غور کرو، کہ جو چیز تغیر و تلون کے قابل ہے، دوسری بار بھی اُسے قبول کر سکتی ہے۔ **(اور ہم ٹھہراؤ دیتے ہیں ماں کے پیٹ میں جسے چاہیں)** کہ رحم میں رہے، اور گر نہ جائے **(ایک مقررہ وقت تک)** یعنی بچہ پیدا ہونے کا جو زمانہ طے ہے۔

(پھر نکالتے ہیں ہم بچہ) ماؤں کے پیٹ سے۔ وہ کمالِ ضعف کی وجہ سے اِس حال میں ہوتا ہے کہ اپنا کام خود نہ کر سکے۔ پھر تربیت کرتے ہیں ہم تم کو، تا **(کہ پھر پہنچو تم اپنی جوانی کو)** اور قوت و فہم کے کمال کو۔ یہ کمال تیس[٣٠] اور چالیس[٤٠] برس کے درمیان میں ہے۔ **(اور بعض تمہارے ہیں، کہ اُن کی عمر پوری کر دی جاتی ہے)**۔۔ چنانچہ۔۔ وہ جوانی کے قریب پہنچ کر۔۔ یا۔۔ اُس سے پہلے وفات پا جاتا ہے۔ **(اور)** تم میں **(کچھ وہ)** ہیں، جو **(کہ پھینک دیے گئے نکمی عمر تک کہ کچھ نہ جانیں جاننے کے**

بعد)، یعنی وہ بوڑھے کھوسٹ ہو جاتے ہیں، جو کچھ پڑھا لکھا ہے سب بھول جاتے ہیں۔ وہ بالکل اپنے بچپنے کی نا سمجھی کے دَور میں پہنچ جاتے ہیں۔

اِس سے وہ نفوسِ قدسیہ والے مستثنیٰ ہیں جو فضلِ الٰہی کے سایے میں رہتے ہیں، اور علم و عرفان کا نور اُن کے دل و دماغ کو روشن کیے رہتا ہے۔۔ المختصر۔۔ عام لوگ اپنی انتہاء سے اپنی ابتداء کی طرف پھر جاتے ہیں۔ اِس کلام سے اِس طرف اشارہ ہے، کہ قدرتِ کاملہ پھیرنے میں عاجز نہیں، جیسے پیدا کرنے میں عاجز نہ تھی۔ پھر دوسری بار قیامت کے دن اٹھنے پر دلیل پکڑنے کے واسطے فرماتا ہے۔۔۔

(اور) اُس کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے، کہ اَے شخص! **تم (دیکھا کرتے ہو زمین کو سوکھی پڑی)** خشک اور بے رونق جیسے مُردہ، **(پھر جب ہم نے گرایا)** اَبر سے **(اُس) زمین (پر پانی، تو اُبھری)** اور ہلنے لگی، یعنی لہلہانے لگی وہ زمین گھاس کے سبب سے، **(اور پھولی)** یعنی بڑھی **(اور اُگانے لگی ہر قسم کے خوشنما جوڑے)** تر و تازہ اور اچھی اور خوشی زیادہ کرنے والی۔ تو سوچو کہ جو قادر مری ہوئی زمین کو پانی سے زندہ کرتا ہے، وہ اِس بات پر بھی قادِر ہے، کہ مُردوں کے اجزاء جمع کر کے اُسی حال پہ لے آئے، جس حال پر وہ تھے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ

یہ سب یوں کہ بلاشبہ اللہ ہی حق ہے۔ بے شک وہ جلاتا ہے مُردوں کو، اور بے شک

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾

وہ ہر چاہے پر قدرت رکھتا ہے●

(یہ سب) یعنی مختلف مراحل واطوار سے گزر کر آدمی کا پیدا ہونا، قسم قسم کے حالوں میں اُس کا پھرنا، اور موت کے بعد زمین کا زندہ ہونا، **(یوں)** ہے اور اِس سبب سے ہے، **(کہ بلاشبہ اللہ)** تعالیٰ **(ہی حق ہے)**، یعنی ثابت ہے اپنی ذات میں اور صفاتِ کمال کا مستحق ہے۔ یہ سب اُسی کی قدرت و حکمت کے جلوے ہیں، اِسی لیے تو **(بے شک وہ جلاتا ہے مُردوں کو، اور بے شک وہ ہر چاہے پر قدرت رکھتا ہے)** جو چاہے کرے۔۔ چنانچہ۔۔ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ 'قدرت'، صفاتِ ذاتیہ میں سے ہے۔ اُس کی نسبت سب مقدور چیزوں سے برابر ہے۔ تو جب بعضے مردے زندہ کرنے کی قدرت

دیکھی گئی، تو یہ بات بآسانی سمجھ لی گئی، کہ وہ سب مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ دلیلیں لانا اِس واسطے ہے، کہ تا کہ لوگ اچھی طرح سے جان لیں۔۔۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ

اور بے شک قیامت آنے والی ہی ہے، جس میں ذرا بھی شک نہیں۔ اور بے شک اللہ زندہ اٹھائے گا،

مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ⑦

جو قبروں میں ہیں"●

(اور) سمجھ لیں کہ (بے شک قیامت آنے والی ہی ہے، جس) کے آنے (میں ذرا بھی شک نہیں اور) یہ بھی جان لیں، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (زندہ اُٹھائے گا جو قبروں میں ہیں)، اپنے وعدے کے موافق ان کا حساب لینے، اور اُنہیں اُن کے اعمال کی جزا دینے کے لیے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى

اور اُن لوگوں میں وہ بھی ہے کہ جھگڑتا ہے اللہ کے بارے میں، بغیر جانے بوجھے اور بغیر راہ پائے،

وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧

اور بغیر کسی روشن لکھے کے●

(اور اُن لوگوں میں وہ بھی ہے کہ جھگڑتا ہے اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں)، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام اور اُس کی قدرت میں تکبر کی راہ سے جھگڑتا ہے۔

یہ مضمون اِس کے قبل اِنہیں الفاظ سے مذکور ہو چکا ہے، تو یہ مکرر لانا تاکید کے واسطے ہے ۔۔یا یہ کہ۔۔ پہلے جو جھگڑنے والے مذکور ہوئے، اُن سے کافروں کے رئیس مراد ہیں، جیسے ابو جہل، نضر، اُبی اور اُس کے مثل، اور یہاں جو جھگڑنے والوں کا ذکر ہے، اُن سے اِن کے تابع اور مقلد لوگ مراد ہیں، کہ اُن میں سے ہر ایک جھگڑا اٹھاتا تھا۔

اور یہ جھگڑا بھی (بغیر جانے بوجھے) یعنی اُسے علم نہیں پھر بھی جھگڑتا ہے۔ (اور بغیر راہ پائے) یعنی اُس کے پاس کوئی ایسی دلیل بھی نہیں ہے جو اُس مقصد کی راہ دکھائے۔ (اور بغیر کسی روشن لکھے کے)، یعنی وہ کسی آسمانی روشن کتاب یعنی وحیٔ الٰہی کو بھی پیش نہیں کرتا۔۔ الختصر۔۔ اپنے مجادلے میں اپنے مطلوب کو ثابت کرنے کے لیے، نہ کوئی دلیل پیش کرتا ہے نہ ہی وحیٔ الٰہی سناتا ہے۔۔ الغرض۔۔ اپنی بات

کو ثابت کرنے کے لیے اُس کے پاس نہ 'دلیل ضروری' ہے نہ 'حجت نظری' ہے اور نہ ہی 'برہان سمعی' ہے۔۔بلکہ۔۔وہ صرف اندھی تقلید میں گرفتار ہے۔اور قاعدہ یہ ہے، کہ جو کسی سے مناظرہ کرے اُس کے پاس مذکورہ بالا تینوں امور میں کوئی ایک نہ ہو، تو اُس کو جاہلوں اور احمقوں کا سردار ہی قرار دیا جائے گا۔یہ جاہل۔۔۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

اپنی گردن جھٹکا کر، تا کہ بے راہ کردے اللہ کی راہ سے، اُس کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے

وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۟

اور چکھائیں گے ہم اُسے قیامت کے دن، آگ کا عذاب●

(اپنی گردن جھٹکا کر) یعنی متکبرانہ انداز سے اپنی گردن اکڑا کر مجادلہ کرتا ہے، (تا کہ بے راہ کردے اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔یعنی ایسے متکبر اور سرکش کی غرض یہی ہوتی ہے، کہ وہ دوسرے کو سیدھی راہ سے بہکادے۔تو اِن متکبرین کا بھی پروگرام یہی ہے، کہ وہ اہلِ ایمان کو ایمان سے نکال کر کفر کے گھاٹ اُتار دیں۔۔یا۔۔کم ازکم یہی ہو، کہ کافر ومشرک اپنے کفر وشرک پر ثابت قدم رہیں۔ (اس کے لیے) یعنی اوپر ذکر کیے ہوئے سرکش ومتکبر انسان کے لیے (دُنیا میں رسوائی ہے) جیسے قتل کے سبب جنگِ بدر میں ہوئی، (اور چکھائیں گے ہم اُسے قیامت کے دن آگ کا عذاب) اور میں کہوں گا، کہ۔۔۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۟ ع

ع ۸

"یہ ہے جو پہلے ہی بھیج دیا تھا تیرے ہاتھوں نے" اور بے شک اللہ نہیں اندھیر کرتا اپنے بندوں کے حق میں●

(یہ) رسوائی وعذاب وہ (ہے) جو اُن اعمال کے سبب سے ہے (جو پہلے ہی بھیج دیا تھا تیرے ہاتھوں نے)، یعنی وہ جو تُو نے کمائی کی ہے کفر اور معصیت۔(اور بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں اندھیر کرتا) ہے (اپنے بندوں کے حق میں)۔یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اُن کے گناہوں کے بغیر اُنہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔یہ تو بندے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں جو گناہ کر کے اپنے کو عذابِ الٰہی کا مستحق بنا لیتے ہیں۔

اب تک کھلے ہوئے کافروں کا ذکر تھا، اب اُن کا ذکر ہو رہا ہے جو ابھی ایمان پر قدم جما نہیں سکیں ہیں۔ وہ اپنا اسلام بھی دُنیاوی فائدے کے لیے ظاہر کرتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ اعرابیوں کا ایک گروہ مدینہ منورہ میں مشرف باسلام ہوا، پھر اُن میں سے جس کسی کو بیماری نہ ہوئی، اور اُس کی عورت بیٹا جنی، اور اُس کی گھوڑی کو بچھیرا پیدا ہوا، اور اُس کے مویشی نے خوب فائدہ دیا، اُس نے تو کہا کہ اسلام خوب نفع بخش دین ہے۔ میں نے جو قبول کیا تو اُس کی برکت سے بہت سی بھلائیاں پیش آئیں۔۔الغرض۔۔ایسی صورت میں اُس کے دل نے تو اسلام سے آرام پایا، اور اگر اُس کے برعکس امور پیش آئے تو دین سے برگشتہ ہو کر کہا، کہ اسلام تو ہم کو سازگار نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ

اور اُن لوگوں میں وہ ہے، جو پوجتا ہے اللہ کو ایمان سے کنارہ کش ہو کر، تو اگر پہنچی اُن تک

خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ

بھلائی تو مطمئن ہو گیا۔ اور اگر پہنچی کوئی آزمائش تو پلٹ گیا منہ کے بل۔۔۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

گھاٹا ہو گیا دُنیا و آخرت کا۔ یہی کھلا ہوا گھاٹا ہے●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (اُن لوگوں میں) بعض (وہ ہے جو پوجتا ہے اللہ) تعالیٰ (کو ایمان سے کنارہ کش ہو کر)، یعنی انحراف و اضطراب پر قائم رہتے ہوئے۔۔یا۔۔کنارے پر کھڑا ہو کر اپنے کام میں بغیر قدم جمائے ہوئے۔ یہ وہ شخص ہے جو نعمت اور راحت کے وقت تو عبادت کرتا ہے، مگر عسرت اور کلفت میں عبادت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، بلکہ ایمان سے بھی رُوگردانی کر لیتا ہے۔ (تو اگر پہنچی اُن تک بھلائی) جیسے صحت اور مالداری (تو مطمئن ہو گیا) اور اِس بھلائی کے سبب دین پر ثابت ہو گیا۔ (اور اگر پہنچی) اُسے (کوئی آزمائش)۔۔مثلاً: بیماری اور فقیری وغیرہ، (تو پلٹ گیا منہ کے بل) اپنے منہ پر، یعنی جس طرف سے آیا تھا پھر اُسی طرف پھر جاتا ہے۔

مراد یہ ہے، کہ مرتد ہو جاتا ہے اور دین اسلام سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ یعنی پہلے تو زبان سے اسلام کا اقرار کرتا تھا، لیکن آزمائش کے بعد اُس زبانی اقرار سے بھی منحرف ہو جاتا ہے۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اگرچہ صحت اور مالداری بھی خدائی آزمائش ہے۔

لیکن یہ منافقین صرف بیماری اور محتاجی ہی کو آزمائش خیال کرتے ہیں۔ تو یہاں گفتگو اُن کے خیال کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ایک یہودی ایمان لایا اور اندھا ہو گیا اور بہت سی بلائیں اُسے پیش آئیں، اس نے رسولِ مقبول علیہ السلام سے عرض کی، کہ میں نے دینِ اسلام کو منحوس پایا، مجھے بیعت سے رہا کیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام سے نہیں چھوڑا جاتا پس یہودی مرتد ہو گیا، تو ایسوں کا۔۔۔

(گھاٹا ہو گیا دُنیا و آخرت کا)۔ یعنی وہ دُنیا میں اپنی مراد کو نہ پہنچا، اور آخرت میں بھی اُس کے اعمال نیست و نابود ہو گئے۔ اور (یہی)، یعنی دونوں جہان کا نقصان (کھلا ہوا گھاٹا ہے)، اس لیے کہ سب عقلمندوں پر ظاہر ہے، کہ اِس سے بڑھ کر کوئی نقصان نہیں۔ یہ دین سے پلٹ جانے والا مرتد مشرک ہو جانے کے بعد۔۔۔

يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ۚ

دُعائیں کرتا ہے مِن دونِ اللہ سے جو نہ بگاڑ سکیں اس کا، اور جو نہ بنا سکیں۔

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيدُ ﴿۱۲﴾

یہی ہے پلے سرے کی گمراہی ●

(دعائیں کرتا ہے مِن دونِ اللہ سے)۔ اور انہیں پکارتا ہے اور پوجتا ہے، (جو نہ بگاڑ سکیں اُس کا) اگر وہ اُسے نہ پوجے، (اور جو نہ بنا سکیں) اس کا کوئی کام، اگرچہ وہ اُس کو پوجے۔ (یہی ہے پلے سرے کی گمراہی) جس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ نہ دُنیا کی بھلائی ملتی ہے اور نہ ہی آخرت کی نجات۔۔۔ بلکہ۔۔۔ دونوں جہاں کی حقیقی رسوائی ہی ہاتھ لگتی ہے۔ اُس کی حماقت و سفاہت کا عالم یہ ہے، کہ۔۔۔

يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى

دُعا مانگتا ہے اُس سے جس کا نقصان زیادہ قریب ہے خیالی نفع سے۔ بے شک کتنا بُرا مولیٰ

وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ ﴿۱۳﴾

اور بے شک کیسا بُرا ساتھی ہے ●

(دُعا مانگتا ہے اُس سے) یعنی معبود سمجھ کر اُس کو پکارتا ہے اور اُسے پوجتا ہے (جس کا نقصان زیادہ قریب ہے خیالی نفع سے)۔ یعنی اُس کے اِس پوجنے کا جو نقصان دُنیا میں قتل کی صورت میں اور آخرت میں عذاب کی صورت میں اُسے ملنے والا ہے، وہ اُسے پہلے ہی مل جائے گا، اور اُس نے اِن بتوں سے شفاعت کی درگاہِ الٰہی میں توسل کی جو امید کر رکھی ہے، اُس کی نوبت ہی نہ آئے گی۔۔ الغرض۔۔ اُس کا نقصان یقینی ہے۔ رہ گیا اُس کا مزعومہ فائدہ، تو وہ اُس کی خام خیالی ہے۔ (بے شک) یہ بت (کتنا بُرا مولیٰ) اور یار ہے (اور بے شک کیسا بُرا ساتھی ہے)۔ ایسا یار جو کہیں مدد نہ کر سکے اور ایسا ساتھی جو کہیں نہ ساتھ دے کر کام بنا سکے، تو ایسا بُرا یار اور ایسا بُرا ساتھی اور کون ہوگا۔۔ الحاصل۔ مشرکوں کو اپنے فاسد گمان سے اُن کو اپنا یار و مددگار سمجھنا، خود اُن کی فہم و فراست کا دیوالیہ اور جہل و حماقت کا اشاریہ ہے۔۔۔

مشرکین اور منافقین کے ہولناک انجام کے ذکر کے بعد، اب مؤمنین اور اُن پر فضلِ خداوندی کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ

بے شک اللہ داخل فرمائے گا جو مان گئے، اور لیاقت مندی کے کام کیے، باغوں میں، کہ بہتی ہیں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ﴿١٤﴾

جن کے نیچے نہریں۔ بلاشبہ اللہ، کر گزرے جو چاہے●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (داخل فرمائے گا) اُن کو (جو مان گئے اور لیاقت مندی کے کام کیے) یعنی نیک عمل انجام دیے، اُن (باغوں میں کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں) اور ظاہر ہے باغ کی نہایت تر و تازگی پانی ہی سے ہے۔

اوپر کے ذکر سے پتا چل گیا، کہ اللہ تعالیٰ مشرک کے ساتھ کیا کرے گا اور موحد مومن کے ساتھ کیا کرے گا، اور کوئی بھی خدائے عزّ و جلّ کو اُس کے عمل سے تو روک سکتا نہیں۔ اس لیے۔۔۔

(بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (کر گزرے جو چاہے) مومن کے ساتھ اور جو چاہے مشرک کے ساتھ۔ کون ہے جو دم مارے اور خدا کو اپنے ارادے کے مطابق کرنے نہ دے۔

روایت ہے کہ غطفان کے ایک گروہ نے اسلام قبول کرنے میں کچھ توقف کیا اور بولے،

کہ شاید محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مہم، نصرتِ الٰہی نہ ہونے کے سبب پیش نہ جائے اور وہ فتح مند نہ ہوں، تو جو ہمارے اور یہود کے درمیان دوستی ہے منقطع ہوجائے گی، اور اُن کی مدد پھر ہمیں نہ پہنچے گی۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ

جو اِس خبط میں ہے کہ "اللہ اپنے نبی کی مدد نہ دُنیا میں فرمائے گا اور نہ آخرت میں،" تو وہ ایک رسّی سے

بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

لٹک جائے عالمِ بالا تک، پھر کاٹ دے، اب دیکھے اُس کی ترکیب نے دُور کردیا جس سے وہ بھنّا جاتا ہے●

(جو اِس خبط میں ہے کہ اللہ) تعالیٰ **(اپنے نبی کی مدد نہ دُنیا میں فرمائے گا اور نہ آخرت میں)**، یعنی جو شخص رسول کی مدد آنے سے پہلے، عداوتِ قلبی کے باعث گمان کرتا ہے، کہ دُنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے اس رسول کی مدد نہیں فرمائے گا، **(تو وہ ایک رسّی سے لٹک جائے عالمِ بالا تک)** یعنی وہ رسّی کے ذریعہ چھت سے لٹک جائے، **(پھر کاٹ دے)** رسّی کو اور زمین پر گر کر مر جائے۔۔یا۔۔گلے میں رسّی باندھ کر لٹک جائے اور اپنے کو پھانسی دے لے، **(اب دیکھے)** کہ کیا **(اُس کی)** اُس **(ترکیب نے دُور کردیا)** اُس چیز کو عداوت کی بنا پر، **(جس سے وہ بھنّا جاتا ہے)** اور جو اُسے غصے میں لاتی ہے۔ جب یہ ناممکن ہے، تو سمجھ لے کہ اُس کی تدبیر خودکشی کے سوا کچھ نہیں۔

بعضوں نے کہا ہے کہ آسمانِ دُنیا میں رسّی لٹکائے، اور اُسے پکڑتا ہوا آسمان پر چڑھ جائے، اور پیغمبر کی مدد دفع کرنے میں کمال درجے کی کوشش کرے، پھر نظرِ تامل سے دیکھے کہ باوجود اِن کلفتوں کے کیا لے جاتا اور دفع کرتا ہے اُس کا حیلہ آمیز کام اُس امر کو جو اُسے غصہ میں لایا ہے۔۔الحاصل۔۔حضور ﷺ کا غلبہ کافروں کو ہر وقت غیظ و غضب میں مبتلا رکھتا ہے، لیکن وہ اُن کی فتح و نصرت کو دفع نہیں کرسکتے، اگرچہ وہ اپنے اِس غیظ و غضب میں مرجائیں۔

اِس ارشاد کے تعلق سے دوسرا قول یہ ہے، کہ نبی کریم کے حاسدین اور آپ کے اعداء کو یہ توقع تھی، کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد نہیں کرے گا، اور آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ نہیں دے گا۔ اور جب انہوں نے یہ دیکھ لیا، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بہت بھاری مدد کی ہے، تو وہ غیظ و غضب سے جل بھن گئے۔

اور جس طرح ہم نے یہ امر بیان کیا۔۔۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾

اور اسی طرح اتارا ہم نے اِسے روشن آیتیں، اور بے شک اللہ راہ دے جسے چاہے●

(اور) ظاہر کردیا، **(اِسی طرح اُتارا ہم نے اِسے روشن آیتیں)** جوکہ احکام اور خبروں میں کھلی اور واضح ہوں، تاکہ تم پر ظاہر ہوجائے۔ اِس کتاب میں جو مقطعات ومتشابہات ہیں، اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے مخصوص بندوں پر واضح فرمادیا ہے۔ اور اُن کے معانی سے انہیں حسبِ مشیت آگاہ فرمادیا ہے۔ **(اور بے شک اللہ)** تعالیٰ **(راہ دے جسے چاہے)** اُن آیتوں کے سبب سے۔۔یا۔۔جسے چاہے ہدایت پر ثابت رکھے۔۔یا۔۔جسے چاہے مکلّف کردے۔۔یا۔۔جسے چاہے جنت کا راستہ دکھائے۔۔یا۔۔جسے چاہے ثواب کی راہیں دکھائے۔

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں گے، اُن کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے، اور اُن میں سے جن کو چاہتا ہے اُن پر لطف وکرم فرماتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ بلاغت نظام کے ذریعے حق وباطل، طیب وخبیث اور حلال وحرام کو الگ الگ واضح فرمادیا ہے، ایسے ہی۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى

بے شک سارے مسلمان، اور جو یہودی ہیں، اور ستارہ پرست اور عیسائی،

وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ

اور آتش پرست اور مشرک لوگ، ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ اُن کے درمیان،

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾

قیامت کے دن۔ بے شک اللہ کے سامنے سب کچھ ہے●

(بے شک سارے مسلمان اور جو یہودی ہیں اور ستارہ پرست اور عیسائی اور آتش پرست اور مشرک لوگ) ہیں، **(ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ)** تعالیٰ **(اُن کے درمیان قیامت کے دن)**، حکم محکم اور قضائے مبرم کے ساتھ، تاکہ جو کوئی حق پر ہے وہ اُس سے متمیز ہوجائے جو باطل پر ہے۔

اِس دُنیا میں تو حق وباطل کا پتا غور وفکر سے چلتا ہے، اور قیامت کے دن ہر شخص کو بداہتاً علم ہوجائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اُن میں یہ علم پیدا کردے گا جس سے سب کو معلوم ہوجائے گا،

کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (کے سامنے سب کچھ ہے)۔ وہ ہر چیز پر گواہ ہے اور سب کے حال سے آگاہ ہے۔۔الختصر۔۔وہ تمام مخلوقات کے اعمال کو، اُن کے اقوال کو، اور اُن کی حرکات کو دیکھ رہا ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔ اور سارا عالم اُسی کی بارگاہ میں سجودِ نیاز لُٹا رہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ "اللہ کا سجدہ کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں اور جو بھی زمین میں ہیں،

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ

اور سورج، اور چاند، اور تارے، اور پہاڑ، اور درخت، اور چوپائے، اور بہتیرے انسان۔" اور بہتیرے ہیں

مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

کہ ان پر عذاب ہونا ہی ہے۔ اور جسے اللہ رسوا کرے، تو اس کو کوئی

مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۟ؕ ﴿۱۸﴾

عزت دینے والا نہیں۔ بے شک اللہ کرے جو چاہے●

(کیا تم نے نہیں دیکھا، کہ اللہ) تعالیٰ (کا سجدہ کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں اور جو بھی زمین میں ہیں، اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہتیرے انسان)۔۔الغرض ۔۔سب اپنے اپنے طریقے سے سجدہ کرتے ہیں اُسے طاعت کا۔۔۔

ذہن نشین رہے، کہ حقیقت میں صرف زمین پر ماتھا ٹیکنے کا نام سجدہ نہیں۔ اس واسطے کہ اگر کوئی کسی کے سامنے ازراہِ مذاق زمین پر ماتھا لگا دے، تو اُسے سجدہ نہیں گنتے، بلکہ سجدہ دِلی فروتنی کا نشان اور نہایت درجہ عاجزی اور فروتنی کی علامت، اور کمالِ مرتبہ تعظیم وتکریم کی دلیل ہے۔ اور عالَم میں جتنے ذرے ہیں سب خدا کے سامنے عاجز وفروتر ہیں۔ اِس پر اُن کا حال دلالت کرتا ہے اور یہ دلالت بہت صادق ہے دلالتِ مقال سے۔

ویسے اگر ہر مخلوق کے جملہ احوال میں سے بعض احوال، کسی بھی مناسبت سے دیکھنے والے کو قیام ورکوع اور سجدہ نظر آئے، اور پھر وہ اُن کی نسبت اُس کی طرف اپنے دیکھنے اور سمجھنے کے اعتبار سے کر دے، تو اِس میں کوئی مضائقہ نہیں۔۔مثلاً: سورج کو اپنے نصف النہار پر ہونے کو، اس کا قیام قرار دے اور پھر زوال کی طرف جانے کو، اُس کا رکوع کہہ دے۔۔نیز

السجدۃ ۴

۔۔غروب ہو جانے کی تعبیر اس کے سجدے سے کر دے۔

اِس پہلو سے اگر غور کیا جائے اور پھر ساری دُنیا کے نصف النہار اور طلوع و غروب کے پیش نظر کوئی بات کہی جائے، تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سورج ہر ہر گھڑی مختلف مقامات کا لحاظ کرتے ہوئے قیام میں بھی ہے اور رکوع میں بھی ہے۔۔نیز۔۔سجدے میں بھی ہے۔ چونکہ سجدہ عاجزی و فروتنی کی انتہاء ہے، اس لیے اِس کے ذکر کو ترجیح دی گئی۔۔المختصر۔۔ساری مخلوق خدائے قادرِ مطلق کے احکامِ تکوینی کی بہ ہزار عجز و نیاز فرمانبردار ہے، اِس کی کوئی بھی شکل ہو۔

انسانوں میں جو سجدہ ریز ہو گئے اور طاعتِ الٰہی میں لگ گئے، تو وہ کامیاب و فیروز بخت ہو گئے۔ **(اور) اُن کے سوا (بہتیرے ہیں، کہ اُن پر عذاب ہونا ہی ہے)** بہ سبب اس کے، کہ اُنہوں نے سجدے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں رُسوا کر دیا۔ **(اور جسے اللہ) تعالیٰ (رُسوا کرے، تو اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں)**۔ یعنی شقاوت کے سبب سے۔۔یا۔۔گمراہ کرنے کی وجہ سے۔۔یا۔۔بے نصیبی کے باعث۔۔یا۔۔دوزخ میں داخل ہونے کے سبب سے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو ذلیل کرنا چاہے، تو کوئی نہیں ہے جو اُس کو بزرگی دے دے۔۔یا۔۔نواز دے، سعادت دے کر۔۔یا۔۔ہدایت دے کر۔۔یا۔۔توفیقِ خیر دے کر۔۔یا۔۔جنت میں پہنچا کر۔ **(بے شک اللہ) تعالیٰ (کرے جو چاہے)**۔ عزت دینا۔۔یا۔۔ذلیل کرنا، یہ سب اُسی کی مشیت کے تحت ہے۔۔الحاصل۔۔ساری فیروز بختی ایمان سے وابستہ ہے اور ساری بدبختی کفر سے ہم رشتہ ہے۔۔چنانچہ۔۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ

یہ دو فریق ہیں جو لڑ پڑے اپنے رب کے بارے میں، تو جنہوں نے کفر کیا، تو بیونتے گئے ان کے لیے

ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ یُصْهَرُ بِهٖ

آگ کے کپڑے۔ بہایا جائے گا اُن کی کھوپڑیوں پر سے کھولتا پانی ● کہ گل جائے گا جس سے

مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾

جو کچھ اُن کے پیٹ میں ہے اور کھال ● اور اُن کے لیے لوہے کے گُرز ہیں ●

(یہ دو فریق ہیں)، یہ وہ تھے جنہوں نے جنگِ بدر میں ایک دوسرے سے مبارزت کی تھی۔ ایک طرف حضرت علی، حضرت حمزہ، اور حضرت عبیدہ تھے، اور دوسری طرف شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، اور ولید بن عتبہ۔۔یا۔۔ایک طرف مؤمنین اور دوسری طرف اہلِ کتاب، جنہوں

یہ تو رہا کافروں کا حال۔ رہ گئی مؤمنین کی حالت، تو وہ اُن کے برعکس ہوگی کیونکہ اُن کو چار قسم کے انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

بے شک اللہ، داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے اور لائق کام کیے، باغوں میں،

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ

جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن اور موتی،

وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

اور لباس اُن کا ہے اِس میں ریشم●

﴿۱﴾۔۔(**بے شک اللہ**) تعالیٰ (**داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے**) اللہ و رسول کا، (**اور لائق کام کیے**) یعنی نیک اعمال انجام دیے (**باغوں میں جن کے**) مکانوں اور درختوں کے (**نیچے بہتی ہیں نہریں**)۔

﴿۲﴾۔۔ان جنتیوں کو آراستہ کریں گے اور (**پہنائے جائیں گے**) وہ (**اُس میں سونے کے کنگن اور**) آراستہ کریں گے انہیں (**موتی**) سے۔

﴿۳﴾۔۔(**اور لباس اُن کا ہے اُس میں**) خالص (**ریشم**) کا بنا ہوا۔

ذہن نشین رہے کہ دُنیا میں عورتوں کی طرح بن سنور کر رہنا مَردوں کی مَردانہ وجاہت کے خلاف ہے، اِسی لیے زینت و آرائش کی نیت سے اُن کے اسباب و آلات کا استعمال مَردوں کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ اِسی لیے زیورات کا استعمال مَردوں کے لیے ممنوع کر دیا گیا۔ سونے چاندی وغیرہ کے لباس میں ملبوس ہونا، سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا اور سونے چاندی کا تخت، کرسی یا نشست گاہ وغیرہ بنا کر اُس پر بیٹھنا، اور سونے چاندی کی مسہری بنا کر اُس پر سونا، ہر دور میں یہ عام طور پر متکبرین اور مغرورین ہی کا طرزِ عمل رہا ہے، اس لیے اہلِ ایمان کو اِن تمام باتوں سے اس لیے روک دیا گیا، تاکہ وہ غرور و تکبر کا شکار نہ ہونے پائیں اور کبھی بھی اُن میں اپنے تعلق سے احساسِ برتری نہ پیدا ہو، اور وہ ترفّع و تعلّی سے باز رہیں۔

جنت کا معاملہ کچھ الگ ہے، وہاں کسی جنتی کو غرور و تکبر کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ وہ گھر اخلاص

والوں، نیک نفسوں کا گھر ہوگا۔تو اب اگر وہاں جنتیوں کو سونا اور ریشم کے پہننے کی اجازت مل جائے، تو وہاں کوئی مذموم اندیشہ نہیں۔

﴿۴﴾۔۔جنت میں چوتھا انعام یہ ہوگا، کہ اُن کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائے گی، اور حمد کرنے والوں کے راستے کی طرف اُن کی رہنمائی کی جائے گی۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا۔۔۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

اور وہ چلائے گئے پاکیزہ بات کی طرف، اور راہ دی گئی مستحق حمد کی●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (**وہ چلائے گئے پاکیزہ بات کی طرف**)۔۔چنانچہ۔۔جب اُن کی نگاہ جنت پر پڑے گی، تو کہیں گے، کہ "شکر ہے اُس اللہ کا جس نے ہدایت کیا ہمیں یہ"۔اور جب بہشت میں داخل ہوں گے، تو یوں بول اٹھیں گے: "سب تعریف اُس اللہ کو جس نے دُور کیا ہم سے غم" اور جب بہشت کے مکانوں میں پھریں گے، تو کہیں گے "شکر اس اللہ کا سچا پایا ہم نے اُس کا وعدہ"۔۔یا۔۔جنت میں پاکیزہ بات یہ ہوگی، کہ لغو فحش جھوٹ کچھ نہ کہیں گے نہ سنیں گے۔جو بھی کہیں گے۔۔یا۔۔سنیں گے، وہ حق اور سچ بات ہوگی۔(اور) انہیں (**راہ دی گئی مستحق حمد کی**) یعنی انہیں جنت میں اللہ کے راستے کی طرف ہدایت دی جائے گی، کیوں کہ جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت پر مبنی ہو۔۔۔

"وہ چلائے گئے پاکیزہ بات کی طرف اور راہ دی گئی مستحق حمد کی" اِن فقروں کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے، کہ یہ اعزاز اُنہیں دُنیا میں عطا کیا گیا جس کے نتیجے میں وہ آخرت کے اُن انعامات سے سرفراز فرمائے گئے جن کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔اب رہا یہ سوال، کہ دُنیا کی وہ کون سی پاکیزہ باتیں ہیں جن کی اُن کو ہدایت کی گئی، اور ربِّ حمید کا وہ کون سا راستہ ہے جس کی طرف اُن کی رہنمائی کی گئی؟ پاکیزہ بات کے تعلق سے اکثر مفسرین اِس بات پر ہیں کہ دُنیا میں جن اچھی باتوں کی ہدایت کی گئی ہے وہ یہ ہیں۔کلمۂ شہادت ادا کرنا۔قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا۔اور استغفار کرتے رہنا۔ویسے پاکیزہ باتوں میں اللہ کا ذکر، مسلمانوں کو نصیحت اور اُنہیں دین کی تعلیم دینا، مؤمنوں کے لیے دُعا، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، سب ہی داخل ہیں۔

عارفین میں سے بعض نے کہا ہے کہ پاکیزہ بات وہ ہے جو خالص دِل سے صادر ہو، اور

خدا کی رضا کے لیے ہو۔ بعض دوسرے عارفین نے کہا کہ پاکیزہ بات وہ ہے، جو دعوے سے پاک ہو اور تکبر سے دُور، اور عجز و نیاز سے نزدیک ہو۔ بعض عارفین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نیاز سے زیادہ کوئی راہ خدا سے قریب نہیں دیکھی، اور کوئی آڑ دعوے سے بڑھ کر میں نے نہ پائی۔۔۔ ایسے ہی ربِّ حمید کی جس راہ کی دُنیا میں اُن کو ہدایت کی گئی، وہ دینِ اسلام ہے۔

اوپر اب تک جو بیان کیا گیا اُس سے ظاہر ہوگیا کہ دُنیا میں مسلمانوں کو کس طرزِ عمل کو اپنانے پر مامور کیا گیا، اور پھر آخرت میں اُن پر کیا کیا انعامات کیے گئے۔ ایمان والوں کی روش دُنیا میں یہ رہی ہے، کہ وہ خدا کی راہ پر چلتے رہے اور خدا کی راہ پر چلنے کی ہدایت کرتے رہے۔ اُس کے برخلاف کافروں کی یہ حالت تھی، کہ وہ خدا کی راہ یعنی اُس کی طاعت سے لوگوں کو منع کرتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ

بے شک جنھوں نے کفر کیا، اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اور مسجدِ حرام سے،

الَّذِیۡ جَعَلۡنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَۨ الۡعَاکِفُ فِیۡہِ وَ الۡبَادِ ؕ

جس کو بنایا ہم نے ہر انسان کے لیے، خواہ اِس میں سکونت رکھنے والا ہے یا باہر کا ہے۔

وَ مَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۵﴾

اور جو بھی چاہے گا اِس میں کسی زیادتی کو ناحق، تو چکھائیں گے ہم اُسے دکھ دینے والا عذاب ●

(بے شک جنھوں نے کفر کیا) اور اللہ و رسول کا ایمان نہیں لائے، (اور روکتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)، یعنی اللہ کی طاعت سے لوگوں کو منع کرتے ہیں، (اور مسجدِ حرام) کے طواف (سے) بھی روکتے ہیں۔

۔۔ چنانچہ۔۔ ایک مشہور قول کے مطابق جنگِ حدیبیہ کے دن کافروں نے رسولِ مقبول ﷺ اور اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خانۂ کعبہ اور مسجدِ حرام کے طواف سے روکا تھا۔

وہ مسجدِ حرام (جس کو بنایا ہم نے ہر انسان کے لیے، خواہ اس میں سکونت رکھنے والا ہے یا باہر کا ہے) کوئی بھی یہاں آ کر خدا کی عبادت اور خانہ کعبہ کا طواف کرسکتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اِس میں عبادت و طواف کو کسی کے واسطے خاص کر دیا ہو، کسی کے واسطے نہیں۔

منزل ٤

بقولِ امامِ اعظم مسجد سے تمام حرم مراد ہے اور مکہ معظمہ کے گھروں اور اُن میں اترنے کے واسطے مسافر اور مجاور سب یکساں ہیں، یعنی حج کرنے والے عمرہ بجالانے والے اور وہاں کے مقیم لوگ جس گھر میں چاہیں اُتر پڑیں۔

تو جن کافروں کا ذکر ہو رہا ہے وہ خصوصی طور پر سن لیں، (اور) دوسرے اُن جیسے ظالمین اچھی طرح سے جان لیں، کہ (**جو بھی چاہے گا اُس میں**) یعنی حرم میں (**کسی زیادتی کو ناحق**)، تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہو گیا۔۔یا۔۔نقصان پانے والا ہے۔ کیوں کہ حرم میں جو کوئی سیدھی راہ سے پھرنے کا ارادہ کرے گا اور ظالمانہ رویہ اختیار کرے گا، (**تو چکھائیں گے ہم اُسے دکھ دینے والا عذاب**)۔

حرم میں وہ ناحق زیادتی کیا ہے، جسے حرم میں **اِلحاد** قرار دیا ہے؟ اِس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں:

﴿١﴾۔۔جو چیز حرام ہو اور جس کی ممانعت ہے اس کو حرم میں حلال کر دینے کی خواہش، حتی کہ خدمت گار کو گالی دینا بھی **اِلحاد** ہے۔

﴿٢﴾۔۔گرانی میں بیچنے کی امید پر غلہ جمع کرنا۔

اکثر علماء اِس بات پر ہیں، کہ حرم میں گناہ کا ارادہ کرنے سے بھی آدمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اِس کے برخلاف اگر کوئی حرم کے باہر گناہ کا قصد کرے، مگر گناہ نہ کرے، تو پھر وہ گناہ نہیں لکھا جاتا۔ مگر حرم میں اگر گناہ کا خیال ہی کرے اور اس کا مرتکب نہ بھی ہو، تو بھی اُس کے نام گناہ لکھ لیتے ہیں۔۔المختصر۔۔جس طرح حرم کی نیکیاں دوسرے مقامات کی نیکیوں سے ثواب میں کہیں زیادہ ہوتی ہیں اُسی طرح حرم میں کیا ہوا گناہ، دوسرے مقام کے گناہ سے کہیں زیادہ عذاب کا مستحق بناتا ہے۔

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں دو۲ فریقوں کا ذکر فرمایا، اور ہر ایک کی اخروی جزا کا بھی ذکر فرمایا، اور اِن آیات کو بیت اللہ کے ذکر پر ختم فرمایا۔ اب اِن کے بعد بیت اللہ یعنی کعبہ کا ذکر فرمایا، اور اِس کی تعمیر کا اور اللہ کے گھر میں حاضر ہونے کی ہدایت دی، کہ لوگ ادب واحترام اور خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ کے گھر حاضر ہونے کا قصد کریں، اور جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں وہاں سب جمع ہوں۔ اور حج میں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں اور اُن کے طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے اس لیے فرمایا، کہ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ

اور جب کہ ٹھکانہ بتایا ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کا کہ "مت شریک بنانا میرا کچھ،

طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

اور پاک رکھو میرا گھر طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع والوں اور سجدہ والوں کے لیے●

(اور) اپنے ذہن میں حاضر کرلو، **(جب کہ ٹھکانہ بتایا ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کا)** جب وہ بنانے لگے، اس طرح پر کہ ہم نے اَبر کا ایک ٹکڑا بھیجا اور اُس نے اِس مقدار زمین پر سایہ کرلیا جہاں کعبہ بننے کو تھا، ہم نے ہَوا اچلائی کہ اس نے اُسی قدر زمین کو گھیرلیا، اور ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا دیا۔ اور ہم نے اُن کی طرف وحی بھیجی **(کہ مت شریک بنانا میرا کچھ)**، یعنی کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرانا، نہ میری ذات میں نہ ہی میری صفات میں، اس واسطے کہ میں شریک سے پاک اور منزہ ہوں۔ **(اور پاک رکھو میرا گھر)** بتوں اور ناشائستہ چیزوں سے **(طواف کرنے والوں)** کے لیے، جو اور شہروں سے آکر اُس کے گرداگرد طواف کریں، **(اور قیام کرنے والوں)** کے لیے، یعنی شہرِ مکہ والوں کے لیے۔۔۔ یا ۔۔نماز میں کھڑے ہونے والوں کے لیے، **(اور رکوع والوں اور سجدہ والوں کے لیے)** یعنی خانہء کعبہ کو گندگی اور پلیدی سے پاک رکھو، تاکہ لوگ اِس کا طواف کریں اور اِس میں نماز پڑھیں۔

یہ تو وہ بات ہے جو اہلِ علم کی زبانی ارشاد فرمائی، مگر 'اربابِ اشارت' کی زبانی فرماتا ہے، کہ تمہارا دِل جو میری کبریائی کا دارالسلطنت ہے، اُسے سب چیزوں سے پاک کرو اور کسی غیر کو اس میں راہ نہ دو۔ حضرت داود علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ میرے لیے گھر صاف کر، کہ میری نظرِ عظمت اُس پر پڑے۔ حضرت داود علیہ السلام نے عرض کی، کہ کون سا مکان تیری گنجائش رکھتا ہے، یعنی تیرے جلال اور عظمت کے لائق ہے؟ ارشاد ہوا، کہ "مومن بندے کا دِل"۔ داود علیہ السلام نے پوچھا اُسے کیونکر صاف کروں۔ حکم ہوا، کہ "عشق کی آگ اُس میں لگادے، تاکہ جو کچھ میرے سوا ہے سب کو جَلا دے"۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بناکر تیار فرمالیا، تو وحی آئی۔۔۔

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

اور اعلانِ عام کردو انسانوں میں حج کا، تو آئیں گے تمہارے پاس پاپیادہ اور دوڑ والی دبلی

يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾

اونٹنیوں پر، جو آیا کرتی ہیں دُور دراز راہ سے●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (اعلانِ عام کردو انسانوں میں حج کا) اور بیت اللہ کی زیارت کا۔ عرض کی "میری آواز کہاں تک پہنچے گی"۔ حکم پہنچا، کہ "تیرا کام آواز دینا ہے اور ہمارا کام آواز پہنچانا ہے"، تو ابراہیم علیہ السلام مقام پر۔۔یا۔۔کوہِ صفا پر آئے اور پکار کے کہا، کہ "اے مومنوں، خدا نے اپنے گھر کا حج تم پر فرض کردیا اور تم کو اس کی طرف بُلاتا ہے، اُس کا حکم قبول کرو"۔

حق تعالیٰ نے اُن کی آواز تمام ذرّوں اور ذُرّیتوں کو پہنچادی، اور سب کو اُن کی پکار کی آواز سنادی۔ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں حج کرنے والا تھا، اُس نے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ جواب میں کہا۔ ایک قول یہ بھی ہے، کہ یہ پکارنے کا حکم ہمارے رسولِ مقبول ﷺ کو ہے جن سے حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اَے محبوب! ﷺ 'لوگوں کو حج کے فرض ہونے کی خبر دے دو۔

جب تم اعلان کردو گے، (تو آئیں گے تمہارے پاس پا پیادہ اور) سوار (دوڑ والی دبلی اونٹنیوں پر، جو آیا کرتی ہیں دُور دراز راہ سے)۔۔الغرض۔۔تم پکارو کہ سوار اور پیدل لوگ حج کو آئیں گے۔

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ

تاکہ حاضر ہوجائیں اپنے فائدوں کے لیے، اور اللہ کا نام لیں جانے بوجھے دنوں میں،

عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ

اُن جانوروں کے ذبیحہ پر، جو ہم نے روزی فرمائی، چوپائے، تو اس میں سے کھاؤ اور نادار محتاج

الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا

کو کھلاؤ● پھر دور کریں اپنے جسمانی کچڑے کو، اور پوری کریں اپنی منتیں، اور طواف کریں

بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾

اِس قدیم گھر کا●

(تاکہ حاضر ہوجائیں اپنے) دُنیوی (فائدوں کے لیے) بھی۔ یعنی اُن کا آنا اُن کے حق میں دُنیوی حیثیت سے بھی منفعت بخش ہوگا۔۔الحاصل۔۔ایک طرف وہ دُنیا کا فائدہ (اور) دوسری طرف (اللہ) تعالیٰ (کا نام) بھی (لیں) اور اس کی تسبیح وتہلیل کریں (جانے بوجھے دنوں میں)، یعنی

ذی الحجہ کے پہلے دس۱۰ دن میں ۔۔یا۔۔نحر اور تشریق کے دنوں میں خدا کا نام لیں (اُن جانوروں کے ذبیحہ پر جو ہم نے روزی فرمائی چوپائے)۔یعنی چار پایوں میں سے یعنی اونٹ، گائے، بکرا وغیرہ کی قربانی کریں اور خدا کے نام پر ذبح کریں۔۔۔

مسلمانو! تم کافروں کا طریقہ مت اپناؤ جو قربانی کرتے تھے، تو قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔تو مسلمانو! تم خدا کے نام پر قربانی کرو، (تو اُس میں سے کھاؤ)۔یعنی اگر یہ 'تطوع' ہے، تو تم بلا تکلف کھا سکتے ہو، لیکن اگر یہ 'کفارے' کی قربانی ہو۔۔یا۔۔کسی جبر نقصان میں کی جارہی ہو، تو صاحبِ قربانی کو اُس کا گوشت کھانا جائز نہیں۔(اور) اِس قربانی کا گوشت کسی (نادار محتاج) یعنی عاجز مصیبت کے مارے محتاج فقیر (کو کھلاؤ)۔

بہتر یہ ہے کہ عام قربانی کے گوشت کے تین۳ حصے کیے جائیں، ایک خود کھائے اور اہل وعیال کو کھلائے، اور ایک حصہ احباب ورشتہ داروں کو دے، اور ایک حصہ فقراء کو صدقہ کردے۔ یہ حج کا اعلان اس لیے ہے، کہ تاکہ لوگ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوجائیں (پھر دور کریں اپنے جسمانی کچڑے کو)، یعنی اپنے بدن کے میل کو، مونچھیں کترا کر، ناخن کٹوا کے اور بغلوں وغیرہ کے بال لے کر، (اور) تاکہ (پوری کریں اپنی منتیں) جو نیک ہیں، (اور طواف کریں اِس قدیم گھر کا) جو آزاد ہے لوگوں کی ملک ہونے سے۔۔یا۔۔ظالموں کے تسلط سے۔۔یا۔۔قدیم گھر اس واسطے ہے کہ پہلا عبادت خانہ وہی ہے۔

اِس سے خانۂ کعبہ مراد ہے۔اور جس طواف کا ذکر ہے، اُس سے خاص طور پر طوافِ زیارت مراد ہے، جو حج کا رکن ہے۔اور طوافِ وداع، جو واجب ہے۔ جملہ طوافوں میں اِن دو۲ طوافوں کی خاص اہمیت ہے۔احکام واعمالِ حج کے تعلق سے اوپر جو باتیں کی گئیں ہیں۔۔۔

ذٰلِكَ ۠ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ

یہ ہے قانون۔اور جو تعظیم کرے اللہ کی بخشی حرمتوں کی، تو یہ بہت بہتر ہے اُس کے لیے اُس کے رب کے یہاں۔اور

اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ

حلال کردیے گئے تمہارے لیے سارے چوپائے، مگر وہ جو ظاہر کردیے گئے تم پر، تو بچو بتوں کی

مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝۳۰

گندگی سے، اور بچو جھوٹ کے بولنے سے●

(یہ ہے قانون) دینِ خداوندی کا، اور اللہ تعالیٰ کی بخشی حرمتیں ہیں، تو اِن احکامِ الٰہی کی ہتک حرمت روا نہیں، (اور) اِن کی تعظیم واجب ہے، تو (جو تعظیم کرے اللہ) تعالیٰ (کی بخشی حرمتوں کی، تو یہ بہت بہتر ہے اُس کے لیے اُس کے رب کے یہاں) ثواب کی راہ سے۔ تو سن لو! (اور) یاد رکھو! کہ (حلال کر دیے گئے تمہارے لیے سارے چوپائے) جن پر بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو (مگر وہ، جو ظاہر کر دیے گئے تم پر) یعنی جن کی حرمت تم پر ظاہر فرما دی گئی ہے۔۔ مثلاً: مُردار، سور کا گوشت اور اس کے سوا۔ منشاء یہ ہے کہ تم ظاہری و باطنی طور پر پاک وصاف رہو۔ (تو بچو) اور الگ رہو (بتوں کی گندگی سے)، یعنی بتوں سے کہ وہ خود عین ناپاکی ہیں۔ (اور بچو جھوٹ کے بولنے سے) یعنی الگ رہو جھوٹ بات سے، یعنی کسی غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرانے سے۔۔یا۔۔ جھوٹی گواہی دینے سے۔۔یا۔۔ اُس بات سے جو زبان پر آئے، مگر دل میں نہ ہو۔۔۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا

یکسو ہو کر اللہ کے لیے، اُس کا شریک نہ بناتے ہوئے۔ اور جو شریک بنائے اللہ کا، تو گویا

خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ

گر پڑا آسمان سے، کہ اچک لے اِسے پرند، یا اُڑا لے جائے اِسے ہوا،

فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ ﴿۳۱﴾

کہیں دُور جگہ●

(یکسو ہو کر اللہ) تعالیٰ (کے لیے) یعنی خلوص رکھنے والے رہو خدا کے ساتھ اور اس کے دین کی طرف مائل رہو۔۔ الختصر۔۔ دینِ اسلام پر ثابت قدم رہو (اُس کا شریک نہ بناتے ہوئے)۔ یعنی خدا کی ذات کے ساتھ تمہارا خلوص ایسا ہو جس میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو۔ (اور) سن لو کہ (جو شریک بنائے اللہ) تعالیٰ (کا، تو گویا گر پڑا آسمان سے)۔ یعنی وہ ایسا ہے کہ گویا آسمان سے زمین پر گر پڑا اور ہلاک ہو گیا۔

اور ظاہر ہے کہ جو اتنی بلندی سے گرے گا، اُس کے پرخچے اُڑ جائیں گے اور وہ اِس پوزیشن میں آ جائے گا۔۔۔

(کہ) زمین میں آنے سے پہلے ہی (اُچک لے اُسے پرند)۔۔یا۔۔ مُردار خور پرندے اُسے

زمین ہی پر نوچ نوچ کر اُس کے اجزاء کو متفرق کر دیں، (یا اُڑا لے جائے اُسے ہوا کہیں دُور جگہ)۔ یعنی گرادے ہَوا اُسے اونچے پر سے ایسی جگہ جو دُور ہو، فریادرس اور دستگیر سے۔

یہ کلمات 'تشبیہاتِ مرکبہ' میں سے ہیں، یعنی جو کوئی ایمان کی بلندی پر سے کفر کی پستی پر گرے، نفس کی خواہشیں اُسے پریشان اور پامال کرتی ہیں۔۔یا۔۔وسوسۂ شیطانی کی ہوائیں اُسے گمراہی کے جنگل میں ڈال دیتی ہیں۔خلاصۂ کلام مشرکوں کی ہلاکت ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآٮِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾

یہی بات ہے۔اور جو تعظیم کرے اللہ کی یاد دلانے والی چیزوں کی، تو یہ دل میں خوفِ خدا ہونے سے ہے●

(یہی بات ہے) اور یہی کام ہے، جو حکم فرمایا بتوں سے الگ رہنے اور جھوٹ بات سے بچنے کا۔اس لیے کہ ہلاکت سے بچنے کا یہی راستہ ہے۔ذہن نشین رہے کہ ہلاکت (اور) نامرادی سے وہ بچتا ہے، (جو تعظیم کرے اللہ) تعالیٰ (کی یاد دلانے والی چیزوں کی)، خواہ وہ مناسکِ حج ہوں ۔۔یا۔۔ہدیے۔اور ہدیوں کی تعظیم یہ ہے، کہ وہ فربہ بے عیب، بیش قیمت ہوں۔اور اُن کے علاوہ ہر وہ چیز جن کی بالواسطہ۔۔یا۔۔بلا واسطہ خدا کی طرف نسبت ہو۔۔مثلاً: رسول اللہ، کتاب اللہ، دین اللہ بیت اللہ، اولیاء اللہ، آثار و منسوباتِ محبوبانِ بارگاہِ خداوندی، وغیرہ وغیرہ۔(تو یہ) تعظیم دراصل (دل میں خوف خدا ہونے سے ہے)۔تو جس کے دِل میں خشیتِ الٰہی نہیں ہے، تو وہ اِن شعائرُ اللہ کی تعظیم کی اہمیت کا ادراک کیسے کر سکتا ہے؟ یاد رکھو کہ جو باتیں عذابِ الٰہی کا سبب ہوں، ان سے ڈرنا اور اپنے کو اُن سے محفوظ رکھنا، دِلوں کی پرہیز گاری ہے۔

لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۳۳﴾ ع ۸ | ۱۱

تمہیں ان چوپایوں میں فائدے ہیں مقرر میعاد تک، پھر اُن کو پہنچا دینا ہے اس قدیم گھر تک●

(تمہیں اِن) قربانی کے (چوپایوں میں فائدے ہیں) دودھ، اُون، بال، سواری، بوجھ لادنا، وغیرہ (مقرر میعاد تک)، وہ قربانی کا وقت ہے۔(پھر اُن کو پہنچا دینا ہے اُس قدیم گھر تک) جو آزاد ہے طوفان میں غرق ہونے سے۔۔یا۔۔بزرگ گھر تک۔۔الحاصل۔۔قربانی کے وقت پر اُس کے ذبح کی جگہ۔۔یا۔۔اُس جگہ جہاں اُسے ذبح کرنے کا واجب ہونا منتہی ہوتا ہے، قربانی کا جانور پہنچا دینا ضروری ہے۔اِس سے پہلے اُس سے جو فوائد حاصل کیے جا سکتے ہوں، اُن کو حاصل کرنے کی اجازت ہے۔

اَے ایمان والو! یہ قربانی کا حکم کچھ تمہارے لیے نیا نہیں ہے، بلکہ تم سے پہلے بھی ہر دین والوں۔۔۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا لِّيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ

اور ہر ایک امت کے لیے ہم نے کر دیا ہے ایک قربانی، تا کہ وہ اللہ کا نام لیں جو روزی فرمائی،

مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسۡلِمُوۡا ؕ

بے زبان چوپائے کے ذبیحہ پر۔ تو تمہارا معبود ہے اللہ اکیلا، تو اس کے لیے تم لوگ گردن ڈال دو،

وَبَشِّرِ الۡمُخۡبِتِيۡنَ ۝٣٤

اور تم خوشخبری دو ایسے بے نفسوں کو●

(اور ہر ایک امت کے لیے ہم نے کر دیا ہے ایک قربانی) یعنی ہم نے ہر امتِ مومنہ کے لیے مشروع کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کریں، (تا کہ وہ) صرف (اللہ) تعالیٰ ہی (کا نام لیں) اور اُسی کو یاد کریں۔ اُس کی یاد سے ہٹ کر غیر کی یاد میں مشغول نہ ہو جائیں، اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں قربانی کریں۔

یہاں بندوں کو تنبیہ ہے، کہ مناسک سے اصلی مقصود یادِ الٰہی ہے۔۔الغرض۔۔وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیں۔۔۔

(جو روزی فرمائی بے زبان چوپائے کے ذبیحہ پر)، یعنی ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کریں، کہ اُس کریم نے انہیں چار پائے جانور عطا فرمائے۔ (تو تمہارا) اور اِن کا سب کا (معبود ہے اللہ) تعالیٰ (اکیلا) جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ (تو اُس کے لیے تم گردن ڈال دو)، یعنی اُسی کے مطیع ہو جاؤ اور قربانی کو شرک سے نہ ملاؤ۔ (اور) اَے محبوب! (تم خوشخبری دو ایسے بے نفسوں کو) اُس عالَم میں بزرگی اور عظمت کی۔۔یا۔۔ڈرنے والوں کو رحمتِ بے غایت کی۔۔یا۔۔مشتاقوں کو دیدارِ الٰہی کی۔ اس واسطے، کہ کوئی خوشخبری اِس سے بڑھ کر نہیں۔

پھر عاجزوں کی صفت میں فرماتا ہے، کہ۔۔۔

الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَالصّٰبِرِيۡنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمۡ

وہ، کہ جب یاد کیا گیا اللہ، تو تھرا اٹھے اُن کے دل، اور صبر کرنے والے جو مصیبت آئے انہیں،

وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور پابندی کرنے والے نماز کے، اور جو ہم نے روزی دی اُس سے خرچ کیا کرتے ہیں●

یہ (وہ) ہیں (کہ جب یاد کیا گیا اللہ) تعالیٰ اُن کے سامنے، (تو) جلالِ ربانی کی ہیبت سے (تھرا اُٹھے اُن کے دل) اور انوارِ جاودانی کی عظمت سے چاہتے ہیں کہ شمع جمال کے شعلے میں اپنے کو پروانے کی طرح جلا دیں، اور اپنی ہمت کی آنکھ حضرتِ قدیم کے وجہِ مقدس کے سوا اور کی طرف سے بند کرلیں۔ تو مطلب برآنے کی خوشخبری انہیں دو، (اور) خوشخبری دو اُن کو جو (صبر کرنے والے) ہیں اِس پر (جو مصیبت آئے انہیں، اور) اُن کو جو (پابندی کرنے والے) ہیں (نماز کے) یعنی نماز کو ہمیشہ کما حقہ وقت پر ادا کرنے والے ہیں، (اور) اُن کو بھی جنہیں (جو ہم نے روزی دی اس) میں (سے خرچ کیا کرتے ہیں) نیک وجہوں اور اچھے مصرفوں میں۔۔۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا

اور ڈیل ڈول والے جانوروں کو ہم نے بنا دیا تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے، تمہاری اُن میں بھلائی ہے۔ تو اللہ کا نام لو،

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ

اُن پر وہ کھڑے ہی رہیں، پھر جب گر جائیں اپنی اپنی کروٹ، تو کھاؤ اُسے، اور

اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

کھلاؤ بے سوال محتاج کو اور سوالی فقیر کو۔ اِسی طرح قابو میں کر دیا انہیں تمہارے کہ شکر گزار رہو●

(اور ڈیل ڈول والے جانوروں کو) یعنی اونٹ گائیں جو قربانی کے لیے ہانکے لیے جاتے ہیں، اُن کے ذبح کو (ہم نے بنا دیا تمہارے لیے اللہ) تعالیٰ کے دین (کی نشانیوں سے)۔۔الغرض۔۔ (تمہاری اُن میں) دینی اور دنیوی دونوں طرح کی (بھلائی ہے۔ تو اللہ) تعالیٰ (کا نام لو اُن) کے ذبح (پر) اِس حال میں کہ (وہ کھڑے ہی رہیں)۔

ذہن نشین رہے کہ اونٹ کو کھڑے کھڑے ہی نحر کرنا سنت ہے، اور بعضے نحر کے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ مِنْكَ وَاِلَیْكَ کہتے ہیں۔

(پھر جب گر جائیں) زمین پر (اپنی اپنی کروٹ) اور اُن کی روح نکل جائے، (تو کھاؤ اُسے) یعنی اُن کے گوشت میں سے۔ اور یہ کھانا سنت ہے۔ (اور) اس میں سے (کھلاؤ بے سوال

محتاج کو)، یعنی اُس فقیر کو جو قناعت والے ہیں اور سوال نہیں کرتے۔ (**اور سوالی فقیر کو**) یعنی خواہش کرنے والے سائل کو۔

ایک قول کے مطابق قانع سے مکہ کے فقیر مراد ہیں اور **مُعْتَرّ** سے آفاقی فقیر۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے اُن ڈِیل ڈول والے جانوروں کے نحر کی کیفیت بیان کی۔۔۔

(**اسی طرح قابو میں کرادیا اُنہیں تمہارے**)، کہ باوصف اِس کے کہ اُن کی قوت زیادہ اور جثہ بڑا ہے، تم انہیں پکڑتے کھولتے باندھتے ہو، یعنی تمہارے اشارے پر چلتے ہیں۔ یہ کرم ہم نے اس لیے فرمایا، تا (کہ) تم (**شکر گزار رہو**) اور خدا کی نعمتوں پر اُس کا شکر کرتے رہو۔

روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ قربانیوں کا خون کعبہ شریف کی دیواروں پر ملتے تھے، اور اِس کو تقرب کا سبب جانتے تھے۔ تو جب ابتدائے اسلام میں اُسی اگلے قاعدے کے موافق کعبۂ معظم کی دیوارِ محترم کو خون سے آلودہ کرنے کا ارادہ کیا، تو حق تعالیٰ نے اِس بات سے منع کر کے فرمایا۔۔۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

نہیں پہنچتا اللہ کو اُن سب کا گوشت، اور نہ خون، ہاں پہنچتا ہے اُس تک تمہارا اللہ سے ڈرنا۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

اِسی طرح قابو میں دے دیا انہیں تم لوگوں کے، کہ تکبیر بولو سب اللہ کی جو راہ دی تمہیں۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾

اور خوشخبری دو تم احسان والوں کو●

کہ (**نہیں پہنچتا اللہ**) تعالیٰ (**کو اِن سب کا گوشت**) جو تم صدقہ دیتے ہو۔ (**اور نہ**) ہی اِن کا (**خون**) جو قربانی کے وقت گراتے ہو۔ (**ہاں پہنچتا ہے اس تک تمہارا اللہ**) تعالیٰ (**سے ڈرنا**)، یعنی محل قبولیت میں اُس کی جناب میں وہ چیز پہنچتی ہے جس چیز کے ساتھ تم سے پرہیز گاری ملی ہے، اور وہ حکم الٰہی کی تعظیم ہے، اور اچھی طرح قربانی کر کے اُس کا قرب حاصل کرنا ہے۔

جس طرح ذکر کیا گیا (**اُسی طرح قابو میں دے دیا انہیں تم لوگوں کے**) تا (کہ) ذبح کے وقت (**تکبیر بولو سب اللہ**) تعالیٰ (کی)۔۔یا۔۔ ہمیشہ بڑائی کے ساتھ یاد کرو خدا کو اُس کے اُس فضل و

کرم کو یاد کرتے ہوئے (جو راہ دی تمہیں)، یعنی تمہیں قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے اور خدا سے قرب ڈھونڈنے کی ہدایت فرمائی۔ تو اَے محبوب! بتادو (اور خوشخبری) دے (دو، تم احسان والوں کو)۔ یعنی نیک کام کرنے والوں کو جنت کی۔۔یا۔۔قبولِ طاعت کی۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

بے شک اللہ ٹال دیتا ہے بَلا کو اُن سے، جو اُسے مان گئے۔ بے شک اللہ نہیں پسند فرماتا

كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

کسی دغاباز ناشکرے کو●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (ٹال دیتا ہے بَلا کو اُن سے جو اُسے مان گئے)۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ باز رکھتا ہے مشرکوں کے فتنے کو اُن لوگوں سے جو ایمان لائے، یعنی انہیں دشمنوں پر فتح دیتا ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا کسی دغاباز ناشکرے کو) جو دین کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور خدا کی نعمت پر ناشکرا ہے، کہ حق تعالیٰ تو محض نعمت عطا فرمانے کی راہ سے چار پائے عطا کرتا ہے، اور یہ مشرک لوگ اُسے بتوں کے نام پر قربان کرتے ہیں۔۔۔

مکہ کے کافر ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذاء دینے کی کوشش کرتے تھے، اور اصحاب میں ہر گھڑی ایک نہ ایک سر پھٹا، ہاتھ بندھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آتا اور کفار کی شکایت زبان پر لاتا۔ آپ ﷺ فرماتے کہ صبر کرو اُن کے ساتھ قتال کرنے کا ابھی مجھے حکم نہیں۔ جب ہجرت کر کے آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو قتال کا حکم آ گیا اور اِس باب میں پہلی آیت جو نازل ہوئی، وہ یہ ہے، کہ۔۔۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

اجازتِ جنگ دے دی گئی انہیں، جن سے جنگ کی جارہی ہے، کہ وہ مظلوم ہیں۔ بے شک اللہ اُن کی مدد پر قدرت رکھتا ہے●

(اجازتِ جنگ دے دی گئی اُنہیں جن سے جنگ کی جارہی ہے)۔ یعنی کافر لوگ جن ایمان والوں سے جنگ کر رہے ہیں، اُن ایمان والوں کو بھی دِفاعی جنگ کی اِجازت دے دی گئی، کیوں (کہ وہ مظلوم ہیں)، دشمنوں کی جفائیں بہت سہہ چکے ہیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (اُن کی مدد پر قدرت رکھتا ہے)، یعنی مظلوموں کی جو نبی کریم کے اصحاب ہیں مدد پر قادر ہے۔۔۔

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ

جو نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق، مگر یہ کہ "کہا کرتے کہ ہمارا پالنے والا اللہ ہے۔"

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ

اور اگر نہ ہوتا ہٹاتے رہنا اللہ کا لوگوں کو، بعضوں کو بعض سے، تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں، اور عیسائیوں کے گرجے،

وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ

اور یہودیوں کے عبادت خانے، اور مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں یاد کیا جاتا ہے اللہ کا نام بہت۔

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۴۰﴾

اور ضرور مدد فرمائے گا اللہ اُس کی، جو اُس کے دین کی مدد کرے، بے شک اللہ ضرور قوت والا غلبے والا ہے●

(جو نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق) ۔آخر اُن سے کون سی ایسی بات ہوگئی جس سے اُن کو شہر بدر کردینا ضروری سمجھا گیا **(مگر یہ کہ کہا کرتے، کہ ہمارا پالنے والا اللہ)** تعالیٰ **(ہے)**۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب قرار دیتے تھے، اور اُس کی وحدانیت کا اقرار کرتے تھے۔ یہ تو حقیقت میں کوئی ایسی جرم کی بات نہ تھی، مگر اُن ظالموں نے اِس سچائی کے اقرار کو بھی جرم قرار دے دیا۔

حق کے خلاف کافروں کی منفی سوچ (اور) اُن کی بے جا خواہش کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے، کہ **(اگر نہ ہوتا ہٹاتے رہنا اللہ)** تعالیٰ **(کا لوگوں کو بعضوں کو بعض سے)**، یعنی مسلمانوں کو کافروں پر غالب کر کے اُن کے ذریعہ اُنہیں دفع نہ کرتا اور انہیں مغلوب کر کے ایک کنارے نہ لگادیتا، تو وہ ہرگز ہرگز اپنی تخریبی کاروائیوں سے باز نہ آتے، اور اگر اُن کو مسلمانوں پر غلبہ مل جاتا، پھر **(تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں)** یعنی درویشوں کے خلوت خانے، **(اور عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں یاد کیا جاتا ہے اللہ)** تعالیٰ **(کا نام بہت)**۔تو جو خدا کے نام ہی سے چڑھتا ہوگا، تو غلبے کی صورت میں اِن مقامات کو کیوں رہنے دے گا جہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و کبریائی اور اُس کی توحید کا چرچا ہوگا۔

مذکورہ بالا سارے مقامات خدا کی ربوبیت اور اُس کی توحید کے چرچے کی جگہیں تھیں۔

یہ تو بعد کے یہود و نصاریٰ نے اپنے عبادت خانوں کو مشرکانہ اعمال و حرکات سے ملوث کرلیا ۔۔الحاصل۔۔ حق تعالیٰ کو منظور نہیں کہ مشرکین و کفار کا غلبہ ہو اور خدا کے ذکر کرنے کے مقامات برباد اور ویران ہوجائیں۔

۔۔تو۔۔یقیناً (اورضرور مدد فرمائے گا اللہ) تعالیٰ (اُس کی جواُس کے دین کی مدد کرے)، اوراعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے اپنے مقدور بھر جدوجہد کرتا ہے۔۔نیز۔۔دین کے فروغ واِرتقاء کی راہ میں ہرآنے والی رکاوٹ دُور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور قوت والا غلبے والا ہے)۔وہ مومنوں کی مدد پر قادِر ہے اور سب لوگوں پر غالب ہے، اور سب چیزوں پر خدا جسے چاہے غالب کردے۔

اِس آیت میں حق تعالیٰ نے مظلوم صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدد دینے کا وعدہ فرمایا اور وعدہ پورا بھی کیا، کہ روم اور ایران کے بادشاہوں کا ملک ومال انہیں عطا فرمایا۔ پھر دوبارہ ان لوگوں کی صفت میں فرماتا ہے جنہیں قتال کی اجازت دی۔۔چنانچہ۔فرماتا ہے، کہ یہ۔۔۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

وہ لوگ کہ جہاں ہم نے مضبوط کیا انہیں اِس ملک میں، تو انہوں نے برپا کرہی دیا نماز کو، اور دیتے ہی رہے زکوٰۃ،

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اور حکم دیا کیے نیکی کا، اور روکا ہی کیے بُرائی سے۔اور اللہ کے لیے سب کاموں کا انجام ہے●

(وہ لوگ) ہیں، (کہ) اپنی رحمتِ شاملہ سے (جہاں ہم نے مضبوط کیا انہیں اُس ملک میں، تو اُنہوں نے برپا کرہی دیا نماز کو) میری تعظیم کے واسطے، (اور دیتے رہے زکوٰۃ) میرے بندوں کی مدد کرنے کے لیے اور انہیں خرچ کرنے کے لیے، (اور حکم دیا کیے نیکی) اور بھلائی، (کا اور روکا ہی کیے بُرائی سے)۔یعنی اُن باتوں سے جسے عالم وفاضل اور دینی شعور رکھنے والے بُرا جانتے ہیں۔(اور اللہ) تعالیٰ (کے لیے سب کاموں کا انجام ہے)۔یعنی سب کاموں کا انجام وہی ہوتا ہے جو وہ چاہے۔

اَے محبوب! 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' قریش کے مشرک اگر تمہاری تکذیب کریں تو تم رنج نہ کرو، کیونکہ قوم کا تکذیب کرنا کچھ تمہارے ہی ساتھ خاص نہیں ہے۔۔۔

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾

اور اگر جھوٹے جھٹلاتے ہیں تمہیں، تو جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد وثمود●

وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى

وقومِ ابراہیم وقومِ لوط● اور مدین والے۔اور جھٹلائے گئے موسیٰ،

فَاَمۡلَیۡتُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُہُمۡ ۚ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۴۴﴾

تو میں نے مہلت دی کافروں کو، پھر انہیں پکڑا۔ تو کیسا میرا عذاب تھا●

(اور) یہ صرف تمہارے ہی ساتھ نہیں ہو رہا ہے، تو (اگر جھوٹے جھٹلاتے ہیں تمہیں، تو جھٹلا چکے ہیں اِن) سردارانِ مکہ (سے پہلے نوح کی قوم اور) گروہِ (عادو) قومِ (ثمود● وقومِ ابراہیم وقومِ لوط● اور مدین والے) اپنے اپنے عہد اور اپنے اپنے اندر مبعوث ہونے والے نبیوں کو، یعنی حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، اور حضرت شعیب علیہم السلام کو۔

(اور جھٹلائے گئے موسیٰ) مگر اُن کو اُن کی قوم بنی اسرائیل نے نہیں جھٹلایا، بلکہ قبطیوں نے جھٹلایا، (تو میں نے مہلت دی کافروں کو) یہاں تک کہ اُن کے اوقاتِ مقررہ آپہنچے، تو (پھر انہیں پکڑا) ، یعنی لے لیا میں نے انہیں طوفان، آندھی، کڑک، مچھروں کے لشکر، پتھر برسنے، ڈوبنے اور یَوۡمِ الظُّلَّۃِ کے عذاب میں۔ (تو کیسا میرا عذاب تھا) اور کیسا تھا میرا انہیں ناپسند کرنا۔ یعنی جب اُن کا کام میں نے ناپسند کیا، تو نعمت کو محنت سے، زندگی کو ہلاکت سے، اور عمارت کو خرابی سے بدل دیا۔

فَکَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا وَ ہِیَ ظَالِمَۃٌ فَہِیَ خَاوِیَۃٌ

اور کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ویران کر دیا کہ وہ اندھیر نگری تھیں، تو وہ اپنی چھتوں پر

عَلٰی عُرُوۡشِہَا وَ بِئۡرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ ﴿۴۵﴾

گری پڑی ہیں، اور کنوئیں کتنے بے کار ہیں، اور کتنے مضبوط محل●

(اور کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ویران کر دیا کہ وہ اندھیر نگری تھیں)۔ وہاں کے رہنے والے مشرک اور ظالم تھے، (تو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں)۔ پہلے اُن مکانوں کی چھتیں گریں، پھر اُن پر دیواریں گر پڑیں (اور کنوئیں کتنے بے کار ہیں) کہ اُن سے پانی لینے والے سب کے سب ہلاک ہو گئے ہیں، اور کوئی نہیں کہ اُن کا پانی لے کر نعمت حاصل کرے۔ (اور کتنے مضبوط محل) کہ اُنہیں ہم نے اُن کے رہنے والوں سے خالی کر دیا۔

اکثر معتبر تفسیروں میں ہے، کہ یہ کنویں ایک پہاڑ کے نیچے حضر موت میں تھے اور محل اُس پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ 'عاد ثانی' کا بیٹا 'منذر' اُس محل کا بانی تھا۔ قومِ ثمود کے لوگ جب ہلاک ہوئے، تو صالح علیہ السلام چار ہزار مومنوں سمیت دیارِ یمن میں آئے اور اُس ملک کے بعض

مکانوں میں حضرت صالح علیہ السلام پرموت حاضر ہوئی۔ غالبًا اِسی وجہ سے اُس کا نام 'حضرموت' رکھا۔ بعدازاں اُن کے ساتھیوں نے جلاس بن سویدا۔۔یا۔۔جلیس بن جلاس کو اپنے اوپر حاکم کرلیا، اور سخاریب بن سوادہ کو اُن کی وزارت دے دی۔ اور اُس کنویں پر کہ **بِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ** کہہ کر جس کی طرف حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے، وہ ٹھہرے اور قصرِ مشید تیار کیا، اور ایک مدت کے بعد اُن کی اولاد نے بت پرستی شروع کی، اور اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گئے۔ اور حنظلہ بن صفوان ایک پیغمبر جو اُن کے پاس آئے تھے، اُنہوں نے اُن کو بڑی ذلت اور خواری کے ساتھ قتل کیا، اور حق تعالیٰ نے اُن لوگوں کو ہلاک کیا، اور اُن کا کنواں بے کار اور محل خالی پڑا رہا۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ

تو کیا ملک میں نہیں گھومے، کہ ان کے دل ہوجائیں جس سے سمجھیں، یا کان ہوجائیں

یَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ

جس سے سن سکیں۔ کیونکہ آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں، لیکن ہاں

تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾

سینوں میں دل اندھے ہوجاتے ہیں●

(تو) اَے محبوب! (کیا) تمہاری قوم کے لوگ (**ملک میں نہیں گھومے**) یعنی سیر نہیں کی، اور نہ ہی سیر کرتے ہیں یمن اور شام کی زمین میں، تا (کہ) عذاب کی نشانیاں منکروں کے دروازوں پر مشاہدہ کر کے عبرت پکڑیں، اور (**اُن کے دِل ہوجائیں جس سے سمجھیں**)۔ ایسی چیز جو بصیرت حاصل ہونے۔۔یا۔۔عبرت پکڑنے کی سبب ہو۔ (**یا**) اُن کے واسطے دُور تک کے حالات اور واقعات سننے والے (**کان ہوجائیں، جس سے سن سکیں**) اگلی امتوں کی خبریں اور اُن کے واقعے۔

تو قصہ یہ ہے کہ آنکھوں کے اندھے نہیں ہیں، (**کیونکہ آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں**)۔ تو اِن کی آنکھوں میں کچھ خلل نہیں، وہ سب چیزیں دیکھتے ہیں، (**لیکن ہاں سینوں میں دل اندھے ہوجاتے ہیں**) عبرت کی نظر کرنے سے۔۔الغرض۔۔اُن کے دِل کی آنکھیں اگلی قوموں کا حال دیکھنے سے بند ہیں، تو کسی طرح اُن کے حال سے عبرت نہیں لیتے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ

اور جلد بازی مچار ہے ہیں تم سے عذاب کی، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہ کرے گا،

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾

اور بلاشبہ ایک دن تمہارے پروردگار کے یہاں، جیسے ہزار سال ہے، جس قاعدے سے تم شمار کیا کرتے ہو●

(اور) اَے محبوب! عبرت لینا تو بڑی بات، یہ نضر بن حارث اور اُس کے سوا دوسرے کفار (جلد بازی مچار ہے ہیں تم سے عذاب کی)، یعنی اُس عذاب کے نازل ہونے کی جس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اِن نادانوں کو معلوم ہونا چاہیے، کہ عذابِ موعود تو آئے گا ہی، (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ اور بلاشبہ ایک دن تمہارے پروردگار کے یہاں، جیسے ہزار سال ہے جس قاعدے سے تم شمار کیا کرتے ہو)۔ یعنی خدا کے نزدیک ایک دن اور ہزار برس برابر ہے۔ اِس واسطے کہ زمانہ کا حکم اس پر جاری نہیں۔ تو اُس کا ہونا نہ ہونا، کمی زیادتی اُس کے نزدیک یکساں ہے۔ جب چاہے عذاب بھیج دے اور یہ جلدی کرنے سے، کہ عذاب کا زمانہ جلد آجائے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔۔۔ یہ فہم و فراست سے عاری لوگ عذاب نازل کرنے میں تاخیر کی حکمت بھی سمجھنے سے عاجز رہے۔۔۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ

اور کتنی آبادیاں ہیں جن کو میں نے ڈھیل دی، اور وہ اندھیر نگری تھیں، پھر دھر پکڑ کی اُن کی۔

وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾

اور میرے ہی طرف پھرنا ہے●

ع ١٤

(اور) یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ (کتنی آبادیاں ہیں جن کو میں نے ڈھیل دی)، یعنی توبہ کرنے اور حق کی طرف پھرنے کا موقع دیا (اور) باوجود اِس کے کہ (وہ اندھیر نگری تھیں)، ہم نے اُنہیں راہِ حق پر آنے کی مہلت دی۔ جب اُنہوں نے اُس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا، اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے، تو (پھر دھر پکڑ کی) میں نے (اُن کی) اور اُنہیں سخت دُنیوی عذاب میں مبتلا کر دیا۔ (اور) اُنہیں آخرت میں بھی (میرے ہی طرف پھرنا ہے) اور وہاں بھی جزاء کو پہنچیں گے۔ تو اَے محبوب! آپ، لوگوں کو جو دُنیا و آخرت کے عذاب کے لیے خود اُن کی بھلائی کے لیے ڈرا رہے ہیں ڈراتے رہیں۔ اور اُن سے۔۔۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَـكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

کہہ دو کہ "اے لوگو! میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہی ہوں"● تو جو مان گئے،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۵۰﴾

اور لیاقت والے کام کیے، اُن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی●

(کہہ دو، کہ اَے لوگو! میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہی ہوں) تو جس چیز سے ڈراتا ہوں اُسے ظاہر بھی کر دیتا ہوں۔ (تو) میرے ڈرانے سے (جو) خشیتِ الٰہی والے ہو گئے، اور (مان گئے)، اور ایمان لائے اُس چیز کا جس کا ایمان لانا واجب ہے، (اور لیاقت والے کام کیے)، یعنی نیک اعمال انجام دیے، تو (اُن کے لیے بخشش ہے) گزرے ہوئے گناہوں سے۔ (اور عزت کی روزی) ہے کہ دُنیا میں بے منت اور بے رنج اُن کے لیے رزقِ حلال ہے۔۔یا۔۔آخرت میں اُن کے لیے بہشت ہے۔

وَالَّذِيۡنَ سَعَوۡا فِىۡۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰۤئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۵۱﴾

اور جنہوں نے دوڑ لگائی ہماری آیتوں میں، کہ ہرا دیں، وہ ہیں جہنم والے●

(اور جنہوں نے دَوڑ لگائی ہماری آیتوں میں کہ ہرا دیں)، یعنی جن لوگوں نے قرآنِ کریم کی آیات کو باطل کرنے کی کوشش کی اور چاہتے ہیں، کہ ہم سے دَر گزریں اور سبقت لے جائیں، اور ہمارا عذاب اُن سے فوت ہو جائے، تو یہ لوگ کسی خام خیالی میں نہ رہیں، اور سمجھ لیں کہ (وہ ہیں جہنم والے)، اور ہمیشہ اُس کی جلتی ہوتی آگ میں رہنے والے۔

آیاتِ قرآنیہ میں بے جا دخل اندازی کے تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ جب سورۂ نجم نازل ہوئی، تو حضرت سیدِ عالم ﷺ مسجدِ حرام کے اندر قریش کے مجمع میں یہ سورت پڑھتے تھے، اور آیتوں کے درمیان میں توقف فرماتے تھے، تاکہ لوگ غور سے سن کر یاد کر لیں۔ جب یہ آیات کہ اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ﴿۲۰﴾ پڑھ کر آپ ٹھہرے، تو شیطان نے موقع پاکر مشرکوں کے کان میں پہنچا دیا کہ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْجٰى یعنی لات، عزیٰ، منات، قوم کے بزرگ ہیں۔۔یا۔۔اونچے اڑنے والے مرغ ہیں، اور اُن سے شفاعت کی امید رکھنا چاہیے۔

کافر لوگ یہ فقرہ سن کر بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے یہ

کلمات بھی پڑھے اور اُن کے بتوں کی تعریف کی۔ تو سورت کے آخر میں سجدہ کی آیت پڑھ کر جب آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سمیت سجدہ کیا، تو خواہ مخواہ اکثر مشرک بھی یہ سجدہ کرنے میں شریک ہوئے۔ پس حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے نازل ہو کر یہ حال آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ یہ ماجرا سن کر حضرت ﷺ کا دِل مبارک نہایت غمگین ہوا، تو حق تعالیٰ نے آپ کے دِل کو تسلی دینے کے واسطے یہ آیت نازل فرمائی۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول، نہ نبی، مگر یہ کہ جب پڑھا،

اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ

تو شیطان نے اپنی طرف سے اپنوں کے لیے بڑھا دیا اُن کے پڑھنے میں، تو میٹ دیتا ہے اللہ جو شیطان کا اِلقاء ہے،

ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾

پھر مضبوط فرما دیتا ہے اللہ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ اَے محبوب! (نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول نہ نبی)۔

رسول اور نبی میں فرق یہ ہے، کہ رسول صاحبِ شریعت ہے اور نبی اُس کا تابع ہے اُس شریعت میں، جیسے حضرت لوط تابع تھے حضرت ابراہیم کے، حضرت یوشع تابع تھے حضرت موسیٰ کے، اور حضرت شمعون تابع تھے حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے۔۔یا۔۔رسول پکارنے والا ہے خاص شریعت کی طرف، اور نبی عام ہے اور شامل ہے اسے بھی اور دوسرے کو بھی جو پہلی شریعت مقرر کرنے والا ہو، تو نبی بہت عام ہے رسول سے۔

اور بعضوں نے کہا کہ رسول وہ ہے، کہ معجزہ کو اُس کتاب کے ساتھ جمع کرے جو اُس پر نازل کی گئی، اور نبی کہ غیر رسول ہوتا ہے وہ ہے، جس پر کتاب نازل نہ ہو۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ رسول وہ ہے جس کے پاس فرشتہ وحی لے کر آئے اور نبی وہ ہے جو آواز سنے۔۔یا۔۔ اُسے الہام ہو۔۔یا۔۔خواب دیکھے۔ پس بہر تقدیر حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ میں نے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔۔۔

(**مگر یہ کہ جب پڑھا، تو شیطان نے اپنی طرف سے اپنوں کے لیے بڑھا دیا اُن کے پڑھنے میں**)۔ یعنی جب انہوں نے تلاوت کی، تو ڈال دیا شیطان نے اُس کی تلاوت کے وقت جو کچھ چاہا اِس

طرح پر کہ لوگوں کو شبہ ہوا، کہ یہ بھی پیغمبر نے پڑھا۔

جیسے ہمارے رسولِ اکرم ﷺ نے جب تلاوت فرمائی، تو اُس شیطان نے جسے 'ابیض' کہتے ہیں، آپ کی آواز بنا کر وہ کلمات پڑھ دیے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اور ایک جماعت نے یہ گمان کیا، کہ یہ کلمات بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھے۔

(تو میٹ دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (جو شیطان کا اِلقاء ہے)۔ یعنی باطل وزائل کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ وہ چیز جو شیطان نے کلماتِ کفر میں سے ملادی ہے۔ (پھر مضبوط فرما دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (اپنی آیتوں کو)۔ یعنی ثابت کر دیتا ہے اپنی آیتیں جو اُس کا پیغمبر پڑھتا ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے اور جاننے والا ہے لوگوں کے احوال کا، اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے حق حکم اُن پر۔۔۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

تا کہ کر دے اِلقاءِ شیطانی کو آزمائش، اُن کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے،

وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۙ﴿۵۳﴾

اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور بے شک اندھیر والے پرلے سرے کے جھگڑالو ہیں●

(تا کہ کر دے اِلقاءِ شیطانی کو آزمائش) یعنی شیطان انبیاء علیہم السلام کی تلاوت کے وقت جو اِلقاء کرتا ہے، یہ حق تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے (اُن کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے) کفر کی، یعنی منافق لوگ۔ (اور) اُن کے لیے (جن کے دل سخت ہیں) اور تاریک ہیں۔

کلام کا حاصل یہ ہے کہ منافق اور مشرک لوگ شیطان کے اِلقاء سے شک اور حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔

(اور بے شک) یہ دل کے بیمار اور دل کے سخت، دونوں (اندھیر والے) اور (پرلے سرے کے جھگڑالو ہیں)، اُن میں تکبر وعناد بے پایاں ہے۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ

اور تا کہ جان لیں وہ، جنہیں علم دیا گیا ہے، کہ بلا شبہ یہی ٹھیک ہے تمہارے رب کی طرف سے،

فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

تو اس کو مان جائیں، پھر گرویدہ ہو جائیں اِس کے اُن کے دل۔ اور بے شک اللہ ضرور راہ دینے والا ہے انہیں جو مان چکے ہیں،

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

سیدھی راہ کی طرف●

(اور) اس شیطانی اِلقاء میں یہ بھی حکمت ہے، (تا کہ جان لیں وہ جنھیں علم دیا گیا) یعنی قرآن دیا گیا (کہ بلاشبہ یہی ٹھیک ہے تمہارے رب کی طرف سے) نازل ہوا ہے، شیطان کو اس میں تصرف کی مجال نہیں۔ (تو اِس کو مان جائیں) یعنی قرآن کا ایمان لائیں (پھر گرویدہ ہو جائیں اِس کے اُن کے دِل)، یعنی قرآن کے واسطے اُن کے دل نرم ہو جائیں، وہ قرآنی احکام کو دِل سے مان لیں۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور راہ دینے والا ہے اُنھیں جو مان چکے ہیں، سیدھی راہ کی طرف) یعنی جو بات مومنوں پر مشکل ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ انہیں راہ دکھا دیتا ہے، نظرِ صحیح اور فکرِ سلیم کے ساتھ، تا کہ جلدی اپنے مقصود کو پہنچ جائیں۔۔۔اب رہ گئے کفر والے۔۔۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

اور ہمیشہ وہ جو کافر ہے، شک میں رہیں گے اِس کی طرف سے، یہاں تک کہ آجائے اُن پر

السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

قیامت اچانک، یا آجائے اُن پر عذاب اُس دن کا جس کا اچھا پھل نہیں●

(اور) شک وشبہ میں مبتلا افراد، تو (ہمیشہ وہ جو کافر ہے، شک میں رہیں گے اِس کی طرف سے)، یعنی قرآن۔۔یا۔۔رسول۔۔یا۔۔اِلقاءِ شیطانی کے تعلق سے اُن کے شکوک مٹ نہیں سکتے۔ اِس واسطے کہ مکہ کے کافر کہتے تھے، کہ محمد ”صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم“ کو کیا ہو گیا ہے جو ہمارے بتوں کی تعریف سے پشیمان اور شرمندہ ہو گیا۔ تو وہ ہمیشہ شک ہی میں ہیں، (یہاں تک کہ آجائے اُن پر قیامت) یعنی موت جو قیامتِ صغریٰ ہے ۔۔یا۔۔آئیں اُن کے سامنے علاماتِ قیامت (اچانک۔۔یا۔۔آجائے اُن پر عذاب اُس دن کا جس کا اچھا پھل نہیں)، جس دن اُن کی نسل گر جائے، جیسے جنگِ بدر کا دن۔ ایک قول کے مطابق روزِ عقیم سے قیامت کا دن مراد ہے جس کے بعد کوئی دن نہ ہوگا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

بادشاہی اُس دن صرف اللہ کی ہے، جو فیصلہ فرمائے گا اِن کا۔ تو جس نے مانا اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿٥٦﴾

لیاقت کے کام کیے، عیش کے باغوں میں ہیں●

(بادشاہی اُس دِن صرف اللہ) تعالیٰ (کی ہے)۔ یعنی اُس دِن سلطنت وحکومت خدا ہی کے واسطے ہے، بے کسی مدعی اور جھگڑنے والے کے۔ آج تو بادشاہوں کو سلطنت اور ملک داری کا دعویٰ ہے، اور اُس دن متکبروں سے تکبر کا پٹکا کھول لیں گے، اور بادشاہوں کے سر سے زبردستی کا تاج اُتارلیں گے۔ اُن کے دعوے اور گمان جاتے رہیں گے۔ مالک الملک اُن بادشاہوں کے تصورات اور تخیلات مٹادے گا۔ **اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ** کی ضرب سے سلاطین کے توہمات اور تفکرات کی چٹانوں کو توڑ دے گا۔ سب کو بندگی کے اِظہار اور بے چارگی کے اِقرار کے سوا چارہ نہ ہوگا۔

وہ مالک الملک بغیر کسی کی شرکت کے **(جو) چاہے گا (فیصلہ فرمائے گا ان کا)**، یعنی مومن اور کافر بندوں کا۔ **(تو جس نے مانا)** یعنی ایمان لائے، **(اور لیاقت کے کام کیے)** یعنی نیک اعمال انجام دیے، تو وہ خوش نصیب **(عیش کے باغوں میں)** رہنے والے **(ہیں)** ناز ونعمت کے ساتھ، بے رنج و محنت۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿٥٧﴾ ع ٩/١٤

اور جس نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو انہیں کے لیے ہے عذاب ذلیل کرنے والا●

(اور جس نے انکار کیا) یعنی کافر رہے **(اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو)**، یعنی قرآنِ کریم کو۔۔۔یا۔۔۔ نبی کے معجزات کو، **(تو اُنہیں کے لیے ہے)** جہنم کا **(عذاب)**، جو **(ذلیل کرنے والا)** اور رسوا کرنے والا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

اور جنھوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں، پھر شہید کر دیے گئے یا انتقال کیا،

لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿٥٨﴾

ضرور اللہ اُن کو اچھی روزی دے گا۔ اور بلا شبہ اللہ ضرور سب سے اچھی روزی دینے والا ہے●

(اور جنھوں نے ہجرت کی) اور اپنے گھروں سے نکل گئے **(اللہ)** تعالیٰ **(کی راہ میں)**، یعنی

خدا کی اطاعت میں اور اُسی کی رضا کے واسطے، (**پھر شہید کردیے گئے**) جہاد کر کے دین کے دشمنوں کے ہاتھ سے، (**یا انتقال کیا**) اپنی طبعی موت سے، تو (**ضرور اللہ**) تعالیٰ (**اُن کو اچھی روزی دے گا**)۔ اور وہ جنت کی نعمت ہے جسے حاصل کرنے میں کچھ محنت نہ ہوگی، اور نہ ہی اُسے کھانے سے کوئی بیماری یا علالت ہوگی، اور نہ اُس روزی کے رکنے کا کوئی دغدغہ ہوگا۔۔۔

بعضے صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ہم دینی بھائیوں کے ایک گروہ کے ساتھ جہاد کو جاتے ہیں اور وہ شہید ہو کر خدا کے عطیوں سے مشرف ہوتے ہیں۔ اگر ہم شہید نہ ہوں، اپنی موت مریں، تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ جب سب جہاد کی نیت میں متفق ہیں، تو سب کو ہم نیک روزی دیں گے۔۔الحاصل۔۔ **جہاد پر جانے والے خواہ شہید ہوں یا طبعی موت مریں، ثواب سب کے لیے برابر ہے۔ کیونکہ اُن سب کا پروگرام ایک ہے، یعنی تَقَرُّبُ اِلَی اللّٰہِ اور نصرتِ دین وغیرہ۔**

(**اور بلاشبہ اللہ**) تعالیٰ (**ضرور سب سے اچھی روزی دینے والا ہے**) تو وہ ہی بہتر ہے روزی دینے والوں سے، اس واسطے کہ بے حساب دیتا ہے۔۔۔

لَيُدۡخِلَنَّهُمۡ مُّدۡخَلًا يَّرۡضَوۡنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ﴿۵۹﴾

تا کہ داخل فرمائے انہیں ایسی جگہ جو وہ پسند کرتے ہوں۔ اور بے شک اللہ ضرور عِلم والا حِلم والا ہے●

(**تا کہ داخل فرمائے انہیں**) بہشت میں اِس شان وشوکت کے ساتھ جو خود اُس نے پسند فرمایا اور (**ایسی جگہ جو وہ پسند کرتے ہوں**)۔۔چنانچہ۔۔فرشتوں کو جنتیوں کے اِستقبال کے لیے بھیجے گا اور تعظیم کے ساتھ انہیں جنت میں داخل کرے گا، اور جو نعمتیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں، نہ ہی کسی بشر کے دل میں گزریں، وہ اُنہیں دے گا۔ (**اور بے شک اللہ**) تعالیٰ (**ضرور علم والا**) اور اُن کا حال جانتا ہے، اور اُن کے دشمنوں کے ساتھ بُردبار اور (**حلم والا ہے**)، اِسی لیے دشمنوں پر عذاب نازل فرمانے میں جلدی نہیں کرتا۔

روایت ہے کہ مشرکوں میں سے ایک قوم نے محرم کے آخر مہینے میں چاہا کہ مسلمانوں کے ساتھ قتال کریں۔ مسلمانوں نے محرم کے مہینے میں قتال سے پرہیز کر کے کہا، کہ صبر کرو محرم کا مہینہ گزر جانے دو۔ کافر راضی نہ ہوئے، مسلمان اُن سے لڑ کر فتح مند ہوئے۔ اس اگلی آیت میں اُس کی خبر دیتا ہے، کہ۔۔۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ

یہی بات ہے۔اور جس نے بدلہ لیا جیسا اُس کو دکھ دیا گیا تھا، پھر اُس پر زیادتی کی گئی،

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

تو ضرور مدد فرمائے گا اُس کی اللہ۔ بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا مغفرت فرمانے والا ہے●

(یہی بات ہے) اور یہ ہی حکمِ الٰہی ہے، جو کہا گیا مومن اور کافر کے باب میں، کہ جو کوئی عقوبت کرے یعنی مشرکوں کے ساتھ مقاتلہ کرے اُسی طرح کی، جیسے اُس کے ساتھ عقوبت کی گئی **(اور)** ظلم کیا گیا، تو **(جس نے)** اُس کا **(بدلہ لیا)** بالکل اُسی طرح کا **(جیسا اُس کو دکھ دیا گیا تھا)**، یعنی جس شخص نے کسی شخص کو اُس کے جرم کی اُتنی ہی سزا دی، جتنا اُس کا جرم ہے، تو یہ جرم نہیں بلکہ عدل و انصاف ہے۔۔مثلاً: کسی شخص نے کسی کا دانت توڑا، تو اُس کا یہ دانت توڑنا جرم ہے۔اور اُس کے بدلے میں مجرم کا دانت توڑنا عدل وانصاف ہے۔۔الختصر۔۔سزا بقدرِ جرم دینا عدل ہے۔

(پھر اُس پر زیادتی کی گئی) یعنی وہ شخص جس پر دوسری بار عقوبت کر کے مظلوم نے اپنا بدلا لیا، وہ پھر مظلوم پر ظلم کرے، **(تو ضرور مدد فرمائے گا اس)** مظلوم **(کی اللہ)** تعالیٰ۔ **(بے شک اللہ)** تعالیٰ **(ضرور معاف کرنے والا مغفرت فرمانے والا ہے)**۔

بدلا لینے والے کو یہ اشارہ ہے، کہ معاف کر دینا بدلا لینے سے بہتر ہے۔ایک قول یہ ہے کہ آیت کا حکم زخموں کے باب میں ہے، یعنی کسی نے دوسرے کو زخمی کیا پھر زخمی نے اپنے برابر ہی اُسے بھی زخمی کر لیا۔ پھر اُس نے زخمی کو اُن زخموں کے مقابلے میں اُور زخم پہنچائے، تو حق تعالیٰ مجروح مظلوم کی مدد کرتا ہے۔یہ مظلوموں کی مدد بسبب اِس کے ہے، کہ حق تعالیٰ اِس بات پر قادِر ہے کہ ایک چیز کو ایک چیز پر غالب کر دے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

یہ یوں کہ" بلاشبہ اللہ، رات کو دن میں ڈال دیتا ہے، اور دن کو رات میں سمو دیتا ہے،

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

اور بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے"●

(یہ یوں کہ) جیسے **(بلاشبہ اللہ)** تعالیٰ **(رات کو دن میں ڈال دیتا ہے)** یعنی دن کی گھڑیاں

زیادہ کردیتا ہے۔۔یا۔۔رات کی تاریکی کودن کی روشنی کی جگہ رکھ دیتا ہے۔(اوردن کورات میں سمودیتا ہے)یعنی رات کی ساعتیں بڑھادیتا ہے۔۔یا۔۔دن کی روشنی کورات کی تاریکی کی جگہ پرلاتا ہے۔(اور بے شک اللہ)تعالیٰ عقوبت کرنے والے کی بات(سننے والا)ہے،اور بدلا لینے والے کے احوال (دیکھنے والا)ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

یہ یوں کہ"اللہ ہی حق ہے،اور بلاشبہ کفار جس کی دُہائی دیتے ہیں اللہ کے مقابل،

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

باطل ہی ہے،اور بلاشبہ اللہ ہی بلندی والا بڑائی والا ہے"●

(یہ یوں کہ)،یعنی یہ وصف جوحق تعالیٰ کے واسطے کمالِ قدرت کے ساتھ کیا گیا بسبب اس کے ہے،کہ(اللہ)تعالیٰ(ہی حق ہے)،یعنی ثابت ہے اپنی ہستی میں اور واجب ہے ذاتِ قدیم میں۔(اور بلاشبہ)وہ چیز،(کفار جس کی دُہائی دیتے ہیں)اور پکارتے پوجتے ہیں،(اللہ)تعالیٰ(کے مقابل) اوراُس کے سوا،یہ سب(باطل ہی ہے)۔۔نیز۔۔سب کے سب معدوم ہیں اپنی ذات کی حد میں۔

خدا تو اپنی ذات سے موجود ہے،اور دوسرے اگرچہ موجود ہیں،مگراُن کا وجوداُسی کے سبب سے ہے،توسب اپنی ذات سے باطل ہیں۔اِس واسطے کہ باطل وہ ہے جوموجود نہ ہو،یعنی جس کا وجود ضروری نہ ہو۔اِسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لبید شاعر کے اِس مصرع کی تحسین فرمائی ہے۔ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ آگاہ ہو،کہ سوائے اللہ کے سب باطل ہے۔

(اور)وہ اِس سبب سے،کہ(بلاشبہ اللہ)تعالیٰ(ہی بلندی والا بڑائی والا ہے)۔یعنی سب چیزوں سے برتر وبالا ہے اور بہت بڑا ہے شریک وہمسر سے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ط

کیاتم نہیں دیکھتے رہتے،کہ اللہ نے برسایا آسمان کی طرف سے پانی،توصبح کوہوگئی ساری زمین سبزہ زار۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾

بے شک اللہ لطف والا خبردار ہے●

(کیا تم نہیں دیکھتے رہتے کہ اللہ) تعالیٰ (نے برسایا آسمان کی طرف سے پانی)۔ یعنی اَبر سے پانی برسایا جس کا اثر ایک مدت تک باقی رہتا ہے۔ (تو) اُس پانی کے سبب سے (صبح کو ہوگئی ساری زمین سبزہ زار) پژمردہ اور خشک ہوجانے کے بعد۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (لطف والا) ہے، یعنی مہربانی کرنے والا ہے بندوں پر گھاس اگانے کے سبب سے، تاکہ بندوں کو اِس کے سبب سے روزی دے۔ اور (خبردار ہے) اور جاننے والا ہے روزی اور روزی پانے والوں کا حال۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ۔۔۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں، اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بے شک اللہ

لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿٦٤﴾

ضرور ہی بے نیاز لائقِ حمد ہے●

ع ٨ / ٧ / ١٥

(اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے)۔ سب کا خالق و مالک وہی ہے۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور ہی بے نیاز) ہے اپنی ذات میں سب چیزوں سے، اور (لائق حمد ہے)۔ یعنی تعریف کیا ہوا اور تعریف کرنے والا۔۔یا۔۔تعریف وعبادت کے لائق اپنی صفتوں اور احوال کے ساتھ۔۔تو۔۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ

کیا تم نہیں دیکھا کرتے کہ اللہ نے قابو میں کردیا تم لوگوں کے جو کچھ زمین میں ہے، اور کشتیاں چلتی ہیں

فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ

دریا میں اُس کے حکم سے۔ اور روکے ہے آسمان کو گر پڑنے سے زمین پر،

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿٦٥﴾

مگر اُس کے حکم سے۔ بے شک اللہ لوگوں پر ضرور کرم والا رحم والا ہے●

(کیا تم) اُس کی قدرت وحکمت اور اختیار واقتدار کے یہ مناظر (نہیں دیکھا کرتے، کہ اللہ) تعالیٰ (نے قابو میں کردیا تم لوگوں کے جو کچھ زمین میں ہے) حیوانات وغیرہ، یعنی وہ سب چیزیں جس سے آدمی نفع پاتا ہے۔ (اور) مسخر کردیں تمہارے لیے (کشتیاں)، جو (چلتی ہیں دریا میں اُس

کے حکم سے) تو تم جدھر لے جانا چاہو اُدھر جاتی ہیں۔ (اور روکے ہے آسمان کو گر پڑنے سے زمین پر)، یعنی نگاہ رکھتا ہے آسمان کو اِس بات سے کہ گر پڑے زمین پر، (مگر اُس کے حکم سے) اور اُس کے اذن سے۔ یعنی جب خدا ہی چاہے کہ آسمان زمین پر گر پڑے، تو پھر تو وہ گر ہی پڑے گا۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (لوگوں پر ضرور کرم والا) ہے، کہ منفعتوں کے دروازے اُن کے لیے کھول دیے ہیں، اور (رحم والا ہے) کہ انواع و اقسام کی مضرتیں اُن سے رفع کر دیں۔۔اور۔۔

وَهُوَ الَّذِیٓ اَحۡیَاكُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُكُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡكُمۡ ؕ

وہی ہے جس نے تم کو جِلایا۔ پھر مارے گا تمہیں، پھر جِلائے گا تمہیں۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ ﴿۶۶﴾

بے شک انسان ضرور ناشکرا ہے●

(وہی ہے جس نے تم کو جِلایا) بعد اِس کے کہ تم مُردہ نطفہ تھے۔ (پھر مارے گا تمہیں) جب اَجل آئے گی۔ (پھر جِلائے گا تمہیں) قیامت میں۔ (بے شک انسان ضرور ناشکرا ہے)، کہ باوصف اتنی نعمتوں کے نعمت دینے والے کی عبادت چھوڑ دیتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ ہم نے ہر وقت اور ہر حال میں کرم فرمایا اور دستگیری کی

۔۔چنانچہ۔۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا هُمۡ نَاسِكُوۡهُ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الۡاَمۡرِ

ہر امت کے لیے بنا دیا تھا ہم نے ان کا طریقۂ عبادت، کہ اُس پر چلا کریں، تو جھگڑا نہ کرنے پائیں اِس امر میں،

وَادۡعُ اِلٰی رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۶۷﴾

اور بُلاتے رہو اپنے رب کی طرف۔ بے شک تم ضرور سیدھی راہ پر ہو●

(ہر امت کے لیے بنا دیا تھا ہم نے اُن کا طریقۂ عبادت) یعنی ان کے لیے ایک دین اور ایک شریعت معین کر دی، تا (کہ اُس پر چلا کریں، تو جھگڑا نہ کرنے پائیں اِس امر میں) آپ سے۔ یعنی اَے محمد! 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' لازمی طور پر چاہیے کہ سب دین والے آپ سے نزاع نہ کریں۔ اَے محبوب! آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہو (اور بُلاتے رہو) لوگوں کو (اپنے رب کی) عبادت اور توحید (کی طرف۔ بے شک تم ضرور سیدھی راہ پر ہو)۔

وَ اِنۡ جٰدَلُوۡكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۸﴾

اور اگر کافروں نے جھگڑا نکالا، تو کہہ دو کہ "اللہ خوب جانتا ہے تمہارے کرتوت کو●

اَللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۶۹﴾

اللہ فیصلہ فرمائے گا تمہارا قیامت کے دن، جس بارے میں تم جھگڑتے تھے"●

(اور) اب (اگر کافروں نے جھگڑا نکالا) اور حال یہ ہے کہ حق ظاہر ہو گیا اور دلیل لازم ہو چکی، (تو) اُن سے صاف لفظوں میں (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے تمہارے کرتوت کو)۔ تمہارا عناد اور جھگڑا اُس پر پوشیدہ نہیں، اور اس پر وہ تمہیں جزا دے گا۔۔اور۔۔(اللہ) تعالیٰ (فیصلہ فرمائے گا تمہارا قیامت کے دن جس بارے میں تم جھگڑتے تھے)، یعنی حکم کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اُس چیز میں کہ تم اُس میں اختلاف کرتے تھے دین کے امر میں۔اور حکم یہ ہوگا کہ مومن کو ثواب کے درجوں پر بلند کر دے گا، اور مشرک کو عذاب کے گڑھوں میں ڈال دے گا۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

کیا تم نہیں جانتے کہ "اللہ ضرور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ

فِىۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۷۰﴾

ایک نوشتہ میں ہے۔ بے شک یہ اللہ پر آسان" ہے●

(کیا تم نہیں جانتے)؟ ضرور تم جانتے ہو، (کہ اللہ) تعالیٰ (ضرور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں) میں عجائبِ علویات ہیں (و) جو کچھ (زمین میں ہے) از قسم سفلیات۔کوئی چیز اُس پر پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے (بلاشبہ یہ ایک نوشتہ) یعنی لوح محفوظ (میں) لکھا ہوا محفوظ (ہے)۔ اور لوحِ محفوظ اُس کے پاس ہے، اُس میں جو کچھ ہے وہ اُس کے علم کے مطابق ہے۔(بے شک یہ) یعنی سب چیزوں کا علم (اللہ) تعالیٰ (پر آسان ہے)۔اس لیے کہ تمام معلومات کے ساتھ ان کے علم کا تعلق یکساں ہے۔

وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا

اور من دونِ اللہ کو پوجتے ہیں، جن کی نہ اللہ نے کوئی سند بھیجی،

وَّمَا لَیۡسَ لَهُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۷۱﴾

اور جن کا خود ہی انہیں علم نہیں ہے۔ اور اندھیر والوں کا کوئی مددگار نہیں●

(اور) اُن کفارِ مکہ کو دیکھو، جو (من دونِ اللہ کو پوجتے ہیں)۔ اور ایسوں کو پوجتے ہیں (جن کی نہ اللہ) تعالیٰ (نے کوئی سند بھیجی)، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی عبادت پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اور جب صورتِ حال یہ ہو کہ اُس کی کوئی دلیل ہی نہ ہو، تو پھر بطورِ دلیل کیا چیز نازل کی جائے۔ (اور) اِتنا ہی نہیں، بلکہ (جن کا خود ہی اُنہیں علم نہیں)، یعنی یہ عبادت کرتے ہیں اُس چیز کی، جس کا نہیں ہے انہیں کچھ علم، یعنی اُس کی عبادت پر کوئی دلیل نہیں لا سکتے۔۔ بلکہ۔ محض جہالت اور تقلید کی راہ سے پوجتے ہیں۔۔ الحاصل۔۔ یہ مشرکین اندھیر پر اندھیر کیے جارہے ہیں (اور اندھیر والوں کا کوئی مددگار نہیں) جو اُن پر سے عذاب دفع کرے۔

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡهِ الَّذِیۡنَ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں، تو پہچان لوگے اُن کے چہروں میں، جنہوں نے

كَفَرُوا الۡمُنۡكَرَ ؕ یَكَادُوۡنَ یَسۡطُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا ؕ

انکار کر دیا ہے ناگواری کو۔ کہ "اب دھاوا ہی بول دیں اُن پر جو اِن پر تلاوت کر رہے ہیں ہماری آیتوں کی۔"

قُلۡ اَفَاُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیۡنَ

تم بتا دو کہ "کیا میں تمہیں بتا دوں تمہارے اس حال سے بھی بدتر کو، وہ ہے آگ"، جس کا وعدہ کر چکا اللہ انہیں جو

كَفَرُوۡا ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۷۲﴾ ع

کافر ہوئے، اور کتنا بُرا پھرنے کا مقام ہے●

ع ۹ ۸ ۱۲

(اور) اِن ظالموں کا حال یہ ہے، کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں)، یعنی قرآن کریم کی وہ آیتیں جو کھلی اور روشن ہیں، نہ اُن میں شبہہ ہے نہ ایک دوسرے کے برعکس، نہ اختلاف نہ خلل، (تو) اَے محبوب! (پہچان لوگے اُن کے چہروں میں، جنہوں نے انکار کر دیا ہے، ناگواری کو)۔ یعنی قرآنِ کریم کی آیاتِ کریمہ کی تلاوت کے وقت کافروں کے چہروں میں کراہت اور نفرت کا اثر صاف دیکھ لوگے، اِس عداوت کی وجہ سے جو حق تعالیٰ کے ساتھ وہ بدرجہءِ کمال رکھتے ہیں۔ آیاتِ قرآنیہ کو سن کر اُن کی ناگواری کا عالم یہ ہوتا ہے، کہ لگتا ہے (کہ اب دھاوا ہی بول دیں

گے اُن پر جو اُن پر تلاوت کررہے ہیں ہماری آیتوں کی)۔یعنی قریب ہے کہ گرفتار کریں غضب میں ۔۔یا۔۔جھگڑا کریں۔۔یا۔۔کھولیں ہاتھ اور مار پیٹ شروع کردیں۔اور یہ بدنصیب اِس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔اور خود اُن کے ساتھ جو ہونے والا ہے، اُن کی طرف سے ہونے والے ہر ظلم سے زیادہ بدتر حال کردینے والا ہے۔

تو اَے محبوب! (تم بتادو، کہ کیا میں تمہیں بتادوں تمہارے اِس حال سے بھی بدتر کو)، جو تم قرآن پڑھنے والوں کے ساتھ چاہتے ہو، (وہ ہے) دوزخ کی (آگ)، کہ تم جو غصہ کرتے ہو قرآن پڑھنے والوں پر اُس سے بہت زیادہ بُری اور مکروہ ہے وہ آگ، (جس کا وعدہ کرچکا اللہ) تعالیٰ (انہیں جو کافر ہوئے)۔اُن کافروں کو وعدہ یہ دیا ہے کہ ان کو اُس آگ میں جگہ دے گا۔(اور کتنا بُرا پھرنے کا مقام ہے)۔۔الختصر۔۔اَے مکہ کے کافرو! تمہاری طرف سے پہنچائی گئیں تکلیفیں جہنم کی تکلیف کے سامنے کوئی حیثیت واہمیت نہیں رکھتیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ

اَے لوگو! ایک کہاوت ہے اِسے سنو۔ بلاشبہ جن کی دُہائی دیتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ

اللہ کے مقابل، نہ پیدا کرسکیں گے ایک مکھی، گو اس کے لیے سب مل جائیں۔اور اگر چھین لے اُن سے

الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

مکھی کچھ، تو اُس کو اِس سے لے نہ سکیں۔ گئے گزرے طالب ومطلوب دونوں ●

سابقہ ارشادات کے ذریعہ یہ بات واضح فرمادینے کے بعد کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے اور اُن کی عبادت کے اوپر اُن کے پاس نہ کوئی سمعی دلیل ہے اور نہ ہی عقلی دلیل ہے۔اوراب اِس آیت میں اُن کی بدعقیدگی کا رَد فرمایا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔۔

(اَے لوگو! ایک کہاوت ہے) یعنی ایک مثال ہے جو عجیب وغریب نکتہ پر مبنی ہے، (اِسے) کان کھول کے (سنو!) اور اِس میں غور کرو! کہ (بلاشبہ جن کی دُہائی دیتے ہو) اور معبود سمجھ کر جنہیں پکارتے ہو اور پوجتے ہو (اللہ) تعالیٰ (کے مقابل)، یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور اُس سے باغی ہوکر، اور وہ تمہارے تین سَو ساٹھ [۳۶۰] بت جن کو تم نے کعبہ کے گرد جمع کر رکھا ہے، اُن سب کے ضعف وناتوانی

اور عاجزی و بے قدرتی کا عالم یہ ہے، کہ (نہ پیدا کرسکیں گے ایک مکھی، گو اُس کے لیے سب مل جائیں) اوراس کو پیدا کرنے کے لیے سب اتفاق کرلیں، باوجود اِس کے کہ وہ بہت ذراسی ہوتی ہے۔ (اور) پیدا کرنا تو بہت بڑی بات ہے، (اگر چھین لے اُن سے مکھی کچھ)، یعنی اگر اُڑا لے جائے مکھی اُن سے کوئی چیز خوشبو۔۔یا۔۔میٹھی شے کہ اُس میں آلودہ ہیں، (تو اُس کو اُس سے لے نہ سکیں)۔

بت پرستوں کی رسم یہ تھی کہ بتوں میں شہد اور خوشبو لتھیڑتے اور پھر بت خانوں کے دروازے بند کردیتے۔ مکھیاں بت خانوں کے روزنوں سے گھس کر وہ شہد اور خوشبو چاٹ جاتیں۔ جب چند روز کے بعد شہد اور خوشبو کا نشان بتوں میں نہ پاتے، تو خوشی مناتے کہ ہمارے خدا شہد اور خوشبو چاٹ گئے۔ تو حق تعالیٰ نے بتوں کے عجز اور ضعف سے خبردی، کہ وہ نہ مکھی پیدا کرنے کی قوت رکھتے ہیں اور نہ اپنے اوپر سے اُنہیں اُڑا سکتے ہیں۔

(گئے گزرے طالب و مطلوب دونوں)۔

یہاں طالب سے مراد بت ہیں اور مطلوب سے مراد مکھی ہے اور دونوں کمزور ہیں۔ بت اس لیے کمزور ہیں، کہ مکھی جو اُن کے اوپر سے اُڑا کر لے گئی اُس کو واپس نہیں کرا سکتے۔ اور نہ وہ مکھی پیدا کرسکتے ہیں۔ اور نہ ہی مکھیوں کو اپنے اوپر سے اُڑا سکتے ہیں۔ اور مکھی کی کمزوری بداہتاً ظاہر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ طالب سے مراد بت پرست ہیں اور مطلوب سے مراد بت ہیں۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ طالب سے مکھی مراد ہے، جو بت پر شہد و زعفران کی طالب ہے۔ اور مطلوب سے بت مراد ہے۔

مذکورہ بالا اقوال میں سے بعض قول سے جس میں بت اور مکھی کو طالب مطلوب قرار دیا گیا ہے، یہ مقصود نہیں کہ دونوں کے ضعف کو ایک جیسا قرار دیا جائے۔ اس لیے کہ بت تو مکھی سے بھی زیادہ ضعیف و کمزور ہے، اس لیے کہ مکھی حیوان ہے اور بت جماد ہے۔ مکھی غالب ہے اور بت مغلوب ہے۔ اِس سے ظاہر ہوگیا کہ مشرکین نے خدا کو نہیں پہچانا جیسا پہچاننے کا حق ہے۔۔۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۷۴﴾

نہ قدر جانی معبود کی جو جاننے کا حق ہے۔ بے شک اللہ ضرور قوت والا غلبے والا ہے ●

اور (نہ قدر جانی معبود کی جو جاننے کا حق ہے)۔ جبھی تو اِس کمزور بت کو اُس کا شریک بتادیا،

اور یہ بھی نہیں سوچا کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور قوت والا) اور (غلبے والا ہے)۔تو عاجز مغلوب کو اُس قادر و غالب کا شریک و شبیہہ کیسے قرار دے دیا۔خدائے قدیر و حکیم نے ایک نظام ہدایت بنا دیا ہے۔۔تو۔۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ

اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے رسولوں کو اور انسانوں سے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۚ﴿۷۵﴾

بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (چن لیتا ہے فرشتوں سے رسولوں کو) جو خدا اور اُس کے پیغمبروں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں وحی پہنچانے کے سبب سے، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام '(اور انسانوں سے) بھی رسولوں کو برگزیدہ کرلیتا ہے، تاکہ خلق کو حق کی طرف بُلائیں۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے پیغمبروں کی بات جو حکم پہنچانے اور خدا کی طرف بُلانے کے وقت وہ کہتے ہیں، اور (دیکھنے والا ہے) اُمت کا حال کہ رسول کی بات مانتی ہے کہ نہیں۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام●

(جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے) ہے، یعنی جو عمل وہ کر چکے ہیں۔(اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے)، یعنی وہ کام جو وہ کریں گے۔(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام) یعنی سارے اعمال بارگاہِ خداوندی میں پیش کیے جائیں گے۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ

اے مسلمانو! "رکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور پوجو اپنے رب کو،

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۩ ﴿۷۷﴾

اور بھلائی کیا کرو، کہ کامیابی پاؤ●

(اَے مسلمانو! رکوع کرواور سجدہ کرو) نماز میں۔

جب اسلام کی ابتداء تھی تو نماز میں فقط کھڑا ہونا اور بیٹھنا تھا۔ اِس آیت کے سبب رکوع، سجود بھی داخل ہوا۔ اور بعضوں نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ نماز پڑھو اور نماز ہی کو رکوع سجود سے تعبیر کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں نماز کے رکن اعظم ہیں۔ اِسی لیے امامِ اعظم اور امام مالک رحمہم اللہ تعالٰی، اِس آیت میں سجدہ نہیں کرتے۔ اس واسطے کہ رکوع سجود کا باہم ذکر ایما کرتا ہے، کہ اِس سے نماز مراد ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل علیہما الرحمۃ سجدہ کرتے ہیں، اور کہتے ہے کہ ظاہراً سجدہ ہی کرنے کا حکم ہے۔

اور ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ سورۂ حج کی فضیلت دو سجدوں کے سبب ہے، جو دونوں سجدے نہ کرے وہ دونوں کو پڑھے بھی نہ۔ قرآنِ کریم میں یہ کون سے نمبر کا سجدہ ہے؟ اِس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اِس کو ساتواں سجدہ قرار دیتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے اِسے 'سجدۃ الفلاح' کہا ہے، اور نیک کام جو اس کے بعد مذکور ہے اُسے سجدہ کرنے میں جلدی کرنے پر محمل کرتے ہیں۔۔تو۔۔

اَے ایمان والو! (اور) عبادت کرنے والو! (پوجو اپنے رب کو اور بھلائی کیا کرو)، یعنی وہ کام کرو جو شرع میں اچھا ہو۔ تا (کہ کامیابی پاؤ)، یعنی اپنے مطلوب و مقصودِ خیر کو پہنچو۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

اور جانبازی کرو اللہ کی راہ میں جو جان کی بازی لگانے کا حق ہے۔ اُس نے تم کو چنا اور نہیں رکھی تم پر

فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۥ

دین میں کوئی تنگی، تمہارے مورث ابراہیم کا دین۔ اُس نے تمہارا نام رکھا مسلمان۔۔۔

مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ

پہلے سے، اور اِس کتاب میں بھی، تاکہ ہوں رسول گواہ تمہارے، اور تم بنو گواہ

عَلَى النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ

دوسروں پر۔ تو پابندی کرتے رہو نماز کی، اور دیتے رہو زکوٰۃ کو، اور مضبوط پکڑ لو اللہ کو۔

هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ؀ۧ

وہی تمہارا مولیٰ ہے۔ تو کیسا اچھا مولیٰ ہے، اور کتنا اچھا مددگار ہے"●

ع ۱۰ / ۱۷

(اور جانبازی کرو اللہ) تعالیٰ **(کی راہ میں جو جان کی بازی لگانے کا حق ہے)**۔یعنی صاف دل اور خالص نیت سے جہاد کرو اپنے رب کی رضا کے لیے مشرکوں اور باغیوں سے بھی اور اپنے نفسِ امّارہ سے بھی۔

اور نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا حق یہ ہے، کہ جتنی دیر پلک مارنے میں ہوتی ہے اتنی دیر بھی مجاہدہ نفس سے باز نہ رہنا چاہیے۔اس واسطے کہ اُس سے بے خوف ہوسکنا ممکن ہی نہیں۔

ایمان والو! غور سے سنو! کہ **(اُس)** خدائے برتر و بالا **(نے تم کو چنا)** اپنے دین کی مدد کرنے کے واسطے، **(اور نہیں رکھی تم پر دین میں کوئی تنگی)** یعنی احکامِ دین میں تم سے سختی نہیں برتی ،اور جس کام کو کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے اُس کا حکم نہیں فرمایا،اور ضرورت کے وقت تمہیں رُخصتیں دیں، جیسے نماز میں قصر کرنا، تیمّم کرنا،اور بیماری وسفر میں روزہ نہ رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔اور تمہارے لیے منتخب فرمایا گیا **(تمہارے مورث ابراہیم کا دین)**۔تو اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو۔

چونکہ اکثر اہلِ عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے،تو حق تعالیٰ نے تمام امت پر اُن کی تغلیب کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام امت کا باپ فرمایا۔یہ سبب ہے کہ حضرت ابراہیم ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہیں اور رسولِ اکرم ساری امت کے باپ ہیں اور باپ کا باپ، باپ ہی کا حکم رکھتا ہے،تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام امت کے باپ ہوئے۔

(اُس نے) یعنی خدا نے **(تمہارا نام رکھا مسلمان)** قرآن نازل ہونے کے **(پہلے سے)** اگلی آسمانی کتابوں میں، **(اور اِس کتاب میں بھی)** یعنی اِس قرآن میں بھی۔۔یا۔۔ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا اپنے زمانے میں۔اور اِس زمانے میں بھی تم کو اسلام کے ساتھ یاد فرمایا، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ** تو چاہیے کہ تم اُن کے دین کو لازم پکڑو **(تاکہ ہوں رسول)** عربی **(گواہ تمہارے)**۔یعنی قیامت کے دن گواہ تم پر، کہ تم نے دعوت قبول کی اور ملتِ ابراہیمی کی متابعت کی، **(اور)** تاکہ **(تم بنو گواہ دوسروں پر)**۔یعنی لوگوں پر، کہ انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو دعوتِ حق پہنچادی۔

(تو) چاہیے کہ **(پابندی کرتے رہو نماز کی)** امرِ الٰہی کی تعظیم کے واسطے۔ **(اور دیتے رہو زکوٰۃ کو)** بندگانِ خدا پر مہربانی کی راہ سے۔ **(اور مضبوط پکڑلو اللہ)** تعالیٰ **(کو)**،یعنی فضلِ خداوندی کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو،اور اپنے سب کاموں میں اُسی پر بھروسہ کرو،اور اُسی سے مدد چاہو،اور قرآن وحدیث کو مضبوط پکڑے رہو۔

یاد رہے کہ خدا کی رسّی کو مضبوط پکڑنا عوام کو حکم ہے، اور اَعْتِصَامُ بِاللّٰه یعنی خدا کو مضبوط پکڑنا خواص کا کام ہے۔۔الختصر۔۔ اَعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰه اوامر ونواہی پر ٹھہرنا ہے۔اور اَعْتِصَامُ بِاللّٰه غیر خدا سے دل کو خالی رکھنا ہے۔

تو اُسی سے سچی لَو لگاؤ، کیونکہ (وہی تمہارا مولیٰ ہے)۔سارے بندوں کا یار اور سب عاجز اور درماندوں کا مددگار ہے۔ (تو کیسا اچھا مولیٰ ہے اور کتنا اچھا مددگار ہے)۔ یاری کر کے عیب چھپاتا ہے، اور مددگاری فرما کر گناہوں کی بخشش فرماتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ۔۔۔بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۷ / اپریل ۲۰۱۱ء

بروز چہارشنبہ، بوقت ساڑھے دس بجے شب ستّرھویں پارے اور سورۃ الحج کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ ربِ کریم صاحبِ فضلِ عظیم، اپنے فضل و کرم سے پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

قَدْ اَفْلَحَ ۱۸

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ۔۔۔بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۴ / رجب المرجب ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۷ / جون ۲۰۱۱ء

بروز دوشنبہ مبارکہ، قرآنِ کریم کے اٹھارہویں پارے اور 'سورۃ المومنون' کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ پورے قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین

سورۃ المؤمنون ۲۳ مکیہ ۷۴ 	# سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ 	آیاتہا ۱۱۸ رکوعاتھا ۶

اِس مبارک سورت کا نام 'سورۃ المؤمنون' ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مومنین کی صفات کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔۔ نیز۔۔ متعدد حدیثوں نے اِس کو سورۃ المؤمنون ہی فرمایا ہے جس کی ابتدائی دس آیتوں کی شان یہ ہے، کہ جن پر عمل کرنے والوں کی شان میں ارشادِ رسول ہے کہ "وہ جنتی ہیں"۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، جو مکی دَور کے وسط میں نازل ہوئی۔ 'ترتیبِ مصحف' کے اعتبار سے اِس کا نمبر ۷۴ ہے۔

یہ سورت 'سورۃ الطّور' کے بعد اور 'سورۂ تبارک الذی' سے پہلے نازل ہوئی۔ اِس سے پہلے 'سورۂ حج' میں نماز پڑھنے اور عبادت کرنے پر اُخروی فلاح کی نوید سنائی گئی تھی، اور اُس کا اختتام اخروی فلاح کی بشارت پر فرمایا گیا تھا، تو اُس کے بعد 'سورۂ مؤمنون' کی ابتدا اُخروی فلاح کی نوید سے فرمائی گئی۔۔ علاوہ ازیں۔۔ 'سورۂ حج' کی ابتداء میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا ذکر فرمایا گیا ہے، تو 'سورۂ مؤمنون' میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔۔ یوں ہی۔۔ جس طرح 'سورۂ حج' میں اللہ تعالیٰ نے مختلف نشانیوں سے اپنی قدرت اور اپنی ذات پر اِستدلال فرمایا ہے، اُسی طرح 'سورۂ مؤمنون' میں بھی اپنی توحید اور اپنی قدرت پر اِستدلال فرمایا ہے۔۔ نیز۔۔ دونوں سورتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات بیان فرمائے ہیں تا کہ ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی کا سامان فراہم ہو، اور آپ کفار کی تکذیب اور سرکشی سے دل برداشتہ نہ ہوں، یہ سوچ کر کہ کافر تو انبیاءِ سابقین کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً عذابِ الٰہی کا شکار ہوتے رہے، لیکن اپنی سرکشی کی عادت سے باز نہیں آتے تھے۔ انبیاءِ سابقین نے اُن کی ایذاؤں پر صبر کیا تھا۔۔۔ تو اَے محبوب! آپ بھی صبر فرماؤ۔۔ یہ آپ ﷺ کی محبوبیت کی شان ہے، خود رب کریم آپ کو تسلی عطا فرما رہا ہے۔ ایسی عظیم الشان اور بابرکت سورۂ مبارکہ کو۔۔ یا۔۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے)، جو اپنے تمام بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مومنین کے

گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾

بے شک کامیاب ہوئے ایمان والے● جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں●

(**بے شک**) دُنیا و آخرت کی رسوائیوں اور ناکامیابیوں سے چھٹکارا پا گئے اور اپنے بلند و بالا مقصد کو حاصل کرلیا۔۔الغرض۔۔(**کامیاب ہوئے ایمان والے**)، وہ (**جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں**)۔ اُن کی آنکھیں سجدہ گاہ پر ہوتی ہیں اور دِل بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوکر مناجات میں مصروف ہوتے ہیں۔ اگر وہ کعبہ کے سامنے نہیں، تو حالتِ نماز میں وہ سجدے کی جگہ کو دیکھتے ہیں اور اگر خانۂ کعبہ کے رُو برُو ہوں، تو کعبہ پر نظر رکھتے ہیں۔

ایک قول کے مطابق خشوع یہ ہے، کہ نماز پڑھنے والا یہ نہ جانے کہ اُس کے دائیں اور بائیں کون ہے؟ بعض عارفین کا کہنا ہے کہ "نماز میں خشوع للہ فی اللہ یہ ہے کہ کوئی غرض نہ ہو اور کچھ عوض کی خواہش نہ رکھے"۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ظاہر میں خشوع اِس کا نام ہے کہ نماز پڑھنے والا سر جھکائے اور دائیں بائیں نظر نہ کرے، اور داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ کر حضوری کے ساتھ قرأت کرے۔ اور باطن میں خشوع اِس کا نام ہے کہ خطرے اور وسوسے روکے اور دل سے مراقبِ حق رہے، اور شہود کے دریا میں مستغرق ہوکر انوارِ جمال وجلال کے آثار ظہور کی مشعلوں سے گداختہ ہو"۔ ایک صاحبِ بصیرت کے نزدیک نماز میں پہلے تو اپنے سے بیزار ہونا چاہیے، پھر قربِ یار کو پہنچنے کا خواستگار ہونا چاہیے۔۔المختصر۔۔کامیاب ہیں وہ ایمان والے جو نماز میں کمالِ خشوع کا مظاہرہ کرتے ہیں۔۔۔

وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ﴿۳﴾

اور جو بے کار باتوں سے کنارہ کش ہیں●

(**اور جو بے کار باتوں**) لغو اور ناشائستہ کاموں (**سے کنارہ کش**) اور اُس سے انکار کرنے والے (**ہیں**)۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ "جو کچھ خدا کے واسطے ہے خشوع ہے اور جو کچھ تجھے خدا سے باز رکھے باطل اور بھول اور سہو ہے، اور جس بات میں بندے کو کچھ مزا ہو کھیل اور سہو ہے، اور

جو کچھ خدا سے نہ ہولغو ہے"۔اور حقیقت یہ ہے کہ 'لغو' اُس قول اور فعل کو کہتے ہیں جو کچھ کام نہ آئے۔۔الختصر۔۔لغویات سے بچنے والے کامیاب ہیں۔۔۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿٤﴾

اور جوزکوٰۃ کوادا کرنے والے ہیں●

(اور) وہ اہلِ ایمان کامیاب ہیں (جوزکوٰۃ کوادا کرنے والے ہیں)،یعنی نفلی صدقات کے ذریعے اپنے قلوب کوبخل وبے مروتی کی مذموم صفات سے پاک وصاف کرنے والے ہیں۔

اصل میں زکوٰۃ کا معنی نفس کوگناہ کی آلودگیوں اور میل اور کچیل سے پاک وصاف کرنا ہے۔ پھر معروف زکوٰۃ پر بھی زکوٰۃ کا اطلاق کیا جانے لگا، کیونکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے نفس پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ یوں زکوٰۃ کا دوسرا معنیٰ ہے بڑھنا: اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بندے کا مال بڑھتا ہے اور منجانب اللہ اِس میں کافی برکت ہوتی ہے۔ اِسی لیے نفلی صدقات پر بھی قرآنِ کریم میں زکوٰۃ کا اطلاق فرمایا گیا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ "اُن مشرکین کے لیے بڑا عذاب ہے جوزکوٰۃ ادانہیں کرتے"۔۔الآیۃ ﴿حم السجدۃ آیت ٧،٦﴾ ۔۔الحاصل۔۔آیت زیرِتفسیر میں بھی زکوٰۃ سے مراد تزکیۂ نفس۔۔یا۔۔نفلی صدقہ ہے، اس لیے اِس آیت میں زکوٰۃ کا لفظ آنے سے اِس سورہ کے مکی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿٥﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ

اور جواپنی شرمگاہوں کومحفوظ رکھنے والے ہیں● مگراپنی نکاحیوں پر،

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٦﴾

یاجوباندیاں دستِ ملکیت میں ہیں، کہ اُن پرکوئی الزام نہیں●

(اور) کامیاب ہیں وہ اہلِ ایمان (جواپنی شرمگاہوں کومحفوظ رکھنے والے ہیں) اور فعلِ حرام سے بچاتے ہیں اور کسی کے ساتھ صحبت ومجامعت نہیں کرتے، (مگر) ہاں اپنے اِس عمل کومخصوص ومنحصر رکھتے ہیں (اپنی نکاحیوں پر۔۔یا۔۔جوباندیاں دستِ ملکیت میں ہیں) اُن پر۔۔الغرض۔۔اپنی جوروؤں اور اپنی مملوکہ عورتوں کے سواکسی سے مجامعت نہیں کرتے کیوں (کہ) جومذکورہ بالاطور پراپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے رہیں وہ اگراپنی منکوحہ یامملوکہ عورتوں سے مجامعت کریں، تو (اُن پرکوئی الزام نہیں)

بشرطیکہ وہ حیض ونفاس میں نہ ہوں اور فرض روزہ اور احرام انہیں نہ ہو اور دخولِ بے محل نہ ہو، یعنی پیشاب ہی کے مقام میں ہو۔۔الغرض۔۔جورُو اور لونڈی کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ کسی طرح جماع دُرُست نہیں۔۔تو۔۔

فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ

ہاں جس نے اِن دو کے سوا کی نفسانی خواہش کی، تو وہ حد سے بڑھ جانے والے ہیں● اور جو اپنی

لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۸﴾

امانتوں اور عہد کے خیال رکھنے والے ہیں●

(ہاں) اب (جس نے اِن دو کے سوا کی) اپنی (نفسانی خواہش کی) تکمیل کی، (تو وہ حد سے بڑھ جانے والے ہیں) اور حلال سے حرام کی طرف جانے والے اور اپنے اوپر زبردست ظلم کرنے والے ہیں۔اور جو لوگ جلق لگاتے ہیں وہ بھی اِنہیں لوگوں میں سے ہیں۔(اور) اِن کے برخلاف (جو اپنی امانتوں اور عہد کے خیال رکھنے والے ہیں) خواہ وہ امانتیں خلق کی ہوں۔۔یا۔۔خالق کی۔مخلوق کی امانت تو وہ ہے جو وہ اُن کے پاس رکھیں، اور خالق کی امانت اُس کے فرائض ہیں۔۔مثلاً: نماز وروزہ، غسلِ جنابت وغیرہ۔ایسے ہی مخلوق سے جو عہد کرتے ہیں اُس کو پورا کرتے ہیں اور حق تعالیٰ سے جو وعدہ کرتے ہیں اُس کی رعایت کرتے ہیں اور اُس کی حفاظت سے باز نہیں آتے۔۔۔

وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿۱۰﴾

اور جو اپنی نمازوں پر نگرانی رکھتے ہیں۔۔●۔۔ وہی لوگ ہیں ایسے وارث●

الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾

جو میراث لیں گے فردوس کی۔اُس میں ہمیشہ رہنے والے●

(اور جو اپنی نمازوں پر نگرانی رکھتے ہیں) یعنی اُن کی محافظت کرتے ہیں اور شرائط وآداب کے ساتھ وقت پر ادا کرتے ہیں۔

اِن سب وصفوں کے اوّل وآخر نماز کا ذکر اِس واسطے ہے کہ نماز میں مومنین کی فلاح اور نجات ہے اور یہ بات ظاہر کرنے کے واسطے کہ نماز کی بڑی شان ہے۔۔تو۔۔

(وہی) مومن (لوگ) جن میں یہ صفتیں جمع ہوں (ہیں ایسے وارث)، یعنی اِس لائق ہیں کہ

اُن کے لیے وراثت کا لفظ بولا جائے، **(جو میراث لیں گے)** حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے **(فردوس کی)**، جو جنت کے سب درجوں میں بلند ہے۔ یہ **(اُس میں ہمیشہ رہنے والے)** ہیں۔۔۔

کامیاب انسان کون ہیں؟ اُن کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ اُن کے اعمال واطوار کیا ہیں؟ اِن امور کی وضاحت کے بعد حق تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ پر انسانی تخلیق سے استدلال فرما رہا ہے اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے اُس کی تخلیق کے مختلف مراحل کی وضاحت فرما رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے واقع میں پیدا فرمایا ایک انسان کو منتخب مٹی سے●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ **(ہم نے واقع میں پیدا فرمایا ایک انسان کو)** یعنی آدم علیہ السلام کو **(منتخب مٹی سے)**، یعنی منتخب مٹی سے اُن کا پیکرِ خاکی تیار کرایا اور اُن میں روح پھونکی، پھر اُن کے بدن کے ایک حصے سے اُن کی زوجہ کی تخلیق کی۔

۔۔یا یہ کہ۔۔

ہم نے پیدا کیا جنس انسان کو منی سے جو نکلی مٹی سے اور وہ مٹی حضرت آدم کا پیکرِ خاکی ہے۔

۔۔الحاصل۔۔انسانوں کی اصل حضرت آدم کا پیکرِ خاکی ہے جو زمین کے مختلف حصوں کی مٹی کو چن کر زمین کے صاف شدہ ٹکڑے اور اس کے خلاصے سے تیار کیا گیا۔ پھر پشتِ آدم علیہ السلام میں اُن کی قیامت تک آنے والی اولاد کے لطیف اجزاء کو رکھ دیا گیا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً

پھر بناتے رہے ہم اُسے ایک قطرہ، ایک مضبوط مقام میں● پھر بنا دیتے رہے قطرے کو گاڑھا خون،

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا

پھر گاڑھے خون کو بوٹی، پھر بوٹی کو ہڈیاں، پھر پہنا دیا کیے ہڈیوں کو گوشت۔ پھر اُبھارتے رہے اُور صورت سے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

تو کیسی برکت دکھائی اللہ نے، نہایت خوب پیدا کرنے والا●

(پھر بناتے رہے ہم اُسے ایک قطرہ) منی کی شکل میں اور اُس کو رکھا **(ایک مضبوط مقام میں)**،

یعنی شکم مادر میں جو بہت محفوظ اور مضبوط قرار گاہ ہے۔ وہ چالیس[۴۰] دن اپنی اصل شکل میں رحم کے اندر محفوظ پڑا رہا، اور اُس کا رنگ سفید ہی رہا۔ (**پھر بنادیتے رہے قطرے کو گاڑھا خون**)، یعنی ہم نے اُس سفید پانی کو سرخ رنگ کی پھٹکی میں تبدیل کیا، (**پھر گاڑھے خون کو**) کر دیا گوشت کی (**بوٹی**) جس میں کسی قسم کا اظہار اور امتیاز نہ تھا۔ پھر چالیس[۴۰] روز اُسی **عَلَقَة** یعنی بوٹی کی صورت میں رکھا، پھر چالیسویں[۴۰] روز **عَلَقَة** سے **مُضۡغَة** ہوا۔ (**پھر**) ہم نے اُس (**بوٹی**) کے اکثر اور معظم حصے (**کو**) بنایا (**ہڈیاں**)، یہ تینتالیسویں[۴۳] دن کے بعد ہوا، یعنی اُس عمودی شکل میں انسانی ہیئت و اوضاع کا ڈھانچہ تیار کیا جس طرح ہماری حکمت کا تقاضا تھا۔

(**پھر پہنادیا کیے ہڈیوں کو گوشت**)، یعنی ہم نے انہیں مخصوص ہڈیوں پر **مُضۡغَة** کے بقایا سے گوشت چڑھادیا۔ (**پھر اُبھارتے رہے اُور صورت سے**)، یعنی ہم نے اُس میں روح پھونک کر اُسے ایک اور تخلیق بخشی، اور وہ معدوم تھا اُسے موجود کیا۔

--یا-- اُس سے دانت بال وغیرہ کی شکل وصورت بنانے کی طرف اشارہ ہے --یا--

اِس سے مراد یہ ہے کہ۔

اُس کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد ہم نے اُسے دودھ پینے اور دودھ چھڑانے، پھر مختلف غذاؤں کی تربیت اور پھر اُس کے چلنے پھرنے اور حدِّ بلوغ تک پہنچنے اور جوانی کے دَور سے گزرنے اور بڑھاپے تک پہنچنے کا اشارہ ہے۔

(**تو**) عقل والو! غور کرو اور سوچو کہ (**کیسی برکت دکھائی اللہ**) تعالیٰ (**نے**) جو (**نہایت خوب پیدا کرنے والا**) ہے۔

دُنیا کے سارے مصورین کسی چیز کی ظاہر کا عکس تو لے سکتے ہیں اور اُن کا خاکہ بنا سکتے ہیں --یوں ہی-- مجسمے تیار کر سکتے ہیں، مگر اُن میں روح نہیں ڈال سکتے۔ ویسے بھی دُنیا کے مصورین و مجسمہ ساز جو کچھ بناتے ہیں اُن کے اجزاء اور اُن میں استعمال شدہ مفردات میں سے کسی ایک کے بھی وہ خالق نہیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ حق تعالیٰ نے عرش و کرسی، لوح و قلم، فرشتے، تارے، آسمان اور زمینیں پیدا کیں، مگر اپنی ذاتِ مقدس کی ایسی تعریف نہیں کی جیسی انسان کو پیدا کرنے کے بعد کی، اور یہ بات انسان کی تعظیم و تکریم پر دلیل ہے۔

بعض اہل وجدان کا کہنا ہے کہ حق تعالیٰ نے اِس آیت میں چونکہ بنی آدم کا حال اور ایک

مقام سے دوسرے مقام پر اُس کی ترقی بیان فرمائی اور اُسے علم تھا، کہ اِس کو وہ گویائی نہ ہوگی جس سے ایسی حمد وثنا کرے جو بارگاہِ قِدم اور شانِ خداوندی کے لائق ہو۔۔چنانچہ۔۔اپنی ذاتِ مقدس کی تعریف کرنے کے لیے اِن کلماتِ طیبات کی تعلیم فرمائی۔۔بلکہ۔۔ایک روایت کی روشنی میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اِن کلمات کا الہام بھی فرمایا۔۔چنانچہ۔۔جب تخلیقِ انسانی کے تعلق سے قرآنی بیان آپ نے سنا، تو فوراً بے ساختہ آپ کی زبان سے نکل گیا کہ **فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ**۔اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کا کلام وحی الٰہی کے موافق ہوگیا۔۔۔اِس کے بعد زندگی کے بعد کے مرحلوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ۝١٦

پھر بلاشبہ تم لوگ اُس کے بعد مرنے والے ہو● پھر یقیناً تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے●

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ ۝١٧

اور ہم نے پیدا فرمایا تمہارے سروں پر سات راستے۔اور نہ تھے ہم مخلوق سے غافل●

(**پھر بلاشبہ تم لوگ اِس کے بعد مرنے والے ہو**)، یعنی جو تمہاری پیدائش کا حال ہم نے بیان کیا، تو یہ نہ سمجھ لو کہ تم ہمیشہ زندہ ہی رہو گے۔۔بلکہ۔۔تم پر موت طاری کی جائے گی، یعنی تمہارا انجامِ کار موت ہے۔(**پھر یقیناً تم قیامت کے دِن اُٹھائے جاؤ گے**) حساب دینے اور جزا پانے کے لیے۔پیدا کرنا، مارنا اور پھر قیامت میں اٹھانا یہ سب کچھ ہماری قدرتِ کاملہ کی نشانیاں ہیں اور صرف یہی نہیں۔۔بلکہ۔۔آؤ ہماری قدرت کی شان دیکھو (اور) ذہن نشین کرتے جاؤ، کہ یقیناً (**ہم نے پیدا فرمایا تمہارے سروں پر سات راستے**)، یعنی سات آسمان ایک طبقے پر دوسرا طبقہ اور اُس میں سے ہر طبقے تک فرشتوں کی راہوں میں سے ایک راہ ہے۔(**اور نہ تھے ہم**) اِس (**مخلوق**) یعنی آسمان (**سے غافل**) اور بے خبر، کہ ہم اُسے مہمل چھوڑ دیں۔۔بلکہ۔۔وقتِ معلوم تک اُسے خلل سے ہم بچائے ہیں۔یا۔سب مخلوقات سے ہم غافل نہیں ہیں، اُن کی بھلائی، برائی، فائدے، نقصان، کفر وایمان پر ہم مطلع ہیں۔

وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ ۖ

اور اتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی ایک مقدار میں، پھر اسے رکھا زمین میں۔

وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم اُس کے لے جانے پر قادر ہیں●

مخلوقات کی بھلائی (اور) اُن کے فائدے ہی کے لیے (اتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی) اپنی مشیت کے مطابق (ایک مقدار میں) جتنے میں بندوں کی فلاح ہم نے جانی۔ (پھر اُسے رکھا زمین میں) تا کہ مخلوق اُس سے منفعت حاصل کرے۔ اِس مقام پر اِس حقیقت (اور) صورتِ واقعیہ کو بھی ذہن نشین رکھا جائے، کہ جس طرح اُس پانی کو نازل کرنے اور زمین میں ثابت وساکن کرنے پر قادر تھے، اُسی طرح (ہم اُس کے لے جانے) اور زائل کردینے (پر) بھی (قادر ہیں)۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ

پھر پیدا فرمایا ہم نے تمہارے لیے اُس سے باغ، کھجور وانگور کے۔۔۔ تمہارے لیے جس میں بہتیرے میوے ہیں

وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور اُس سے تم کھاتے رہتے ہو●

(پھر پیدا فرمایا ہم نے تمہارے) فائدے کے (لیے اُس) پانی کے سبب (سے باغ کھجور وانگور کے)۔

اِن دونوں درختوں کی تخصیص اِس جہت سے ہے، کہ خرما مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے خاص ہے اور انگور اہلِ طائف کے واسطے۔ کھجور اور انگور زمینِ حجاز میں عرب کے سب شہروں سے زیادہ ہوتے ہیں۔

صرف کھجور اور انگور ہی نہیں۔۔ بلکہ۔۔ یہ وہ باغ ہیں (تمہارے لیے جس میں بہتیرے میوے ہیں اور اُس سے تم کھاتے رہتے ہو)، یعنی اُس کے پھل تم کھاتے ہو اور اُس سے ضروری معاش حاصل کرتے ہو۔۔۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور ایک درخت جو نکلتا ہے طورِ سینا سے، اگتا ہے تیل لے کر، اور سالن کھانے والوں کے لیے●

(اور) پیدا کیا تمہارے لیے (ایک درخت) زیتون کا (جو نکلتا ہے طورِ سینا سے)، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہاڑ ہے مصر اور ایلہ کے درمیان۔

ایک روایت ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد جو پہلا درخت اُگا، وہ یہی زیتون کا درخت تھا۔

اِس درخت کی خصوصیت یہ ہے، کہ (**اُگتا ہے تیل لے کر**) یعنی روغن کے ساتھ (**اور سالن**) ہے (**کھانے والوں کے لیے**)۔ یعنی درختِ زیتون ایسی چیز کے ساتھ اُگتا ہے جس میں چکنائی بھی ہے اور روٹی سے کھانے والی چیز بھی ہے۔ اُسی تیل سے چراغ بھی جلا سکتے ہیں اور اُسی سے روٹی بھی کھا سکتے ہیں۔ یہ سب قدرتِ خداوندی کی نشانیاں ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں ضرور سبق ہے۔ کہ ہم پلاتے ہیں تمہیں جو اُن کے پیٹوں میں ہے، اور تمہارے اُن سے

كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ ۲۱ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝ ۲۲

بہتیرے فائدے ہیں، اور اُن میں سے ہیں کہ تم کھاتے ہو● اور اُن پر، نیز کشتیوں پر لادے جاتے ہو●

ع ۱/۲۲

(**اور**) علاوہ ازیں (**بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں ضرور سبق ہے**)، یعنی تمہارے واسطے چارپایوں یعنی اونٹ، گائے، بکری، ایسی چیز ہے جس کے سبب سے تم عبرت حاصل کرو اور خدا کی قدرت پر دلیل پکڑو۔ غور نہیں کرتے (**کہ ہم پلاتے ہیں تمہیں**) وہ خالص دودھ (**جو اُن کے پیٹوں میں ہے**) جسے ہم اُن کے تھنوں سے حاصل کرتے ہیں، (**اور**) دودھ نوشی کے سوا بھی (**تمہارے اُن سے بہتیرے فائدے ہیں**)۔ بعض پر تم سواری کرتے ہو، بعض پر بوجھ لادتے ہو اور بعض کے بالوں اور رُووَں سے فائدہ حاصل کرتے ہو، (**اور**) بعض (**اُن میں سے**) وہ (**ہیں کہ تم**) جنہیں (**کھاتے ہو**)۔ یعنی اُن کا گوشت کھاتے ہو۔۔یا۔۔ اُن کے سبب سے روزی کھاتے ہو۔ (**اور**) تم خود (**اُن پر**) یعنی اُن میں سے اونٹوں پر خشکی میں (**نیز کشتیوں پر**) تری میں (**لادے جاتے ہو**)، یعنی اونٹ اور کشتی تمہیں اٹھاتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ ہم نے تم کو مویشیوں کا مالک اور اُن پر متصرف بنا رکھا ہے۔ تم اُن کا گوشت کھاتے ہو اور اُن پر سواری کرتے ہو اور اُن سے طرح طرح کے فوائد حاصل کرتے ہو، یہ تمہاری خشکی کی سواریاں ہیں۔ پھر تمہارے لیے دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرنے کے لیے الگ سواریاں بنائی ہیں۔ کیا اِن تمام نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنے کے باوجود اب بھی تمہارے دل میں اُس مالک، رازق

اور منعم پر ایمان لانے اور اُس کا شکرادا کرنے کی تحریک پیدا نہیں ہوتی۔

تو اَے محبوب! اگر یہ سرکش قوم اپنی سرکشی سے باز نہیں آتی تو کوئی نئی بات نہیں، ہر دَور میں سرکش لوگوں کا یہی حال رہا ہے کہ اپنے نبی ورسول پر ایمان لانے سے گریز کرتے رہے ہیں، اور ضد، بغض وعناد، کٹ حجتی اور ظلم وزیادتی سے کام لیتے رہے ہیں، مگر اُن کی تمام نازیبا حرکتوں کے جواب میں ہمارے اولوالعزم رسول صبر وتحمل کے ساتھ اپنی قوم کو سمجھاتے رہے، اور اُن کو صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش کرتے رہے، اور دشمنوں کی شرانگیزیوں کے جواب میں رحمت وہدایت کے پھول برساتے رہے۔ اِس مقام پر اَے محبوب! 'حضرت' نوح کے حالات۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف، تو حکم دیا کہ "اَے قوم پوجو اللہ کو، تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾

کوئی معبود نہیں اس کے سوا۔ تو کیا اللہ سے نہیں ڈرتے؟"●

(اور) اُن کے واقعات کو لوگوں پر ظاہر کردو، کہ (بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف)۔ یعنی اَے محبوب! ہم نے آپ سے پہلے نوح 'علیہ السلام' کو اُن کے گروہ کی طرف مبعوث کیا، (تو حکم دیا) نوح نے اور کہا دعوت کی راہ سے، (کہ اَے) میری (قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) کیونکہ (تمہارا کوئی معبود نہیں اُس کے سوا) جو عبادت کا مستحق ہو۔۔ الغرض۔۔ تم جسے پوجتے ہو وہ اِس لائق نہیں کہ اُن کی پرستش کی جائے۔ پوجنے کے لائق صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کی پرستش کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں، (تو کیا) اَے غیرِ خدا کو پوجنے والو! تم (اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے نہیں ڈرتے)؟ اَے میری قوم کے لوگو ہوش وحواس سے کام لو اور اُس کے عذاب سے ڈرو اور اُس کے سوا اور کسی کی عبادت کی طرف میل نہ کرو۔۔۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

تو بولے قوم کے چودھری لوگ جنہوں نے کفر کیا، "کہ یہ نہیں ہے مگر تمہاری طرح بشر۔۔۔

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ

چاہتا ہے کہ بڑھ جائے تم پر۔ اور اگر اللہ چاہتا، تو اتار دیتا فرشتے۔

مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۴﴾

ہم نے نہیں سنا یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں ●

(تو بولے قوم کے چودھری لوگ جنہوں نے کفر کیا) اُن کی قوم میں سے فقیروں اور عام لوگوں سے، یعنی جب قوم کے بڑے آدمیوں نے چھوٹوں کو نوح علیہ السلام کی دعوت اور دین کی طرف مائل دیکھا، تو انہیں نفرت دلانے کے واسطے کہا **(کہ یہ)** شخص جو تمہیں توحید کی طرف بُلا رہا ہے، **(نہیں ہے مگر)** کھانے پینے وغیرہ میں **(تمہاری طرح بشر)**، جو **(چاہتا ہے کہ بڑھ جائے تم پر)** یعنی خود سردار بن کر تم سب کو تابع ومحکوم بنالینا چاہتا ہے۔ **(اور اگر اللہ)** تعالیٰ **(چاہتا)** کہ آدمیوں پر رسول بھیجے **(تو اُتار دیتا فرشتے)** تاکہ بھیجا ہوا اُن سے ممتاز ہوتا جن کی طرف بھیجا ہے۔

(ہم نے نہیں سنا یہ) کہ آدمی خدا کا رسول ہوسکتا ہے مخلوق کی طرف **(اپنے اگلے باپ دادوں میں)**۔ یعنی اپنے باپ دادا کے درمیان جو آگے تھے۔

منکرین یہ بات شدتِ عداوت کی وجہ سے کہتے تھے، اِس واسطے کہ حضرت ادریس علیہ السلام سے اِن لوگوں تک بہت مدت نہیں گزری تھی اور انہوں نے سنا تھا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایک پیغمبر ہوا تھا۔

ساتھ ہی ساتھ حضرت نوح کی دعوت کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے یہ بھی بک دیا، کہ۔۔۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۲۵﴾

وہ بس دیوانگی کا ایک مرد بیمار ہے، تو انتظار کرو کچھ مدت کا" ●

(وہ بس دیوانگی کا ایک مرد بیمار ہے)، اس واسطے کہ اگر مجنون نہ ہوتا، تو جان لیتا کہ آدمی رسول ہونے کے لائق نہیں، **(تو انتظار کرو کچھ مدت کا)** اور دیکھتے رہو ایک وقت تک۔ یعنی صبر کرو یہ شخص تھوڑی ہی مدت میں مرجائے گا اور ہم اِس سے چھٹکارا پاجائیں گے۔۔۔یا۔۔۔جنون سے ہوش میں آجائے گا اور ایسی باتیں کرنا چھوڑ کر اپنے کام میں لگ جائے گا۔ اُن کے ایمان سے ناامید ہوکر مناجات کے طور پر۔۔۔

قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ اَنِ اصۡنَعِ الۡـفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا

دُعا کی نوح نے کہ "پروردگارا میری مدد فرما، جو اِن سب نے جھٹلا دیا ہے" ● تو ہم نے وحی بھیجی اُن کی طرف کہ "کشتی بناؤ،

وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ

ہمارے سامنے اور ہمارے کہے پر، تو جب آ گیا ہمارا حکم، اور اُبلنے لگا تنور، اب چڑھالو اِس میں ہر چیز کے جوڑے دو،

اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِي

اور اپنے گھرانے کو، مگر اُن میں سے جس پر بات پہلے ہی طے ہوگئی، اور مت بولنا مجھے اُن کے لیے

فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

جو اندھیر کر چکے ہیں، کہ وہ بلاشبہ ڈبوئے جائیں گے"●

(دُعا کی نوح نے کہ پروردگارا! میری مدد فرما) اور اِن سے میرا انتقام لے بہ سبب اِس کے، کہ (جو اِن سب نے جھٹلا دیا ہے) اور میری تکذیب کی ہے۔ (تو ہم نے وحی بھیجی اُن کی طرف کہ کشتی بناؤ ہمارے سامنے)، یعنی ہماری نگہداشت کے ساتھ کہ ہم تیری محافظت کریں کہ تُو خطا نہ کرے (اور ہمارے کہے پر)، یعنی ہمارے حکم اور تعلیم سے۔ یعنی جس طرح کی کشتی بنانے کا ہم حکم دیں اور اُس کے تعلق سے جو ہدایت کریں کشتی اُسی ہدایت و تعلیم کی روشنی میں تیار کرو۔

نوح علیہ السلام نے اُسی ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرلی۔

(تو جب آ گیا ہمارا حکم) کشتی پر سوار ہونے کے واسطے۔۔یا۔۔ ہمارا عذاب نازل ہونے کے تعلق سے (اور اُبلنے لگا تنور) جس کے تعلق سے نوح علیہ السلام کو باخبر کیا جا چکا تھا، کہ اَے نوح جب تمہاری عورت روٹی پکاتی ہو اور آگ میں سے پانی نکلے، تو (اب چڑھالو اُس میں ہر چیز کے جوڑے) یعنی دونوں قسم کے حیوانات کہ ایک دوسرے کا جوڑا ہیں (دو)، یعنی نر اور مادہ۔

ایک قول ہے کہ نوح علیہ السلام نے اُنہیں جانوروں کے جوڑے کشتی میں داخل کیے جو انڈا ۔۔یا۔۔ بچہ دیتے ہیں۔

(اور) اُن کے سوا (اپنے گھرانے کو) کشتی میں سوار کرالو، (مگر اُن میں سے جس پر بات پہلے ہی طے ہوگئی)، یعنی کشتی میں گھر والوں میں سے جو ایماندار ہیں اُنہیں سوار کرلو۔ رہ گئے وہ جن کی ہلاکت کی بات روزِ ازل ہی سے لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی ہے، وہ اِس لائق نہیں ہیں کہ اُنہیں کشتی میں سوار کرایا جائے۔ (اور مت بولنا مجھے اُن کے لیے جو اندھیر کر چکے ہیں)۔ یعنی اُن لوگوں کے حق میں جنہوں نے ظلم کیا اپنے اوپر اور ایمان نہ قبول کیا اور تجھے ایذاء دی اور تمہارے ساتھ مسخراپن کیا، تو تم عذابِ غرق سے اُن کی نجات کی واسطے دُعا نہ کرنا، کیوں (کہ وہ بلاشبہ ڈبوئے جائیں گے)۔ پھر عذاب

ظاہر ہونے کے وقت۔۔۔

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي

پھر جب برابر بیٹھ گئے تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر، تو بولو کہ "ساری حمد اللہ کے لیے، جس نے بچایا ہمیں

نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَّبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا

اندھیر مچانے والی قوم سے"● اور دُعا کرو، کہ "پروردگارا مجھ کو اتار کسی مبارک فرودگاہ پر،

وَّأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٢٩﴾

اور تُو بہتر مہمان نواز ہے"●

(جب برابر بیٹھ گئے تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر، تو) خدا کی حمد وثنا کرو اور اُس کا شکر ادا کرو اور (بولو کہ ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کے لیے) ہے، (جس نے بچایا ہمیں اندھیر مچانے والی قوم) مشرکین (سے)۔(اور) کشتی پر بیٹھتے وقت (دُعا کرو کہ پروردگارا! مجھ کو اُتار کسی مبارک فرودگاہ پر)۔یعنی ایسی جگہ پر جو برکت والی ہو اور جہاں مسلمانوں کی نجات اور سلامتی ہے۔(اور) یقیناً پروردگارا! (تُو بہتر مہمان نواز ہے) اور برکت والی جگہ پر اُتارنے والا ہے۔

مشہور بات یہ ہے کہ حضرت نوح نے یہ دُعا کشتی پر چڑھتے ہوئے بھی کی اور اُترتے ہوئے بھی۔بعض عارفین کا کہنا ہے کہ برکت والی وہ جگہیں ہیں جن میں نفسانی خطروں اور شیطانی وسوسوں سے آدمی بے خوف ہو اور مقاماتِ قدس سے قریب ہونے کے آثار وہاں اُترتے ہوں۔ اور جہاں پَرتَوِ جمال اکثر ہے، اُس جگہ کی برکت اَور جگہوں سے زیادہ تر ہے۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں، اور بلاشبہ ہم اُن کے امتحان لینے والے تھے●

(بے شک اِس میں) یعنی نوح علیہ السلام کے قصے میں اور اُس فعل میں جو اِن کی قوم کے ساتھ کیا گیا (ضرور نشانیاں ہیں) عبرت والوں کے لیے، (اور بلاشبہ ہم اُن کے امتحان لینے والے تھے) اور اُس قوم کو مبتلا کرنے والے تھے بڑی بَلا میں۔۔۔یا۔۔۔اُن نشانیوں سے ہم سب بندوں کا امتحان کرنے والے ہیں، تاکہ تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے کھل جائیں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

پھر اُٹھایا ہم نے اُن کے بعد دوسرے طبقے کو● پھر بھیجا ان میں رسول اُن میں سے

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع

کہ "پوجو اللہ کو، نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اُس کے سوا، تو کیا اُسے نہیں ڈرتے"●

(پھر اُٹھایا ہم نے اُن کے بعد) یعنی نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد (دوسرے طبقے کو)، یعنی قومِ عاد۔۔یا۔۔قومِ ثمود کو، (پھر بھیجا اُن میں رسول اُن میں سے)۔

وہ ہود علیہ السلام تھے۔۔یا۔۔صالح علیہ السلام۔

اور کہا ہم نے اُس قوم سے اُس کے رسول کی زبانی، (کہ پوجو اللہ) تعالیٰ (کو، نہیں ہے تمہارا کوئی معبود) جو عبادت کا مستحق ہو (اُس کے سوا، تو کیا اُسے) یعنی اُس کے عذاب سے (نہیں ڈرتے)۔ ہوش سے کام لو اور خدا کے عذاب سے اپنے کو بچاؤ، اور اُس کے سوا کسی اُور کی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ تو یہ سن کر بولے۔۔۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

اور جواب دیا اُن کی قوم کے چودھریوں نے، جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو،

وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

اور آسودہ حال کر رکھا تھا ہم نے انہیں دُنیاوی زندگی میں کہ "یہ نہیں ہیں مگر تمہارے جیسے بشر،

یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ

کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو، اور پیتے ہیں جو تم پیتے ہو●

(اور جواب دیا اُن کی قوم کے چودھریوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو) یعنی بعث وحشر کے منکر تھے، (اور آسودہ حال کر رکھا تھا ہم نے اُنہیں دُنیاوی زندگی میں) آل واولاد کی کثرت کے سبب سے۔۔الختصر۔۔ناز ونعمت میں پلنے والے کافروں کے بعض اپنے دوسرے بعض سے بولے، (کہ یہ نہیں ہیں مگر تمہارے جیسے بشر۔ کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو، اور پیتے ہیں جو تم پیتے ہو)۔ یعنی یہ رسول جو حق کی طرف بُلاتا ہے بشری صفتوں اور حالتوں میں تمہارے ہی جیسا آدمی ہے۔

وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ

اور اگر تم نے کہا مان لیا کسی اپنی طرح سے بشر کا، تو بلاشبہ تم رہے گھاٹے والے ● کیا تم لوگوں سے وہ وعدہ کرتا ہے،

اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

کہ جہاں تم مرے اور خاک اور ہڈیاں ہو گئے، تو تم نکالے جاؤ گے ●

(اور) اب (اگر تم نے کہا مان لیا کسی اپنی طرح سے بشر کا، تو بلاشبہ تم رہے گھاٹے والے)۔ اس لیے کہ اِس صورت میں تم اپنے جیسے آدمی کی فرمانبرداری اور تابعداری کرو گے اور اُس کے محکوم بن کر رہ جاؤ گے۔ (کیا تم لوگوں سے وہ) پیغمبر حتمی اور یقینی (وعدہ کرتا ہے کہ جہاں تم مرے اور خاک اور ہڈیاں ہو گئے، تو تم نکالے جاؤ گے) قبروں سے زندہ۔ پیغمبروں کا وعدہ تو یقینی ہی رہتا ہے لیکن منکرین اپنے گمان سے اُسے بعید از قیاس ہی سے سمجھتے تھے۔۔ لہٰذا۔۔ کہہ پڑے۔۔۔

هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ

کہاں کی بات، کوسوں دُور، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ● بس یہی ہماری دُنیاوی زندگی ہے، کہ مرتے ہیں

وَ نَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۳۷﴾

اور جیتے ہیں، اور ہم اٹھائے نہ جائیں گے ●

(کہاں کی بات) حقیقت وواقعیت سے (کوسوں دُور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) یعنی بعث وجزا، ایسا تو ہرگز نہ ہوگا۔ (بس یہی ہماری دُنیاوی زندگی ہے کہ مرتے ہیں اور جیتے ہیں)۔ یعنی ہم میں سے اگر ایک مرتا ہے تو ایک پیدا ہوتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ یہ سلسلہ اب تک چلتا رہا ہے اور آئندہ بھی چلتا رہے گا، (اور ہم اٹھائے نہ جائیں گے) اور نہ ہی زندہ ہونے والے ہیں موت کے بعد۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۸﴾

یہ بس کوئی شخص ہے، جس نے گڑھنت کر لیا اللہ پر جھوٹ، اور ہم لوگ اِس کو نہیں مانتے" ●

(یہ) یعنی ہود۔۔ یا۔۔ صالح علیہما السلام (بس کوئی شخص ہے، جس نے گڑھنت کر لیا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)۔۔ چنانچہ۔۔ کہتا ہے کہ مجھے خدا نے تمہاری طرف رسول کیا ہے اور تم کو بعد مرگ خدا زندہ کرے گا (اور ہم لوگ) تو (اِس کو نہیں مانتے)، یعنی اُس کی اِس بات کو تسلیم نہیں کرتے جس کی وہ خبر دیتا ہے۔ اِس پر۔۔۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾

انہوں نے دُعا کی، کہ "پروردگارا میری مدد فرما، جو ان سب نے جھٹلا دیا ہے"●

(اُنہوں نے) یعنی اُن پیغمبروں نے **(دُعا کی کہ پروردگارا! میری مدد فرما جو اِن سب نے جھٹلا دیا ہے)**۔۔الغرض۔۔پیغمبر نے یہ بات سن کر اور اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہوکر حق تعالیٰ سے دُعا کی، کہ اَے میرے رب! میری مدد فرما، مجھے غالب کردے اور اِنہیں مغلوب کر عذاب کر کے، اِس سبب سے کہ اِنہوں نے میری تکذیب کی۔

قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿۴۰﴾

ارشاد ہوا کہ "ذرا سے میں یہ صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے"●

(ارشاد ہوا کہ ذرا سے میں یہ صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے)۔یعنی تھوڑا صبر کر! صبح ہوتے ہی یہ سارے کافر اور تکذیب کرنے والے اپنی تکذیب سے پشیمان اور کفِ افسوس ملتے ہوئے نظر آئیں گے، دُنیا میں نہ سہی تو آخرت میں سہی۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا کہ جیسے صبح ہوئی۔۔۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

تو پکڑ لیا انہیں چنگھاڑ نے، حق کی طرف سے، تو بنا دیا انہیں کوڑا کرکٹ، تو دُور ہوں اندھیر مچانے والی قوم●

(تو پکڑ لیا اُنہیں چنگھاڑ نے حق کی طرف سے)۔یعنی جبرائیل علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے اتنی تیز آواز نکالی کہ اُن کے دل پھٹ گئے اور وہ سب مر گئے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ جن مفسرین کے نزدیک یہ قومِ ثمود کا واقعہ ہے، اُن کی دلیل یہی ہے کہ 'عذابِ صیحہ' قومِ ثمود پر ہوا تھا۔اور جو مفسر کہتے ہیں کہ یہ قومِ عاد تھی، تو اُن کی دلیل یہ ہے کہ 'سورۂ اعراف'، 'سورۂ ہود' اور 'سورۂ شعراء' میں نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد قومِ عاد کا قصہ ہے، تو اُسی ترتیب سے یہاں بھی عاد ہی مراد ہے۔اور اِس قول کے موافق یہ بات ہے کہ جس عذاب سے ہلاکت ہو اُسے 'صیحہ' کہہ سکتے ہیں۔بہر تقدیر لے لیا اُنہیں صیحہ نے حکمِ قضا کے سبب سے یا سچے وعدے کے باعث۔۔یا۔۔اِس وجہ سے کہ وہ عذاب کے مستحق تھے۔۔۔

(تو بنا دیا اُنہیں کوڑا کرکٹ)، یعنی کر دیا اُنہیں جیسے تنکے پانی کے بہائے ہوئے، یعنی ہم نے

اُنہیں اِس طرح ہلاک اور نیست و نابود کر دیا جیسے تنکوں کو پانی کا بہاؤ کنارے پھینک دیتا ہے اور وہ سیاہ بھوسا ہو جاتے ہیں۔ (تو دُور ہوں اندھیر مچانے والی قوم) خدا کی رحمت سے۔۔الحاصل۔۔خدا کی رحمت سے اندھیر مچانے والی قوم کو دُوری رہے گی۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا

پھر ابھارا ہم نے اُن کے بعد اُور طبقوں کو● نہ آئی کوئی امت اپنے وقت سے پہلے،

وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور نہ رہ گئی اپنے وقت سے پیچھے●

(پھر اُبھارا ہم نے اُن کے بعد اُور طبقوں کو) یعنی اُور قرنوں والوں کو، جیسے شعیب اور لوط علیہما السلام کے عہد والوں کو، اِس اہتمام کے ساتھ، کہ (نہ آئی کوئی امت اپنے وقت سے پہلے اور نہ) ہی (رہ گئی اپنے وقت سے پیچھے)۔۔المختصر۔۔ہر دَور کی امت اپنے اپنے وقت پر جو اُس کے لیے مقدر کر دیا گیا تھا آ ئی گئی، اور ایسے ہی اپنے اپنے متعینہ وقت پر جاتی رہی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ

پھر بھیجا اپنے رسولوں کو مسلسل۔ جب آیا کسی امت کے پاس اُس کا رسول، تو جھٹلا دیا اُسے، تو ہم نے پیچھے لگا دیا ایک کو

بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

دوسرے کے، اور بنا دی اُنہیں کہانیاں، تو دُور ہوں نہ ماننے والی قوم●

(پھر بھیجا اپنے رسولوں کو مسلسل) پے در پے ایک کے پیچھے ایک۔ اور یہ صورت حال بھی پیش آتی رہی، کہ (جب آیا کسی امت کے پاس اُس کا رسول، تو جھٹلا دیا اُسے)۔۔الغرض۔۔اُن کے پیغمبر نے جو کچھ توحید، نبوت، بعث اور حشر کا حال کہا اُسے اُنہوں نے جھوٹ جانا اور اپنے باپ دادا کی پیروی اور اُن کی بُری عادتیں اختیار کرنے کے سبب سے تصدیق کی دولت سے محروم رہے، (تو ہم نے پیچھے لگا دیا ایک کو دوسرے کے) ہلاک کرنے میں۔ یعنی کسی کو ہم نے مہلت نہ دی اور پچھلوں کو اگلوں کی طرح ہم نے عذاب میں ڈالا (اور بنا دی اُنہیں کہانیاں)، یعنی اُنہیں ہم نے خلائق کے واسطے عبرت کر دیا کہ ہمیشہ اُن کا عذاب یاد کریں اور اُس کی مثال دیا کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اُن کی فقط حکایت ہی باقی رہ گئی، کہ لوگ اُسے کہانی کی طرح کہتے ہیں اور اگر اُن کا ذکرِ خیر اور اچھی باتیں رہتیں، تو کیا ہی خوب ہوتا۔ **(تو دُور ہوں) خدا کی رحمت سے (نہ ماننے والی قوم)** اور انبیاءِ کرام کی تصدیق نہ کرنے والا گروہ۔

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوۡنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۴۵

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو۔ اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ●

اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا عَالِيۡنَ ۝۴۶

فرعون اور اُس کے چودھریوں کی طرف، تو وہ سب بڑے بنے اور تھے اونچے لوگ●

(پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں) معجزات، خدائی پیغامات **(اور کھلی سند کے ساتھ)**، یعنی عصا کے ساتھ۔

عصا کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ حضرت موسیٰ کو تمام معجزات سے پہلے عصا ہی کا معجزہ عطا فرمایا گیا اور دوسرے چند معجزے جیسے جادوؤں کے سانپوں کو نگل جانا، دریا کا پھٹنا، اور پتھر سے پانی جاری ہونا اُسی سے تعلق رکھتا تھا۔

۔۔الحاصل۔۔ موسیٰ اور اُن کے بھائی کو نو ۹ معجزوں کے ساتھ ہم نے بھیجا **(فرعون اور اُس کے چودھریوں کی طرف)** اور اُنہوں نے ہمارا پیغام پہنچادیا، **(تو وہ سب بڑے بنے)** اور غرور و تکبر کا مظاہرہ کیا۔۔ چنانچہ۔۔ وہ سارے قبطی نہ تو پیغمبر پر ایمان لائے، اور نہ ہی اُن کی پیروی کی۔ **(اور)** یہ اِس لیے کہ وہ سب **(تھے)** اپنی قوم میں **(اونچے لوگ)**، یعنی انہیں دوسرے کمزور لوگوں پر قہر و غلبہ حاصل تھا۔۔۔

فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَيۡنِ مِثۡلِنَا وَقَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ۝۴۷ فَكَذَّبُوۡهُمَا

چنانچہ بولے کہ "کیا ہم مانیں اپنی طرح کے دو بشر کو؟" اور ان کی قوم ہماری پوجا پاٹ کرنے والی ہے● تو جھٹلایا انہوں نے

فَكَانُوۡا مِنَ الۡمُهۡلَكِيۡنَ ۝۴۸

اُن دونوں کو، تو ہلاک ہوگئے●

(چنانچہ بولے کہ کیا ہم مانیں اپنی طرح کے دو بشر کو؟ اور) حال یہ ہے کہ **(اِن کی قوم)** بنی اسرائیل **(ہماری پوجا پاٹ کرنے والی ہے)**، یعنی اِس طرح ہمارے حکم میں ہے جیسے غلام مالکوں کے احکام کے تحت رہتے ہیں۔

بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل فرعون کی پرستش کرتے تھے اور فرعون بت پوجتا تھا۔۔یا۔۔بچھڑے کی پرستش کرتا تھا۔

(تو جھٹلایا اُنہوں نے اِن دونوں کو، تو) اِس تکذیب کے سبب سے **(ہلاک ہوگئے)** اور بحرِ قلزم میں غرق کردیے گئے۔ فرعون اور اُس کی قوم کے ہلاک ہوجانے کے۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور بے شک دی تھی ہم نے موسیٰ کو کتاب، کہ لوگ راہ پکڑیں●

(اور) اُن کے دریا میں ڈوب جانے کے بعد **(بے شک دی تھی ہم نے موسیٰ کو کتاب)** توریت، تا **(کہ وہ لوگ)** یعنی بنی اسرائیل **(راہ پکڑیں)** اور احکامِ شریعت سے باخبر ہوجائیں اور اُس کی برکت سے صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

اور بنادیا تھا ہم نے ابنِ مریم اور ان کی ماں کو نشانی، اور ٹھکانہ دیا ان دونوں کو اونچی زمین پر، ٹھہرنے کے قابل اور بہتا چشمہ●

(اور بنادیا تھا ہم نے ابنِ مریم) کو **(اور اُن کی ماں)** کے قصے **(کو نشانی)**، یعنی دلیل اپنی قدرت پر۔۔یا۔۔ ہر ایک کو دلیل پکڑنے پر ہم نے نشانی بنایا۔ بیٹے کو اِس طرح کہ اُس نے اپنی ماں کی گود میں اُسی دن بات کی جس دن پیدا ہوا۔ اور ماں کو اِس طرح کہ بے کسی مرد کے ہاتھ لگائے وہ ایسا بیٹا جنی۔ **(اور)** جب وہ یہود سے بھاگے، تو **(ٹھکانہ دیا اُن دونوں)** ماں بیٹے **(کو اونچی زمین پر)** رَبوَہ کی طرف، یعنی بیت المقدس کے ٹیکرے کی جانب۔۔یا۔۔دمشق۔۔یا۔۔رملہ۔۔یا۔۔قسطنطین۔۔یا۔۔مصر کی طرف، **(ٹھہرنے کے قابل اور بہتا چشمہ)**۔

رَبوَہ ایک موضع تھا قرار والا یعنی ٹھہرنے کی جگہ کہ وہاں آرام کرلیں اور پانی والا کہ وہ پانی کھلا ہوا پاک جاری تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رملہ فلسطین کو لازم پکڑو، کہ یہ وہ رَبوَہ ہے جس کا ذکر خدا نے قرآنِ کریم میں کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے بیٹے اور چچیرے بھائی یوسف بن ماثان کے ساتھ بارہ برس اِس موضع میں رہیں اور رسّی بٹ کر بیچتیں اور اِس کی قیمت سے غلہ مول لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھانا کھلاتیں اور رزقِ حلال سے آپ کی پرورش فرماتیں۔ رزقِ حلال کی اہمیت کے پیش

نظر ہی ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ

اَے رسولو! ”کھاؤ پاکیزہ چیزیں اور عمل کرو اپنے لائق۔

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بے شک میں تمہارے اعمال کا جاننے والا ہوں●

(اَے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں) طیب وطاہر حلال غذائیں (اور عمل کرو اپنے لائق)، یعنی اپنی شایانِ شان۔

اِس مقام پر یہ بات قابلِ غور ہے کہ حق تعالیٰ نے پاکیزہ کھانے کو نیک کام کرنے پر مقدم رکھا، اِس واسطے کہ نیک کام اُس کھانے کا نتیجہ ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ ”لقمہ عمل کا بیج ہے اور عمل اُس کا پھل ہے۔ جس قدر بیج پاکیزہ ہوگا اُسی قدر پھل بہتر ہوگا“۔

ذہن نشین رہے کہ جس غذا کو شرع نے حلال رکھا ہے اُس میں شرع کی عدالت اور استقامت کا حکم سرایت کے لیے ہے۔ جو شخص وہ غذا کھاتا ہے، تو وہ عدالت جو حکمِ شرع سے اُس غذا کے ساتھ ہے کھانے والے کے نفس اور سب اعضا میں ظاہر ہو جاتی ہے اور اُس وقت نفس اور اعضا ادائے عبادت میں نرم اور مطیع ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ قرآنی:

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴿۳۹:۲۳﴾

”پھر نرم ہو جاتے ہیں اُن کے ظاہری اعضا اور دل اللہ کے ذکر کی طرف“۔

اِسی طرح اشارہ ہے۔ اور جس چیز کو شرع نے حرام کیا۔۔یا۔۔اُس کے حلال ہونے کی وجہ مشتبہ اور پوشیدہ ہے اُس غذا کے ساتھ انحراف اور مخالفتِ شرع کا حکم لگا ہوتا ہے، اگرچہ وہ غذا ایک ہی لقمہ ہو۔ اور اِسی طرح اِس غذا کے انحراف کا حکم نفس اور اعضاء میں سرایت کرتا ہے اور حد سے گزرنے، گناہ کرنے، بُری باتوں کے مرتکب ہونے اور بُرے اخلاق پیدا ہونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ

”اللہ پاک ہے اور نہیں قبول فرماتا مگر پاک کو“۔

۔۔۔اِس آیتِ کریمہ میں ’اَے رسولو‘ سے خطاب کے تعلق سے چند اقوال ہیں:

﴿۱﴾۔۔یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تعظیم کی راہ سے جمع کے صیغے کے ساتھ۔

﴿٢﴾۔۔ یہ سب انبیاء کی طرف خطاب ایک ہی دفعہ نہیں ہے۔ اس واسطے کہ وہ مختلف زمانوں میں تھے، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اپنے اپنے زمانے میں ہر ایک کی طرف یہ خطاب ہوا ہے، تو سب اِس خطاب کے تحت داخل ہیں۔

﴿٣﴾۔۔ یہ ہمارے سلطان الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف خطاب ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو "سب پیغمبر" کہہ کے پکارا اِس واسطے کہ آپ سب پیغمبروں کے سردار ہیں اور آپ کی ذات میں وہ سب کمالات جمع ہیں جو باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں تھے۔

پیغمبروں کو یہ حکم دینے میں حکمت یہ ہے کہ وہ اپنے امتیوں کو حکم کریں کہ وہ حلال کھائیں اور نیک کام کریں اور اچھی طرح جان لیں کہ۔۔۔

(بے شک میں) تمہارا خدا ہوں، (تمہارے اعمال کا جاننے والا ہوں)۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿٥٢﴾

اور بے شک یہ تم سب کا دستور ایک ہی دستور ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، تو مجھے ڈرو" ●

(اور بے شک) اَے رسولو! (یہ تم سب کا دستور ایک ہی دستور ہے)، یعنی عقائد واصول اور بنیادی احکام میں ایک ہی ملت ہے۔۔یا۔۔اَے امتِ محمد یہ تمہاری جماعت ایک جماعت ہے جو ایمان وتوحید میں متفق ومتحد ہے، (اور میں تم سب کا رب ہوں، تو مجھے ڈرو) اور کلمۂ توحید میں میری مخالفت سے بچو۔ انبیاءِ کرام کے توسط سے مذکورہ بالا پیغام ہر دَور کے لوگوں کو دیا گیا اور اہلِ کتاب کو خاص طور پر اِس کا مخاطب بنایا گیا۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٣﴾

پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا انہوں نے اپنے کام کو باہم، فرقہ فرقہ ہو کر، ہر پارٹی جو اپنے اپنے پاس ہے، اُس سے ہر ایک مگن ہے ●

(پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اُنہوں نے اپنے کام کو باہم فرقہ فرقہ ہو کر)۔۔المختصر۔۔آپس میں اختلاف کر کے مختلف گروہوں میں بٹ گئے اور صورتِ حال یہ بنالی ہے، کہ (ہر پارٹی جو) ان کے (اپنے اپنے پاس ہے اُس سے ہر ایک مگن ہے)۔ یعنی سب اپنے اپنے نظریات اور اعتقادات سے خوش ہیں اور اُن پر ناز کرتے ہیں، یہ گمان کر کے کہ جو اِن کا عقیدہ ہے وہی حق ہے۔ تو یہ زبردست خوش فہمی کا شکار ہیں اور ایک باطل نشے میں چوُر ہیں۔۔۔

فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۵۴﴾ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ

تو انہیں چھوڑ دو اُن کے نشے میں کچھ مدت ● کیا وہ اس خیال میں پڑے ہیں کہ ہم جو مدد کرتے ہیں اُن کی

مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

مال واولاد سے ● تو جلدی جلدی انہیں بھلائیاں دیتے ہیں، بلکہ یہ سارے ہماری منشا سے بے خبر ہیں ●

(تو) اَے محبوب! (اِنہیں چھوڑ دو اِن کے نشہ میں کچھ مدت)، اُس وقت تک کہ وہ مار ڈالے جائیں۔۔یا۔۔مر جائیں۔ (کیا وہ) مشرکین (اِس خیال میں پڑے ہیں کہ ہم جو مدد کرتے ہیں اُن کی مال واولاد سے، تو جلدی جلدی انہیں) مال ودولت، زینتِ دُنیا اور اولادِ کثیر کی صورت میں (بھلائیاں دیتے ہیں)، اُن کے اعمال اِس کے لائق ہیں، یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں، (بلکہ یہ سارے ہماری منشاء سے بے خبر ہیں)۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ مدد دینا آہستہ آہستہ اُن کو عذاب کی طرف کھینچتا ہے، یہ بھلائیوں میں جلدی کرنا نہیں ہے۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ

ہاں! جو اپنے رب کے خوف سے کانپنے والے ہیں ● اور جو اپنے رب کی آیتوں

رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِیْنَ

کو مانتے ہیں ● اور جو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہراتے ● اور جو دیتے ہیں

یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

اپنا دیا ہوا، اور اُن کے دِل تھرّا رہے ہیں کہ "وہ سب اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں" ●

(ہاں جو اپنے رب کے خوف سے کانپنے والے ہیں)، اور اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں، (اور جو اپنے رب کی آیتوں کو مانتے ہیں) یعنی قرآنِ کریم۔۔یا۔۔قدرت کی دلیلوں پر ایمان لاتے ہیں، (اور جو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہراتے) یعنی اپنے کو شرکِ جلی اور شرکِ خفی سے بچاتے ہیں، (اور جو دیتے ہیں اپنا دیا ہوا) یعنی وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں صدقے اور زکوٰۃ اور انواع واقسام کے خیرات وتبرعات کے سبب سے درگاہِ الٰہی میں وسیلہ پکڑتے ہیں، (اور اُن کے دل تھرّا رہے ہیں) کہ کہیں اُن کی خیرات مردود نہ ہو جائے، اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ سب اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں) اِن مذکورہ صفات سے جو موصوف ہیں۔۔دراصل۔۔

اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

وہ ہیں کہ جلدی کررہے ہیں نیکیوں میں، اور وہ اِس بارے میں بڑھ گئے●

(وہ ہیں کہ جلدی کررہے ہیں نیکیوں میں) یعنی طاعتوں۔۔یا۔۔دُنیاوی بھلائیاں حاصل کرنے میں، کیونکہ یہ نیک کاموں کی شاخیں ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔"پھر دیا اُن کو اللہ نے ثواب دُنیا کا"۔

(اور وہ اِس بارے میں بڑھ گئے) یعنی بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہیں۔۔یا۔۔کثرتِ عبادت کے سبب سے۔۔یا۔۔ثوابِ کثیر ملنے کے باعث۔۔یا۔۔جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے دوسروں پر سبقت کرنے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور ہم نہیں حکم دیتے کسی کو، مگر اُس کی سکت بھر کا، اور ہمارے پاس کتاب ہے جو بولتی ہے ٹھیک ٹھیک، اور اُن پر اندھیر نہ ہوگا●

(اور ہم نہیں حکم دیتے) یعنی ہم تکلیف نہیں دیتے (کسی کو مگر اُس کی سکت بھر کا)، یعنی اُس کی گنجائش کے موافق۔۔الختصر۔۔ہم اُسی کام کا حکم کرتے ہیں جس کی وہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے (اور ہمارے پاس کتاب) لوحِ محفوظ (ہے جو بولتی ہے ٹھیک ٹھیک)، یعنی خلافِ واقعہ اُس میں کچھ نہیں لکھا ہے۔۔یا۔۔ہمارے پاس ہر شخص کا نامہ ءاعمال ہے جو اُس کے کردار کی گواہی دیتا ہے، (اور اُن) لوگوں (پر) جو عمل کرنے والے ہیں (اندھیر نہ ہوگا)۔نہ اُنہیں زیادہ عذاب دیا جائے گا اور نہ ہی اُن کے ثواب کو کم کیا جائے گا۔۔۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ

بلکہ اُن کے دِل اُس کی طرف سے غفلت و جہالت میں ہیں، اور اُن کے کام اُس سے الگ تھلگ ہیں،

هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

جسے وہ کیا کرتے ہیں●

(بلکہ) جیسا وہ کریں گے ویسا ہی صلہ پائیں گے۔کافروں کا تو حال یہ ہے کہ (اُن کے دل اُس کی طرف سے غفلت و جہالت میں ہیں)۔یعنی وہ غفلت و حیرت میں ہیں اُس بات سے جو کہی گئی۔۔یا۔۔فرشتوں کے لکھے ہوئے اعمالنامے سے۔۔یا۔۔قرآن سے غافل و جاہل ہیں، (اور اُن کے)

ناپاک (کام) اور بے باک خطائیں (اِس) بڑی خطا (سے الگ تھلگ ہیں جسے وہ کیا کرتے ہیں) یعنی شرک اور قبروں سے اٹھنے وغیرہ کا انکار، جس پر وہ اڑے ہوئے ہیں۔۔الختصر۔۔شرک کے سوا اُور بھی گناہ ہیں جن کے وہ مرتکب ہیں حکمِ قضا کے موافق۔اور قضائے الٰہی کا کوئی رد کرنے والا نہیں۔اور وہ اِسی غفلت و معصیت میں رہیں گے۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِيۡهِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا هُمۡ يَجۡـئَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجۡـئَرُوا

یہاں تک کہ جب پکڑا ہم نے اُن کے آسودہ حالوں کو عذاب میں، تو اب وہ چلاّتے ہیں ● "مت چلاّ وَ

الۡيَوۡمَ اِنَّكُمۡ مِّنَّا لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾

آج۔۔یقیناً تمہیں ہم سے مدد نہ دی جائے گی ●

(یہاں تک کہ جب پکڑا ہم نے اُن کے آسودہ حالوں کو) فاقہ۔۔یا۔۔قتل کے (عذاب میں، تو اب وہ چلاّتے ہیں) اور چاہیں گے کہ کوئی فریاد کو پہنچے، اور ہم کہیں گے (مت چلاّ وَ آج۔۔یقیناً تمہیں ہم سے) یعنی ہماری طرف سے (مدد نہ دی جائے گی)۔۔یا۔۔ہمارے عذاب سے نہ بچو گے۔ تو یہ آرزو نہ رکھو کہ کوئی فریاد کو پہنچے گا۔۔۔ذرا اپنی سابقہ سرکشی کو یاد کرو۔۔۔

قَدۡ كَانَتۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ تَنۡكِصُوۡنَ ﴿۶۶﴾

بے شک ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تم پر، تو تم الٹے پاؤں لوٹتے تھے ●

مُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهۡجُرُوۡنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمۡ يَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ

اپنی بڑائی مارتے، اُس کی کہانیاں بناتے، بیہودہ بکتے تھے" ● تو کیا غور نہیں کیا بات میں؟ یا آ گیا اُن کے پاس

مَّا لَمۡ يَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۶۸﴾

جو نہیں آیا تھا اُن کے اگلے باپ دادوں کے پاس ●

(بے شک ہماری) قرآنی (آیتیں پڑھی جاتی تھیں تم پر، تو تم) اُسے سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور (اُلٹے پاؤں لوٹتے تھے ● اپنی بڑائی مارتے) کہ ہم حرم کے رہنے والے ہیں، دوسروں سے برتر و بہتر ہیں۔۔یا یہ کہ۔۔قرآنِ کریم کی تکذیب کر کے اپنے کو بڑا ظاہر کرنے والے (اُس کی کہانیاں بناتے بیہودہ بکتے تھے)، یعنی قرآنِ کریم کو افسانہ کہہ کر بکواس کرتے تھے۔(تو کیا غور نہیں کیا بات میں؟) کہ لفظ کے اعجاز اور معنی کے واضح ہونے سے جان لیتے کہ یہ کلام حق ہے۔(یا) اُن کے انکار کی

وجہ یہ ہے کہ، (آ گیاان کے پاس جونہیں آیا تھااِن کے اگلے باپ دادوں کے پاس)، یعنی پیغمبر کا اِن کے پاس آنا، یہ کوئی خلافِ عادت اور غیر معمولی کام نہیں ہے، اِس سے پہلے بھی 'حضرت' نوح اور 'حضرت' ابراہیم علیہما السلام وغیرہ پیغمبر آئے تا کہ کوئی عذر نہ کرسکے، کہ ہمیں کتاب اور پیغمبر کی کچھ خبر ہی نہیں۔۔المختصر ۔۔اَے محبوب! جس طرح حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کواُن کے باپ دادا کی طرف ہم نے بھیجا تھا، اُسی طرح آپ کوبھی اِن کے واسطے پیدا کیا، تا کہ عذر نہ کریں اور آپ اِن کوڈرائیں، جیسے کہ اِن کے آباءواجداد کوپیغمبروں کے ذریعے ڈرایا گیا۔۔۔

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

یاانہوں نے اپنے رسول کو پہچانانہیں، تو اُن کے منکر ہیں●

(یا) یہ کہ (اُنہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں، تو اُن کے منکر ہیں)۔ یعنی یہ بات بھی نہیں کہ اُنہیں اپنے رسول کی امانت، سچائی، تحمل، وفا، کرم، مروت، خوشخوئی اور کمالِ علم کی معرفت ہی نہیں ہوسکی، اس لیے انکار کر بیٹھے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

یا کہتے ہیں کہ "انہیں خبط ہے"۔ بلکہ وہ آئے اُن کے پاس بالکل ٹھیک، اور اُن کے بہتیرے حق کو بُرا جانتے ہیں●

(یا) یہ کہ اِنکار کی وجہ میں (کہتے ہیں کہ اِنہیں خبط ہے) اور جنون ہے اس لیے اِن کی باتوں کو لائقِ اعتناء نہیں سمجھتے۔ یہ ساری بکواس جووہ کرتے ہیں ایک بھی صحیح نہیں۔ **(بلکہ)** سچی بات یہ ہے، کہ **(وہ) پیغمبر (آئےاِن کے پاس بالکل ٹھیک)** دینِ حق اسلام۔۔یا۔۔سچ بات یعنی قرآن کے ساتھ۔ **(اور اِن)** کافروں **(کے بہتیرے حق کو بُرا جانتے ہیں)** اور حق سے کراہت رکھتے ہیں، اس واسطے کہ حق اِن کی طبیعت اور آرزو کے مخالف ہے۔

'اکثر' کی تخصیص اِس واسطے ہے کہ بعضے کافر حق سے کراہت نہ رکھتے تھے، بلکہ شرم اور عار کے مارے ایمان نہ لاتے تھے۔ حق کیا ہے؟ اِس کے تعلق سے مشرکین کا اعتقاد یہ تھا، کہ اللہ کے ساتھ اُس کے اَور شرکاء بھی عبادت کے مستحق ہیں۔ حالانکہ اگر اللہ کے ساتھ اُور شریک بھی ہوتے، تو آسمانوں اور زمین کا نظام فاسد ہوجاتا، کیونکہ ہر خدا کا حکم دوسرے کے مخالف ہوتا۔۔مثلاً: ایک سورج کومشرق سے نکالنا چاہتا اور دوسرا مغرب سے۔ دونوں کا ارادہ بیک

وقت پورا ہونا محال تھا۔ پھر کسی ایک کا ارادہ پورا ہوتا اور پھر وہی خدا ہوتا۔

ایسے ہی مشرکین کی خواہش یہ تھی کہ بتوں کی عبادت کی جائے اور سیدنا محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی جائے اور اُن کی اِس خواہش کا پورا ہونا محال تھا، کیونکہ متعدد خداؤں کی عبادت اُس وقت صحیح ہوتی جب واقع میں متعدد خدا ہوتے۔ اور اگر واقع میں متعدد خدا ہوتے تو عالم کا نظام فاسد ہو جاتا۔۔علاوہ ازیں۔۔مشرکین کی خواہشات متعارض اور متضاد تھیں اور اگر اِن متضاد خواہشوں کو پورا کیا جاتا، تو عالَم کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

اور اگر پیچھے پیچھے رہتا حق اُن کی خواہشوں کے، تو خراب ہو جاتے سارے آسمان اور زمین، اور جو اِن میں ہے۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ ﴿۷۱﴾

بلکہ ہم تو لائے ان کے پاس ان کے بول بات کو، تو وہ خود اپنے بول بات سے بے رخی کرنے والے ہیں●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (اگر پیچھے پیچھے رہتا حق اِن کی خواہشوں کے، تو خراب ہو جاتے سارے آسمان اور زمین اور) ہلاک ہو جاتے (جو اِن میں ہے)۔

پہلے مضمون میں اُن کی کراہتِ حق کی مذمت کے بعد اب اُن کی دوسری بُری عادت کی مذمت کی جارہی ہے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے کافروں کی خواہشات کی موافقت نہیں کی۔۔۔

(بلکہ ہم تو لائے ان کے پاس ان کے بول بات کو)، یعنی ایک کتاب جو اِن کے واسطے وعظ اور نصیحت ہے اور اِن کی عزت اور شرافت اِسی میں ہے۔ (تو وہ خود) اپنے ذکر اور اپنی عزت و شرافت والی نصیحت۔۔الغرض۔۔(اپنے) ہی عزت افزا (بول بات سے بے رخی کرنے والے ہیں) اور منہ پھیرنے والے ہیں۔ آخر اِس بے رخی کی معقول وجہ کیا ہے؟ اَے محبوب! کیا تم اِن سے کوئی اپنی دنیوی غرض رکھتے ہو۔۔۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ

یا تم اُن سے معاوضہ مانگتے ہو، کہ تمہارے رب کا دینا سب سے بہتر ہے۔ اور وہ خوب روزی دینے والا ہے● اور بلاشبہ

لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

تم تو انہیں بُلاتے ہو سیدھی راہ کی طرف ●

(یا تم اِن سے) احکام خداوندی پہنچانے پر **(معاوضہ مانگتے ہو)**؟ اِن سے آپ کی اجرت طلبی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، اس لیے **(کہ تمہارے رب کا دینا سب سے بہتر ہے)**۔ دُنیا کی روزی اور آخرت کا ثواب جو تمہارا رب تمہیں عطا فرما رہا ہے، اُس سے بڑھ کر آپ کو کوئی اور کیا معاوضہ دے سکتا ہے۔ تو حق تعالیٰ ہی ہے آپ کو عطا فرمانے والا **(اور وہ خوب روزی دینے والا ہے۔ اور بلاشبہ)** بے طمع اور بِلا کسی غرض **(تم تو اِنہیں بُلاتے ہو)** اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جانے والی **(سیدھی راہ کی طرف)** اور وہ دینِ اسلام ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بے شک جو نہیں مانتے آخرت کو، وہ راہ سے مڑے ہیں ●

اِس سیدھی راہ کی دعوت **(اور)** اِس کی طرف آنے کی ہدایت تو ہر ایک کو کی جاتی ہے، لیکن **(بے شک جو نہیں مانتے آخرت کو)** اور قیامت کو اور اُن باتوں کو جو قیامت سے علاقہ رکھتی ہیں، **(وہ)** اِس سیدھی **(راہ سے مڑے ہیں)** اور گمراہی کے میدان کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر ہم نے اُن پر رحم فرمایا اور دُور کر دیا اُن کے دکھ کو، تو پھر کھڑے ہوئے کہ اپنی سرکشی میں مدہوش ہیں ●

(اور) اُن کی حالت ایسی ہے کہ **(اگر ہم نے اُن پر رحم فرمایا اور دُور کر دیا اُن کے دکھ کو)** یعنی قحط اور تنگی کی سختی کو جو اُن پر غالب ہے، اور اُس سختی سے انہیں نجات دے دی، **(تو پھر)** بھی وہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے اور **(کھڑے ہوئے)** اِس طرح **(کہ اپنی سرکشی میں مدہوش ہیں)**۔۔المختصر۔۔اگر ہم اُن پر مزید رحم کریں کہ جو تکلیف اُنہیں پہنچی ہے اُسے دور کر دیں، تو پھر بھی وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ضرور اصرار کرتے رہیں گے۔ اور جھگڑے اور عناد کی راہ سے اپنی تکذیب اور کفر پر ثابت رہیں گے۔

روایت ہے کہ جب قحط کا ضرر نہایت کو پہنچ گیا اور مکہ کے لوگ مُردار کھانے لگے، تو ابوسفیان مدینہ میں آیا اور جنابِ رسولِ اکرم ﷺ سے بولا، کہ تم گمان کرتے ہو کہ تم اہلِ عالَم کے واسطے رحمت ہو اور مکہ کے لوگ تمہاری دُعا کے سبب سے عاجز آ گئے ہیں۔ باپوں کو

تم نے تلوار سے قتل کیا اور بیٹوں کو بھوک کے ذریعے مارا۔۔۔تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى

اور بلاشبہ ہم نے انہیں پکڑا تھا عذاب میں، تو نہ جھکے اپنے رب کے لیے، اور نہ گڑگڑاتے ہیں● یہاں تک کہ

اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع

جہاں کھول دیا ہم نے اُن پر کوئی دروازہ سخت عذاب والا، تو وہ اب اِس میں نا امید پڑے ہیں●

(اور) فرمایا کہ (**بلاشبہ ہم نے انہیں پکڑا تھا عذاب میں**) یعنی جنگِ بدر کے دن عذابِ قتل میں، (**تو**) اِس کے باوجود (**نہ جھکے اپنے رب کے لیے**)، اور اپنے رب کے حضور فروتنی کا مظاہرہ نہیں کیا۔(**اور نہ ہی**) اِس حال میں (**گڑگڑاتے ہیں**)۔۔الختصر۔عاجزی اور زاری سے دُور رہ کر اپنی سرکشی اور نافرمانی پر اَڑے رہے، (**یہاں تک کہ جہاں کھول دیا ہم نے اِن پر کوئی دروازہ سخت عذاب والا**)۔اور وہ عذاب بھوک ہے۔بھوک کی سختی قتل وقید ہونے سے بڑھ کر ہے۔(**تو وہ اب اِس میں نا امید پڑے ہیں**) اور رنجیدہ و عاجز ہو کر سرگرداں ہیں یہاں تک کہ اُن میں جو غنی اور مالدار ہیں وہ بھی اَے اللہ کے رسول ﷺ، آپ سے مہربانی اور بخشش چاہتے ہیں۔یہ اپنے منعمِ حقیقی کو نہ پہچان سکے اور اُس پر ایمان نہ لائے۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور وہ وہی ہے، جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دِل۔تم بہت کم شکر گزار ہوتے ہو●

(اور) یہ ادراک نہ کر سکے کہ (**وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے کان**) تا کہ اس سے سنو سننے کی چیزیں، (**اور آنکھیں**) تا کہ اِن سے دیکھو دیکھنے کی چیزیں، (**اور دل**) تا کہ فکر اور غور کرو اِن کے سبب سے، اور سنی اور دیکھی چیزوں سے خالقِ برحق کی قدرت پر دلیل پکڑو، اور تمہارا حال یہ ہے کہ (**تم بہت کم شکر گزار ہوتے ہو**)۔اس واسطے کہ شکر گزاری میں عمدہ بات یہ ہے کہ ادراک کے اِن آلوں کو اُس چیز میں استعمال کرو جو خالق کی شناخت کی طرف پہنچا دے۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور وہ وہی ہے، جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین میں، اور اُسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے●

(اور) تم پر واضح کردے، کہ (وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین میں) یعنی پیدا فرما کر تمہیں زمین میں منتشر کر دیا (اور) قیامت کے دن (اُسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے) اور اُسی کے حضور میں جمع کیے جاؤ گے، اعضاء و اجزاء کے متفرق ہو جانے کے بعد۔۔۔

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾

اور وہ وہی ہے، جو جلائے اور مارے، اور اُسی کا ہے رات دن کا الٹ پھیر۔ تو کیا تم لوگ عقل نہیں رکھتے؟ ●

(اور وہ وہی ہے جو جلائے اور مارے)۔۔ چنانچہ۔۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مار ڈالتا ہے۔ (اور اُسی کا ہے رات دن کا اُلٹ پھیر)، یعنی رات دن کی کمی بیشی۔۔یا۔۔ اِن کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا۔ (تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟) یعنی کیا تم نہیں سمجھتے کہ ہماری قدرت نے کُل کائنات کو معدوم سے موجود کیا اور از انجملہ قبروں سے دوبارہ اٹھانا بھی ہے۔ اس واسطے کہ مر جانے کے بعد سب کو ہم زندہ کریں گے، پھر اُس کا انکار کیوں کرتے ہو۔۔۔ مکہ کے کافر یہ بات نہ سمجھے۔۔۔

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا

بلکہ یہ سب تو بولے جیسے اگلے بولا کیے ● بولے کہ "کیا جب ہم مر چکے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں،

أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِنْ قَبْلُ

تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے ● بے شک یہ دھمکی ہم کو بھی دی گئی، اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے،

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾

یہ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں" ●

(بلکہ یہ سب تو بولے جیسے اگلے بولا کیے)، یعنی اگلے کافروں کی بات دہرائی۔۔ چنانچہ۔۔ (بولے کہ کیا جب ہم مر چکے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے)۔ یعنی جب ہم خاک ہو جائیں گے تو ہمیں اکٹھا کرنا اور اٹھانا کیونکر ہو سکتا ہے؟ (بے شک یہ دھمکی ہم کو بھی دی گئی اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے) یعنی جس طرح حشر و نشر کا وعدہ کر کے ہم کو دھمکایا جا رہا ہے، اسی طرح اس مدعی رسالت کے آنے سے پہلے پیغمبری کا دعویٰ کرنے والے لوگوں نے بھی ہمارے باپ دادوں کو حشر و نشر کا وعدہ کر کے دھمکایا تھا، مگر ابھی تک تو یہ وعدہ پورا نہیں ہوا، تو (یہ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں) اور اُن کی جھوٹی باتیں جو کتابوں میں لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ

پوچھو کہ "کس کی ہے یہ زمین، اور جو کچھ اس میں ہے؟ اگر تم لوگ جانتے ہو" ● ابھی بول دیں گے کہ "اللہ کی"،

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

کہو کہ "پھر کیوں نہیں سبق لیتے؟" ●

اَے محبوب! (پوچھو) اِن منکروں سے (کہ کس کی ہے یہ زمین اور جو کچھ اِس میں ہے) مخلوقات؟ یعنی زمین کا مالک اور خالق کون ہے؟ مجھے اِس کا جواب دو (اگر تم لوگ جانتے ہو)، تو وہ تمہارے سوال کے جواب میں عنقریب کہہ پڑیں گے اور (ابھی بول دیں گے کہ اللہ) تعالیٰ (کی) ۔۔الغرض۔۔ وہ اِس حقیقت کا اعتراف کرلیں گے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے خدا کے واسطے ہیں، خدا ہی اِن کا مالک وخالق ہے۔

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ کے مشرکین اِس بات کے مقر تھے کہ زمین اور اہلِ زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

تو جب وہ تمہیں جواب دیں، تو اِن سے (کہو کہ پھر کیوں نہیں سبق لیتے) اور یہ بات کیوں نہیں سمجھتے؟ کہ جو ذاتِ پاک پہلی بار اہلِ زمین کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری بار بھی اُن کو موجود کرنے میں عاجز نہ ہوگی۔ اَے محبوب! دوسری بار اِن سے۔۔۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ

پوچھو کہ "کون ہے پروردگار ساتوں آسمانوں کا، اور پروردگار عرش عظیم کا؟" ● ابھی بول پڑیں گے "اللہ کو"،

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

کہو "پھر کیوں نہیں ڈرتے؟" ●

(پوچھو، کہ کون ہے پروردگار ساتوں آسمانوں کا) اِس کی بڑائی اور اونچائی اور عجیب وغریب صورت وہیئت کے ساتھ، (اور) کون ہے (پروردگار عرشِ عظیم کا) جو سب مخلوقات میں بڑا ہے؟ تو اِس کے جواب میں بھی وہ (ابھی بول پڑیں گے) کہ (اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی یہ سب خدا ہی کے واسطے ہے اور سب کا رب وہی ہے۔ تو اَے محبوب! اِن سے (کہو، پھر کیوں نہیں ڈرتے) اور ایسے خالق کی طرف شرک کی نسبت کرنے سے پرہیز کیوں نہیں کرتے؟ اور اُس کی مخلوق میں سے اُس کا شریک

کیوں ٹھہراتے ہو؟ اَے محبوب! اِن سے۔۔۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

سوال کرو کہ "کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز پر دباؤ؟ اور وہ تو پناہ دیتا ہے اور اُس کے مقابلے پر کوئی پناہ نہیں دی جاسکتی،

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

اگر جانتے ہو"●

(سوال کرو کہ کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز پر دباؤ؟) یعنی وہ کون ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں سب چیزوں کی بادشاہی ہے؟ یعنی سب چیزوں کی مضرت اور منفعت یا اُن کے خزانے جس کے اختیار میں ہوں؟ (اور) اُس کی شان یہ ہو کہ (وہ تو پناہ دیتا ہے) اور فریاد کو پہنچتا ہے اور نگہبانی کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنے عذاب سے بے خوف کر دیتا ہے، (اور اُس کے مقابلے پر کوئی پناہ نہیں دی جاسکتی) یعنی کوئی کسی کو اُس کے عذاب سے بے خوف نہیں کرسکتا اور پناہ نہیں دے سکتا، تو اَے مشرکو! جواب دو (اگر جانتے ہو)؟۔۔۔تو یہ مشرکین اِس سوال کا۔۔۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

ابھی جواب دیں گے کہ "اللہ کے،" کہو "پھر کیوں خبط میں رہتے ہو؟"●

(ابھی) یہی (جواب دیں گے، کہ) یہ صفتیں جو تم نے بیان کی ہیں، یہ تو خاص (اللہ) تعالیٰ ہی (کے) واسطے ہے، جو ملکوت کا مالک اور بندوں کو پناہ دینے والا ہے۔ تو اَے محبوب! اِن مشرکین سے (کہو پھر کیوں خبط میں رہتے ہو؟) اور کہاں سے فریب کھاجاتے ہو اور کیونکر راہِ حق سے پھر جاتے ہو، باوصف نورِ توحید ظاہر ہونے اور خدائے مجید کی وحدت پر دلیلیں موجود ہونے کے، حق کی راہ چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اِن کو گمراہی میں پڑا رہنے کو پسند نہیں کیا۔۔۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

بلکہ ہم تو اُن کے پاس لائے حق اور بلاشبہ وہی جھوٹے ہیں●

(بلکہ ہم تو اِن کے پاس لائے حق) یعنی درستی کی راہِ توحید اور وعدۂ حشر و نشر۔ رہ گئے مشرکین،

تو وہ حق بات کی تکذیب کرتے ہیں اور خدا کو صاحبِ اولاد کہتے ہیں اور اِس کا شریک ٹھہراتے ہیں، جس سے ظاہر (اور) واضح ہو گیا کہ (بلاشبہ وہی) مشرکین (جھوٹے ہیں)۔۔۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا

نہ اللہ نے اختیار کیا کوئی اولاد، اور نہ اُس کے ساتھ کوئی معبود ہے، کہ یوں تو لے جاتا ہر معبود

خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾

جو پیدا کرتا، اور ضرور چڑھائی بڑائی کرتے ایک دوسرے پر۔ پاکی ہے اللہ کی، جو وہ بک دیتے ہیں●

(نہ) تو (اللہ) تعالیٰ (نے اختیار کیا کوئی اولاد، اور نہ) ہی (اِس کے ساتھ کوئی معبود ہے) جو خدائی میں اِس کا شریک ہو۔ اس واسطے کہ اگر کوئی خدائی میں اِس کا شریک ہو، تو وہ شریک بھی خدا ہوا، اور جو خدا ہو گا وہ خالق بھی ہو گا، تو چاہیے کہ اُس دوسرے خدا کے بھی چند مخلوق ہوں اور ایسا نہیں ہے۔

کیوں (کہ) اگر بالفرض (یوں) ہوتا (تو لے جاتا ہر معبود جو پیدا کرتا)، یعنی ہر ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور اپنی مخلوق میں استقلال کے ساتھ ہمیشہ رہتا۔ تو پھر مخلوقات میں علامت ہونی چاہیے۔ جس کے سبب سے معلوم ہو کہ یہ اِس خدا کی مخلوق ہے اور وہ اُس خدا کی مخلوق ہے۔ اور حال یہ ہے کہ سب دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوقات میں کوئی علامتِ فرق نہیں ہے، تو ثابت ہوا کہ خدا ایک ہے اور اُس کے ساتھ کوئی اور خدا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اُس خدائے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہوتا، تو دوسرا خدا اپنی مخلوق کو جدا کرتا اور اُس کا ملک اِس خدا کے ملک سے جدا ہوتا، تو اُن دونوں خداؤں میں لڑائی جھگڑا ظاہر ہوتا، جیسا کہ دُنیا کے بادشاہوں کے حال سے معلوم ہے۔

(اور) تو اگر یہاں بھی ایسا ہوتا کہ دو۲ خدا ہوتے، تو (ضرور چڑھائی بڑائی کرتے ایک دوسرے پر) اور ہر ایک دوسرے پر اپنی فوقیت چاہتا اور غلبہ ظاہر کرتا۔ چونکہ سب کو معلوم ہے کہ لڑائی جھگڑا واقع نہیں ہے، تو اُس خدائے واحد کا کوئی شریک نہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی جو وہ بک دیتے ہیں) اِس کے تعلق سے کہ وہ صاحبِ اولاد ہے۔ یا۔ اِس کا کوئی شریک ہے۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

جاننے والا غیب وشہادت کا، بلند و بالا ہے اُس سے جس کو شریک بناتے ہیں●

وہ حق سبحانہ وتعالیٰ (جاننے والا) ہے (غیب و شہادت کا) یعنی پوشیدہ اور ظاہر کا، اور (بلند و بالا ہے

اُس سے جس کو شریک بناتے ہیں)، یعنی اس چیز سے جسے اُس کا شریک ٹھہراتے برتر و بالا ہے۔

پھر حضرت رسولِ کریم ﷺ کا دل خوش کرنے کو حق تعالیٰ مشرکوں پر عذاب نازل کرنے کی خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ۔۔۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ

تم دُعا سکھادو کہ "پروردگارا اگر دکھائے بھی تو مجھے، جو کافروں سے وعدہ کیا گیا ہے● تو پروردگارا نہ رکھنا مجھے

فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾

اِن اندھیر مچانے والوں میں"●

(تم دُعا سکھادو، کہ پروردگارا! اگر دکھائے بھی تُو مجھے جو کافروں سے وعدہ کیا گیا ہے) دُنیا و آخرت کے عذاب کا، **(تو پروردگارا! نہ رکھنا مجھے اِن اندھیر مچانے والوں میں)**۔

'معارف القرآن' کے ترجمے سے اِس آیتِ کریمہ کی جو توجیہہ ظاہر ہوتی ہے اُس کی روشنی میں یہ وہ دُعا ہے جو امتیوں کو نبی نے رب تعالیٰ کے حکم سے سکھائی ہے۔تو اب یہ دُعا کرنے والے امتی ہیں، نہ کہ نبی ﷺ۔ اس لیے کہ کافروں پر جس عذاب کے نازل ہونے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اُس عذاب میں کافروں کے ساتھ نبی کا شریک ہونا محالاتِ خرد میں سے ہے، اس لیے کہ نبی معصوم ہوتا ہے۔اب اگر اِس کو نبی کریم ہی کی دُعا قرار دی جائے، تو یہ بات فروتنی اور کسرِ نفسی کے واسطے ہے اور اِس میں تواضع کا درس ہے۔۔یا۔۔ اِس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ ظلم کی نحوست ممکن ہے کہ بے گناہ کو بھی پہنچے۔اور ظلم سے یہاں شرک مراد ہے۔

وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾

اور بلاشبہ ہم اِس پر کہ تم کو دکھادیں جس کا ہم کافروں سے وعدہ کرتے ہیں، یقیناً قادر ہیں●

(اور) اَے محبوب! **(بلاشبہ ہم اِس پر کہ تم کو دکھادیں)** وہ عذاب **(جس کا ہم کافروں سے وعدہ کرتے ہیں یقیناً قادر ہیں)**، مگر اس میں جو دیر ہوتی ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ اِن کافروں میں سے بعض ایمان لائیں گے۔۔یا۔۔ اِن کی اولاد اسلام قبول کرے گی۔

اب آگے حضرت ربّ العزۃ جل جلالہ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کامل ومکمل، بزرگ و

برتر اور خوب سے خوب تر مکارمِ اخلاق کا حکم فرماتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

دُور کرتے رہو بڑی بھلائی سے بُرائی کو۔ ہم جانتے ہیں جو بات وہ بناتے ہیں●

(دُور کرتے رہو بڑی بھلائی سے بُرائی کو) یعنی عفو و رحمت کے ساتھ مجرموں کے گناہ سے درگزر رو، اس طرح پر کہ کسی طور سے دین کی اہانت نہ ہونے پائے۔۔یا۔۔اپنے حلم کے بدولت نادانوں سے جہالت دُور کرو۔۔یا۔۔طاعت کا حکم کر کے لوگوں کو گناہ سے باز رکھو۔۔یا۔۔کلمۂ توحید کے سبب سے مشرک کا شرک دفع کرو۔۔یا۔۔امر بالمعروف کر کے بُرائی مٹا دو۔

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر کے تعلق سے بعض عارفین کا قول یہ ہے کہ 'دفع کرو جفا کو وفا سے' ۔۔یا۔۔نفس کے اشارے کو دل کی بشارت سے۔۔یا۔۔خلائق کی ظلمت کو حقائق کے نور سے ۔۔یا۔۔اپنے حظوظ کو خدا کے حقوق سے۔۔یا۔۔حوادث کا میدان طے کرو معرفتِ قدم کی راہ میں سلوک کا قدم مار کر۔

رہ گئیں مشرکین کی باتیں اور اِن کی بکواس، تو اَے محبوب! (ہم) خوب (جانتے ہیں جو بات وہ بناتے ہیں) اور تمہارے تعلق سے کہتے ہیں کہ تم شاعر ہو، ساحر ہو، وغیرہ وغیرہ۔۔یا۔۔میرے تعلق سے بکتے ہیں کہ میں صاحبِ اولاد ہوں۔۔یا۔۔میرا کوئی شریک ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تو اَے محبوب! شیاطین کے شر سے بچنے کے لیے اپنے امتیوں کو ہوشیار کر دو۔۔۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ

اور تم یہ دُعا سکھا دو، کہ "پروردگارا تیری پناہ ہے، شیطانوں کے وسوسوں سے● اور تیری پناہ ہے اَے رب،

اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

کہ وہ میرے پاس آئیں"●

(اور تم) اُن کو (یہ دُعا سکھا دو، کہ پروردگارا! تیری پناہ ہے شیطانوں کے وسوسوں سے) جو ضلالت و معصیت کی طرف بُلاتے ہیں۔۔یا۔۔لوگوں کو فریب اور غرور کے سبب سے ہلاکت میں ڈالتے ہیں، (اور تیری پناہ ہے اَے رب! کہ وہ میرے پاس آئیں) نماز۔۔یا۔۔تلاوت کے وقت۔۔یا۔۔اِس بات سے کہ کسی وقت وہ میرے گرد پھریں۔۔یا۔۔اِس بات سے کہ وہ مجھ کو رنج دیں۔ اور اَے محبوب!

یہ کافر برابر تمہیں اور ہمیں بُرائی کے ساتھ جو وصف کرتے ہیں یہ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ اپنی گمراہی پر واقف ہو جائیں اور یہ اُس وقت ہوگا جب اُن پر موت کے آثار طاری ہو جائیں گے، اور عذاب کی علامتیں اُنہیں نظر آنے لگیں گی۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ﴿۹۹﴾

بالآخر جب آ گئی اُن میں سے کسی کی موت، تو دُعا کرنے لگا کہ "پروردگارا مجھ کو لوٹا دے●

(بالآخر جب آ گئی اِن میں سے کسی کی موت تو دُعا کرنے لگا کہ پروردگارا! مجھ کو لوٹا دے)

دنیا میں۔

اِس آیت میں جمع کا صیغہ مخاطب کی تعظیم کے واسطے ہے۔۔یا یہ کہ۔۔وہ کافر کلمہ **رَبِّ** کہہ کر استغاثہ کرتا ہے خدا سے، اور کلمہ **اِرۡجِعُوۡن** کہہ کر ملک الموت اور اُن کے مدد گار فرشتوں کی طرف رجوع کرتا ہے، کہ تم مجھے پھیر دو اور دُنیا کی طرف واپس کر دو۔۔۔

لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَۃٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

کہ میں کروں لیاقت کے کام دُنیا میں جسے چھوڑ آیا ہوں۔" "ہرگز نہیں" یہ ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبانی کہے جاتا ہے۔

وَ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

اور "ان کے اِدھر درمیانی پردہ ہے، اُس دن تک کہ اٹھائے جائیں●

تا (کہ میں کروں لیاقت کے کام دُنیا میں جسے چھوڑ آیا ہوں)، وہ ایمان ہے، یعنی ایمان لاؤں اور اُس میں نیک کام کروں۔ اِس کی یہ خواہش (ہرگز نہیں) پوری کی جاسکتی۔ (یہ) تو صرف (ایک بات ہی بات ہے، جو وہ زبانی کہے جاتا ہے) چونکہ اِس پر حسرت غالب ہو چکی ہے اس لیے وہ یہ بات کہہ رہا ہے۔ وہ یہ بات صرف دفع الوقتی کے لیے کر رہا ہے۔ وہ کفر میں اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ اِس سے پلٹنے کا امکان نہیں رہ گیا ہے۔ (اور) اب (اِن کے اِدھر درمیانی پردہ ہے اُس دن تک) کے لیے (کہ اٹھائے جائیں) قبر سے۔۔الغرض۔۔انہیں مرنے کے بعد عالم برزخ ہی میں رہنا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے اور برزخ دُنیا اور آخرت کے درمیان موت کے وقت سے لے کر حشر تک کا وقت ہے۔ سو جو شخص مر گیا وہ عالم برزخ میں داخل ہو گیا۔ جو صور پھونکنے تک اپنی قبر ہی میں رہے گا جو برزخ ہی کا حصہ ہے۔

سر تک چڑھ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ ناف تک لٹک آئے گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اُن کے دونوں ہونٹوں میں چالیس ۴۰ گز کا فاصلہ ہوگا، تو حق تعالیٰ اُن سے فرمائے گا۔۔۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا

"کیا نہیں پڑھی جاتی تھیں تم پر میری آیتیں؟ تو تم انہیں جھٹلاتے تھے"● چیخ پڑے "پروردگارا،

غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

غالب ہوگئی ہم پر ہماری بدبختی، اور ہم گمراہ لوگ تھے● پروردگارا نکال ہمیں

مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اِس سے، پھر اگر دوبارہ ہم کریں، تو بے شک ہم اندھیر والے ہیں"●

(کیا نہیں پڑھی جاتی تھیں تم پر میری آیتیں؟) یعنی تم پر قرآنِ کریم کی آیات کی تلاوت کی جاتی تھی، **(تو تم انہیں جھٹلاتے تھے)** اور اُس کی تکذیب کرتے تھے یہاں تک کہ اِس عذاب کے مستحق ہوگئے۔ اِس پر جلالِ فرمانِ خداوندی کو سن کر وہ جہنمی لوگ **(چیخ پڑے)** کہ **(پروردگارا غالب ہوگئی ہم پر ہماری بدبختی)**۔ وہ شقاوت جو تُو نے ہمارے واسطے لوحِ محفوظ میں لکھ دی تھی اور تُو نے اُس کا حکم کر دیا تھا ۔۔یا۔۔ ہمارے گناہ جو شقاوت کا سبب ہیں وہ ہم پر غالب ہوگئے، **(اور ہم گمراہ لوگ تھے)** راہِ حق سے ہٹے ہوئے۔ **(پروردگارا نکال ہمیں اِس سے)** یعنی دوزخ کی آگ سے، تاکہ ہم اپنے حال کا تدارک اور اپنے کام کی درستی کریں۔ **(پھر اگر دوبارہ ہم کریں)** اور کفر و تکذیب کی طرف پھر جائیں، **(تو بے شک ہم اندھیر والے ہیں)**۔

اپنے نفس پر دوزخیوں کا یہ اخیر کلام ہوگا۔ اِس پر حق تعالیٰ کا۔۔۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

فرمان ہوا کہ "دُتکارے پڑے رہو جہنم میں، اور مجھ سے بات نہ کرو"●

(فرمان ہوا کہ دتکارے پڑے رہو جہنم میں اور) اپنے نکلنے ۔۔یا۔۔ عذاب دفع ہونے کے باب میں **(مجھ سے بات نہ کرو)**، اس واسطے کہ نہ میں تم کو دوزخ سے نکالوں گا اور نہ ہی تم پر سے عذاب ٹالوں گا۔ بدنصیبو! کیا تم نے نہیں دیکھا، کہ۔۔۔

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ

بلا شبہ میرے بندوں کی جماعت تھی، وہ دُعا کیا کرتے تھے، کہ "پروردگارا ہم مان گئے، تُو ہمیں بخش دے اور

ارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا

رحم فرما، اور تُو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے" ● "تو بنالیا تھا تم نے انہیں مذاق،

حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾

یہاں تک کہ اِس شغل سے بُھلا دیا تم نے میری یاد کو، اور اُن سے ہنسا کرتے تھے ●

(بلاشبہ میرے بندوں) یعنی عمار و بلال وخبیب اور اُن کے مثل رضی اللہ تعالیٰ عنہم **(کی) ایک (جماعت تھی جو دُعا کیا کرتے تھے کہ پروردگارا! ہم مان گئے)** تجھ پر ایمان لائے **(تو ہمیں بخشش دے اور رحم فرما اور تُو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے ● تو بنالیا تھا تم نے انہیں مذاق)**۔ یعنی اُن فقراء صحابہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے **(یہاں تک کہ اُس شغل سے بھلا دیا تم نے میری یاد کو)**، یعنی اُن کے ساتھ مسخرہ پن کرنے میں ایسا مشغول ہوئے کہ تم بھول گئے میری یاد اور تمہیں میرا خیال ہی نہیں آیا، **(اور)** تم نے اپنی روِش یہ بنالی کہ **(اُن)** فقراء صحابہ **(سے ہنسا کرتے تھے)** تکبر کی راہ سے اور اُن کو حقیر و ذلیل سمجھا کرتے تھے۔ وہ فقراء صحابہ تمہاری حرکتوں پر صبر کیا کرتے تھے اور تمہارے مسخرے پن کے رنج و ایذاء کو برداشت کرتے تھے۔ اِس کا یہ خوشگوار نتیجہ ہے کہ۔۔۔

إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾

بلاشبہ میں نے ثواب دیا انہیں آج، جو انہوں نے صبر کیا۔ بے شک وہی کامیاب ہیں" ●

(بلاشبہ میں نے ثواب دیا اُنہیں آج)۔ یہ پھل ہے اُس کا کہ **(جو اُنہوں نے)** اِن کی اذیت رسانیوں پر **(صبر کیا۔ بے شک وہی کامیاب ہیں)** یعنی اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔۔ الغرض۔۔ اپنے مطلب تک پہنچنا اُن کے صبر کی جزا ہے۔

زمین پر غفلت اور بڑی امید کی راہ سے کافر کہتے تھے کہ دُنیا میں ہم ہمیشہ رہیں گے نیست و نابود نہ ہوں گے، تو غصے اور غضب کی راہ سے خدا نے۔یا۔خدا کے حکم سے فرشتہ نے۔۔۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ

پوچھا کہ "کتنا رہے تم زمین میں، سال کے حساب سے" ● جواب دیا کہ "ہم رہے ہوں گے ایک دن یا اِس سے کم،

(تو کیا تم نے خیال کرلیا کہ ہم نے پیدا فرمایا ہے تمہیں بس بے کار، اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے)۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے قیامت کی صفات بیان کیں، پھر قیامت کے دلائل کی طرف متوجہ کیا، کہ اگر قیامت نہ ہوتی تو مطیع اور عاصی، صدیق اور زِندیق، نیک اور بد کے درمیان امتیاز نہ ہوتا، اور اُس وقت اِس جہاں کو پیدا کرنا فضول اور عبث ہوتا۔ اور جب تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے، تو معلوم ہوگیا کہ اُس کے سوا اَور کوئی مالک اور حاکم نہیں۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

پس بلند و بالا ہے اللہ، بادشاہ سچا۔ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اِس کے سوا، پروردگار عرشِ مکرّم کا●

(پس بلند و بالا ہے اللہ) تعالیٰ (بادشاہ سچا)۔ یعنی وہ تمام اشیاء کا مالک ہے اُس کی سلطنت اور اُس کی قدرت کو کبھی زوال نہیں۔ ملک اور سلطنت حقیقی طور پر اُسی کو سزاوار اور لائق اور زیبا ہے، کیونکہ ہر چیز کی اُسی سے اِبتداء ہے اور اُسی کی طرف اِنتہاء ہے۔ (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اُس کے سوا۔ پروردگار عرشِ مکرم کا) یعنی پیدا کرنے والا عرشِ بزرگ کا۔۔یا۔۔ایسے عرش کا جو کریم ہے کہ بھلائیاں اور برکتیں اُسی سے نازل ہوتی ہیں۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ

اور جو دُہائی دے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کی، کہ کوئی دلیل نہیں ہے اُس کی اُس کے پاس، تو اُس کا حساب

عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اُس کے رب ہی کے یہاں ہے۔ بلاشبہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوتے●

(اور) جب خدا کے سوا کوئی مستحقِ عبادت ہو ہی نہیں سکتا، تو پھر (جو دُہائی دے اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرے معبود کی)، یعنی خدا کے سوا کو بھی شریکِ خدا سمجھے، باوجودے (کہ کوئی دلیل نہیں ہے اُس) غیر خدا کی پرستش کی اور اُس کے مستحقِ عبادت ہونے (کی اُس کے پاس، تو اُس کا حساب اُس کے رب ہی کے یہاں ہے)۔ یعنی اُس کے عمل کی جزا اور اُس کے کام کا بدلا اُس کے رب کے پاس ہے، جو اِستحقاق کے موافق اُسے بدلا دے گا۔ اور ذہن نشین رہے کہ (بلاشبہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوتے)۔۔چنانچہ۔۔یہ عذاب سے چھوٹنے والے نہیں۔

اس سورۂ مبارکہ کو قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے شروع فرمایا ہے اور لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ پر ختم فرمایا۔۔الختصر۔۔مومنوں کی کامیابی کی نوید سے اِس سورت کوشروع فرمایااور کافروں کی ناکامی کی وعید پر اِس سورت کوختم فرمایا،اور یہ اِس سورت کی ابتداء اورانتہا میں بہت قوی مناسبت ہے اور آخری آیت میں دُعا کی تلقین ہے، کہ اَے محبوب! اپنے امتیوں پر کرم فرماؤ۔۔۔

رکوع ۷

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور دُعا سکھادو کہ "پروردگارا بخش دے اور رحم فرما، اورتُو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے"●

(اور) اِن کو یہ (دُعا سکھادو، کہ پروردگارا! بخش دے اور رحم فرمااور تُو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت ہی سے ہر آفت، مصیبت اور عذاب سے نجات مل سکتی ہے، اِسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے، اُس سے مغفرت ورحمت طلب کرنے اور اُس کی پناہ میں آنے کی دُعا کرنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ سُوْرَۃُ قَدْ اَفْلَحَ کا اوّل اور آخر ایک خزانہ ہے عرشِ الٰہی کے خزانوں میں سے۔ جس شخص نے سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ کی پہلی تین ۳ آیات پر عمل کیا اور آخری چار ۴ آیتوں سے نصیحت حاصل کی وہ نجات پالے گا، اور کامیابی حاصل کرلے گا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الحمدللہ! آج بتاریخ

۱۱/شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۴/جولائی ۲۰۱۱ء

بروز پنج شنبہ 'سورۂ المؤمنون' کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

دُعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی

سعادت مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

اٰمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَبِحُرْمَةِ

سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اجمعین

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ۔

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۲/شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۵/جولائی ۲۰۱۱ء

بروز جمعہ مبارکہ 'سورۃ النور' کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔

دُعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی

سعادت مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰہٰ وَ یٰسٓ وَبِحُرْمَۃِ

سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین

سورۃ النور ۲۴ مدنیہ ۱۰۲

سُوْرَةُ النُّوْرِ

آیاتہا ۶۴ رکوعاتہا ۹
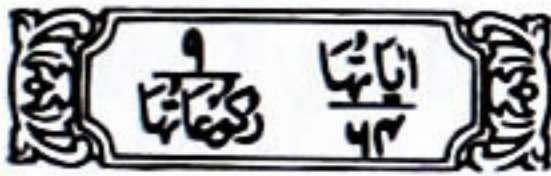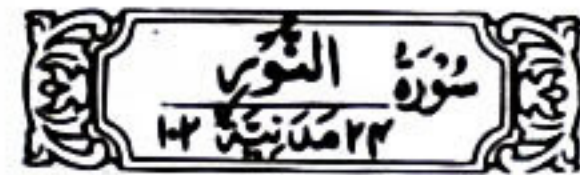
وہ مبارک سورت جس میں مذکور ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا 'نور' ہے، اُسی کے 'نور' سے آسمان وزمین منور وروشن ہیں اور اُسی کے 'نور' سے جن وانس ہدایت پاتے ہیں۔۔نیز۔۔ جس سورۂ مبارکہ نے تمام انسانوں کی تمدنی اور اجتماعی حیات کے اصول اور احکام منور اور روشن کردیے ہیں۔۔مزید برآں۔۔جس کے علم کو حاصل کرنے کے لیے نبی کریم کی طرف سے خاص طور پر ترغیب فرمائی گئی ہے، اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور ایمان والوں کے گناہوں کا اپنے فضل وکرم سے (بخشنے والا) ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

یہ ایک سورت ہے، کہ اتارا ہم نے جسے، اور فرض بیان کیا اس میں، اور اتارا اس میں کھلی کھلی آیتیں، کہ سبق لو●

(یہ ایک سورت ہے کہ اتارا ہم نے جسے) عالَمِ قدس سے جبرائیل کی وساطت سے، یعنی لوحِ محفوظ سے اِس سورت کو یکبارگی نازل فرمایا۔ پھر اِس کو قسط وار حضرت جبرائیل کی زبان سے نازل کرایا۔

--- یا یہ کہ ---
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اِس سورت کو لوحِ محفوظ سے حفظ کرلیا، پھر اِس کو رسول اللہ ﷺ ' پر نازل کیا۔
اور چونکہ اُنہوں نے یہ سورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ یہ وہ سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی۔ اِس مقام پر **سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا** کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ ---
ہم نے یہ سورہ رسول اللہ ﷺ ' کو عطا کردی **(اور فرض بیان کیا اِس میں)**۔ یعنی فرض کردیے ہم نے تم پر وہ احکام جو مستحبات کے سوا اِس میں مذکور ہیں۔
ذہن نشین رہے، کہ اِس سورت میں جس طرح فرائض و واجبات بیان کیے گئے ہیں، اِسی طرح اس سورت میں بہت سے مستحبات بھی ہیں۔
(اور اتارا اِس میں کھلی کھلی آیتیں) حدود و احکام کے تعلق سے، تا **(کہ سبق لو)** اور نصیحت مانو اور حرام کاموں سے بچتے رہو۔ اِن حکموں میں سے ایک حکم یہ ہے، کہ ---

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
زنا کرنے والی اور زنا کرنے والا، تو مارو اُن میں سے ہر ایک کو سو کوڑے۔
وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
اور نہ آئے تمہیں اُن پر کچھ ترس قانونِ الٰہی میں، اگر تم مانتے ہو اللہ کو
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲
اور پچھلے دن کو۔ اور حاضر رہے اُن کی سزا کے وقت ایک جماعت مسلمانوں کی●

(زنا کرنے والی) عورت **(اور زنا کرنے والا)** مرد جب 'غیر محصن' ہو، **(تو)** اَے حاکمو! اور اَے اماموا! **(مارو اُن میں سے ہر ایک کو سو کوڑے)** یہ حکم اُس زنا کرنے والے کے ساتھ ہے جو 'محصن' نہ ہو۔ اِس واسطے کہ 'محصن' کی حد 'رجم' ہے۔ 'محصن' ہونے کی شرطیں یہ ہیں: ﴿۱﴾ -- آزادی ﴿۲﴾ -- بلوغ ﴿۳﴾ -- عقل ﴿۴﴾ -- اسلام ﴿۵﴾ -- نکاحِ صحیح ﴿۶﴾ -- خاوند اور بیوی دونوں کا اِن صفات پر ہونا ﴿۷﴾ -- نکاحِ صحیح کے بعد خاوند کا بیوی سے وطی کرنا۔ لہٰذا بچہ، مجنون، غلام، کافر، نکاحِ فاسد، عدم وطی اور زوجین کے اِن صفات پر نہ ہونے سے 'احصان' ثابت نہیں ہوگا۔ **(اور)** خیال رہے کہ حد جاری

کرتے وقت (نہ آئے تمہیں اُن) دونوں زناکاروں (پر کچھ ترس قانونِ الٰہی) کی تعمیل اور خدا کی فرمانبرداری (میں، اگر تم مانتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن کو)۔

۔۔الغرض۔۔ایمان باللہ اور آخرت پر ایمان کا تقاضا یہی ہے، کہ بلاتکلف قانونِ خداوندی پر عمل کیا جائے۔(اور) یہ بھی خیال رہے کہ جس وقت اُن پر حد نافذ کی جائے، تو (حاضر رہے اُن کی سزا کے وقت ایک جماعت مسلمانوں کی) جو اُن کو اِس سزا کو پاتے ہوئے دیکھے، تاکہ اُن کی تشہیر ہو جائے اور اِس فضیحتی کے سبب سے پھر ایسا کام نہ کریں، اور دوسرے بھی اِس سے عبرت حاصل کریں۔

روایت ہے کہ مدینہ کے یہود۔۔یا۔۔مشرکوں کی عورتیں کرائے کے گھروں میں بیٹھ کر ہر ایک اپنے گھر کے دروازے پر ایک جھنڈی گاڑتی اور لوگوں کو اپنے پاس بُلا کر اُس سے عقد کر کے اُس کو بخوبی معاش دیتی، تو غریب مہاجرین جو گھر بار نہ رکھتے تھے، اُن میں سے بعض کو خیال آیا کہ کیوں نہ اِن عورتوں کو نکاح میں لا کر اہلِ جاہلیت کی عادت کے موافق عیش کیجیے۔تو حق تعالیٰ نے بدنامی سے بچانے کے لیے آیت نازل فرمائی، کہ۔۔۔

اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ

زانی نکاح نہ کرے، مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ نکاح نہ کرے، مگر زانی،

اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾

یا مشرک سے۔اور حرام کر دیا گیا ہے یہ مسلمانوں پر●

(زانی) مرد (نکاح نہ کرے مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ) عورت (نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک سے، اور حرام کر دیا گیا ہے یہ) یعنی زناکاروں سے نکاح کرنا (مسلمانوں پر)۔

ایک قول یہ ہے، کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا اور آیت وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی سے منسوخ ہو گیا۔دراصل یہ حکم ابتداء میں اُن کے عام حالات کے پیشِ نظر دیا گیا تھا، کیونکہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ ہی سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتا، وہ اپنی مثل فاسقہ۔۔یا۔۔مشرکہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے۔اِسی طرح فاسقہ اور خبیثہ عورت کسی نیک، باشرع متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی، بلکہ اُس سے متنفر رہتی ہے، جیسا کہ اِس دَور میں آزاد اور فیشن ایبل الٹرا ماڈرن لڑکیاں کسی نمازی داڑھی رکھنے والے شخص

سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں۔۔بلکہ۔۔وہ اپنے جیسے فاسق، آزاد اور فیشن زدہ مَرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں۔

یہ حکم عام اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے۔جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیزگار لوگ کرتے ہیں، حالانکہ بعض اوقات فاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں۔ اِسی طرح اِس آیت کا مجمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مَرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔۔الحاصل۔۔سورۂ نور کی آیت ۳ میں مذکور لفظ 'حرمت' سے۔۔یا۔۔تو 'کراہتِ تنزیہی' مراد لیں گے۔۔یا۔۔پھر بصورتِ دیگر یہ آیت اِسی سورت کی آیت ۳۲ سے منسوخ قرار دی جائے گی۔ مذکورہ بالا ارشاد میں زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کی قباحت و شناعت کی طرف واضح اشارہ فرما کر اب یہ بھی واضح فرما دیا جا رہا ہے، کہ کسی کی طرف زنا کاری کی نسبت کر دینا کچھ آسان۔۔۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

اور جو تہمت لگائیں، پاکباز بیبیوں کو، پھر نہ لائے چار گواہ، تو

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ

لگاؤ اُنہیں اسّی کوڑے، اور نہ مانو اُن کی گواہی کبھی۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴

اور خود وہی نافرمان ہیں ●

(اور) معمولی بات نہیں، اس لیے کہ **(جو تہمت لگائیں)** زنا کی **(پاکباز بی بیوں کو)** یا پاکباز مَردوں کو۔

یہاں 'محصنات' کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ اُن پر بہتان تراشی عموماً ہوا کرتی ہے، ورنہ اِس حکم میں عورتیں اور مَرد برابر ہیں۔ یہاں 'صاحبِ احصان' وہ ہے جس میں پانچ صفتیں ہوں: ﴿۱﴾۔۔آزادی ﴿۲﴾۔۔بلوغ ﴿۳﴾۔۔عقل ﴿۴﴾۔۔اسلام اور ﴿۵﴾۔۔زنا سے پاک رہنا۔

تو جو لوگ کسی ایسے مرد۔۔یا۔۔عورت کو زنا کی تہمت لگائیں جس میں یہ پانچوں صفتیں پائی جاتی ہیں، **(پھر)** اِس کو ثابت کرنے کے لیے **(نہ لائے)** حاکموں کے پاس ایسے **(چار گواہ)** عادل جو آزاد،

بالغ اور مسلمان ہوں اور اپنی چشم دید گواہی دیں (**تو لگاؤ انہیں**) بطورِ حد (**اسّی کوڑے**)۔

خیال رہے کہ 'غیر محصن' کو زنا کی تہمت لگانے میں 'تعزیر' ہے 'حد' نہیں۔ اور تہمت لگانے والی 'حد' زنا کی 'حد' سے، جس کا ثبوت قرآنِ کریم سے ہوا، اور شراب کی 'حد' سے جس کا ثبوت اقوالِ صحابہ سے ہوا، بہت ہلکی ہے۔ کیونکہ جس سبب سے 'حد قذف' جاری ہوتی ہے اُس میں یہ احتمال ہے کہ شاید سچ ہو۔

۔۔الحاصل۔۔اُن تہمت لگانے والوں کو اسّی [۸۰] کوڑے لگاؤ (**اور نہ مانو اُن کی گواہی کبھی**) یعنی اُن کو جنہوں نے تہمت لگائی اور گواہ نہ لا سکے جس کے نتیجے میں کوڑے کھائے، اُن کو عمر بھر کے لیے 'مردود الشہادۃ' کردو۔

۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق۔۔۔

جب تک یہ دل سے کھری اور سچی توبہ نہ کرلیں، اُن کی گواہی قبول نہ کرو۔ (**اور**) یاد رکھو کہ (**خود وہی**) تہمت لگانے والے لوگ (**نافرمان ہیں**) اُن سب کے 'فسق' کا حکم کیا گیا ہے۔۔۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

مگر جس نے توبہ کرلی اِس کے بعد، اور لائق بنالیا اپنے کو، تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے●

(**مگر جس نے توبہ کرلی اِس**) تہمت لگانے (**کے بعد**) اور پھر کسی پر تہمت نہ لگائیں، (**اور لائق بنالیا اپنے کو**)۔

یعنی اپنی نیتوں کو درست کرلیا، اِس تعلق سے کہ اب وہ کسی مسلمان پر تہمت نہ لگائیں گے، ایسی صورت میں فسق کا نام اُن پر سے اٹھ جائے گا، مگر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں اُن کی گواہی ہمیشہ مَردود رہے گی۔

۔۔المختصر۔۔اپنی حالت کی درستگی کرلینے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا مستحق ہوجائے گا، (**تو**) اِس سے ظاہر ہوگیا کہ (**بلاشبہ اللہ**) تعالیٰ (**غفور**) یعنی بندوں کے گناہ بخشنے والا ہے اور (**رحیم ہے**)، یعنی توبہ کرنے والوں پر مہربان ہے۔

اب اگر کبھی بالفرض ایسی صورت پیش آجائے، جو حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی عویمر کو پیش آگئی، جس کی شکایت اُنہوں نے عاصم سے کی، کہ انہوں نے اپنی بیوی خویلہ کو شریک ابن سحما کے ساتھ رنگے ہاتھ دیکھ لیا ہے۔۔المختصر۔۔شریک کو اپنی

بیوی خویلہ کے سینے سے لگا ہوا مصروفِ معصیت اپنی نگاہوں سے دیکھ لیا تھا، مگر اِس کو ثابت کرنے کے لیے اگر مجرم اعتراف نہ کرے، تو چار گواہوں کو پیش کرنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ اور گواہ نہ پیش کرنے کی صورت میں وہ 'حدقذف' کے مستحق ہو رہے تھے، اور اگر بالفرض وہ خاموش رہتے، تو ایسی صورت میں مرد وعورت کے درمیان باعزت طور پر نباہ دشوارترین امر تھا۔

چونکہ حضرت عاصم اِس مسئلے کے تعلق سے حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کر چکے تھے اور مِن وعَن انہوں نے جو صورت پیش کی وہی، اُن کے برادر کے ساتھ پیش آ گئی، تو پھر وہ سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور اِس مسئلے کا حل چاہا۔ حضور ﷺ نے خویلہ کو طلب فرما کر اُن سے اِس کے تعلق سے دریافت کیا، تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا، کہ میں نے زنا نہیں کیا۔ بعض تفسیروں میں عاصم کی جگہ سعد بن عبادۃ اور عویمر کی جگہ ہلال ابن امیہ کا ذکر ہے۔ تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ

اور جو عیب لگائیں اپنی بیبیوں کو، اور نہ ہوں اُن کے گواہ سوا خود اپنے کے، "تو فریقین میں سے ایک کی گواہی ہے

اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ

چار مرتبہ گواہی دینا، اللہ کے نام سے، کہ وہ سچا ہے ● اور پانچویں

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧

یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر، اگر وہ جھوٹا ہے"●

(اور) یہ ارشادِ الٰہی ہوا کہ (جو عیب لگائیں اپنی بی بیوں کو اور نہ ہوں اُن کے گواہ سوا خود اپنے کے)، یعنی اپنے سوا کوئی دوسرا گواہ نہ ہو، **(تو فریقین میں سے ایک کی گواہی ہے چار مرتبہ گواہی دینا اللہ) تعالیٰ (کے نام سے کہ وہ سچا ہے)** اِس عورت کو زنا کے ساتھ منسوب کرنے میں۔

۔۔المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم کھا کر ایک بار اپنی سچائی کی گواہی دینا، یہ ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ ایسے ہی دوسری قسم دوسرا گواہ اور تیسری قسم تیسرا گواہ، اور چوتھی قسم چوتھا گواہ قرار پائے گی۔ اِس کے لیے ہر ہر قسم کا مضمون یہی ہوگا، کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے جو زنا کا الزام لگایا ہے اُس میں میں سچا ہوں۔ **(اور پانچویں)** گواہی میں اُسے **(یہ)** کہنا ہوگا **(کہ اللہ) تعالیٰ**

(کی لعنت ہو اِس پر اگر وہ جھوٹا ہے)۔

۔۔الختصر۔۔مَرد کا لِعان یہ ہے کہ چار۴ بار کہے کہ خدا کی قسم میں نے اِس عورت کو جو بُری بات کہی ہے اُس میں میں سچا ہوں، اور پانچو۵یں بار کہے کہ جو بُری بات میں نے اِس عورت کو کہی، اگر میں اُس میں جھوٹا ہوں، تو مجھ پر خدا کی لعنت۔ اور ہر بار اِس عورت کی طرف اشارہ کرے۔ اور اِس لِعان کا حکم یہ ہے کہ مَرد پر سے 'قذف' کی حد ساقط اور جورُو خاوند میں جدائی کردیں گے۔ یہ امام اعظم کے نزدیک 'طلاق کی جدائی' ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک 'فسخ کی جدائی' ہے۔ اور عورت پر زنا کی حد ثابت ہوجائے گی اور اگر شوہر لِعان سے انکار کرے، تو امام اعظم کے مذہب پر اُسے قید کریں گے۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ

اور ہٹا دیتا ہے عورت سے سزا کو، یہ کہ "وہ دے چار بار گواہیاں اللہ کے نام سے،

الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹

کہ مَرد جھوٹا ہے● اور پانچویں کہ اللہ کا غضب ہو اُس پر، اگر مَرد سچا ہو"●

(اور ہٹا دیتا ہے عورت سے) قید۔۔یا۔۔حد کی (سزا کو یہ، کہ وہ دے چار بار گواہیاں اللہ) تعالیٰ (کے نام سے کہ مرد جھوٹا ہے) اُس بُری بات میں جو اُس نے مجھے کہی، (اور پانچویں) گواہی یہ کہ (اللہ) تعالیٰ (کا غضب ہو اِس) عورت (پر اگر مرد سچا ہو) اُسے وہ بُری بات کہنے میں۔

عورت کا لعان یہ ہے کہ چار۴ بار کہے کہ گواہی دیتی ہوں میں بخدا کہ یہ مرد جھوٹا ہے اُس بُری بات میں جو اُس نے مجھے لگائی، اور پانچو۵یں بار کہے کہ اگر یہ مرد اِس بُری بات میں سچا ہو، تو مجھ پر خدا کا غضب پڑے اور ہر بار مرد کی طرف اشارہ کرے۔

روایت ہے کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے نمازِ عصر کے بعد عویمر اور خویلہ کو طلب فرمایا اور جس طور پر مذکور ہوا اُسی طرح مرد و عورت دونوں نے گواہی دی اور لعنت اور غضب کا جب ان دونوں نے نام لیا، تو آنحضرت ﷺ نے آمین کہا اور لوگوں نے بھی۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

اور کیا ہوتا، اگر نہ ہوتا، اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت، اور یہ کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا حکمت والا ہے●

غور کرو (اور) سوچو کہ (کیا ہوتا اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت، اور یہ کہ اللہ) تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے حدوں کا۔ تو اگر وہ فضل وکرم والا نہ ہوتا، تو حکموں میں ضرور تم کو فضیحت کرتا اور جھوٹے کو عذاب میں مبتلا کرتا۔

اور بعضے یہ معنی کہتے ہیں، کہ۔۔۔

اگر تم پر عذاب کی تاخیر کر کے فضل ورحمت نہ فرماتا، تو تم ہلاک ہو جاتے۔۔یا۔۔اگر سزائیں مقرر فرما کر اور بُری باتوں سے منع کرنے کے سبب سے خدا فضل نہ فرماتا، تو تمہاری نسل منقطع ہو جاتی اور لوگ ایک دوسرے کو ہلاک کر ڈالتے۔۔یا۔۔توبہ قبول فرما کر اگر تم پر رحم نہ کرتا، تو تم ناامیدی میں حیران رہتے، تو اُس نے تم کو توبہ کی توفیق دے کر امیدوار کیا۔

اِس کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بری الذمہ ہونے کے باب میں آیتیں ہیں۔ اِس واقع کے اجمالی بیان سے پہلے یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، کہ حضرت ام المومنین پر منافقین نے ایک تہمت لگائی، جو قطعی اور یقینی طور پر غلط تھی، رب قدیر جس کو بخوبی جانتا تھا۔۔۔

وہ اگر چاہتا تو فوراً ہی اُن کی پاکی کی آیات نازل فرما دیتا، لیکن اُس نے آیات نازل فرمانے میں تاخیر فرمائی، تاکہ جو منافقین، مومنین مخلصین کی جماعت میں چھپے ہوئے ہیں، وہ کھل کر سامنے آجائیں اور پھر اِس کے بعد جب خدائے قادرِ مطلق نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی کو ظاہر فرمانا چاہا، تو کائنات کی کسی شے سے آپ کی پاکی کی گواہی نہیں دلائی۔

وہ خدا جس نے حضرت مریم کی پاکی کی گواہی ایک شیر خوار بچے، یعنی حضرت عیسیٰ سے ایامِ شیر خوارگی میں دلوائی۔۔یوں ہی۔۔حضرت یوسف کی پاکی کی گواہی ایک بے شعور بچے سے دلائی۔ وہ قادرِ مطلق اگر چاہتا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی کی گواہی بھی کائنات کی کسی شے سے بھی دلا سکتا تھا۔ درختوں، پتھروں، جانوروں، شیر خوار بچوں، وغیرہ وغیرہ کسی سے بھی دلوا سکتا تھا۔ مگر اُس نے اِن میں سے کسی کو بھی گواہ نہیں بنایا۔۔بلکہ۔۔اپنی حکمتِ کاملہ سے ایسے حالات ظاہر فرما دیے کہ خود اپنے محبوب ﷺ کو بھی خاموش رکھا، تاکہ وہ بھی پاکی کی شہادت دینے سے گریز کریں۔

ایسا لگتا ہے جیسے حکمتِ خداوندی ارشاد فرما رہی ہو، کہ اَے محبوب! یہ تمہاری زوجہ پاک کی طہارت و پاکی کی گواہی کی بات ہے، یہ کام میں عرش وفرش اور زمین وآسمان کی کسی مخلوق سے

نہیں لوں گا۔ یہاں تک کہ خود تم کو بھی گواہ نہیں بناؤں گا، بلکہ میں خود پاکی کی شہادت دوں گا۔ میری شہادت میرا کلام ہو کر قرآنِ کریم کا جزء ہو گی جو اِس قدر قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو گی، کہ آپ کی زوجہ پاک کی پاکی وطہارت کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں ہو جائے گا جس کا منکر کافر و مرتد ہو جائے گا۔۔نیز۔۔اُن کی طہارت کا ڈنکا قیامت تک بجتا رہے گا۔

اِس مقام پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اِس مقام پر رسولِ کریم کی اِس تعلق سے خاموشی، صحیح صورتِ حال سے آپ کی لاعلمی کی دلیل نہیں۔۔بلکہ۔۔یہ واقعہ خداوند قادرِ مطلق کی حکمتِ تامہ اور اُس کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے جس نے ایک حکمتِ بالغہ کے تحت اِس واقعہ کی طرف اپنے محبوب کی توجہ ہونے نہیں دی۔

غور کیجیے کہ یہ تو کوئی سعادتمند کہہ ہی نہیں سکتا، کہ نبی کریم کو تمام اسلامی بنیادی عقیدوں کا بھی علم نہیں تھا۔اور جب آپ سارے اسلامی عقائد سے باخبر تھے، تو ضرور بالضرور اِس عقیدے سے بھی باخبر ہوں گے کہ نبی کی بیوی کافرہ تو ہو سکتی ہے فاحشہ نہیں ہو سکتی۔اس لیے کہ کفر بُری چیز تو ضرور ہے، مگر بدکاری وغیرہ فواحشات کی طرح گھنونی نہیں۔۔چنانچہ۔۔نبی کی ازواج فواحشات سے ہمیشہ پاک وصاف رہیں۔اور یہ عقیدے کا مسئلہ ہے، تو رسولِ کریم کو اِس کا علم یقینی طور پر ہو گا۔

اور نبی کریم کو اِس بات کا بھی یقینی علم ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کی زوجہ ہیں، تو پھر اِس صورت میں آپ ﷺ کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی وطہارت سے لاعلم ہونے کا سوال ہی کہاں رہ جاتا ہے۔ ذہن نشین رہے کہ حکمت و مصلحت کے پیشِ نظر کسی بات کا اظہار نہ کرنا جہل کی دلیل نہیں۔اور وہ بھی اِس صورت میں جب کہ خود سرکار ﷺ نے فرمادیا ہو کہ میں "اپنی اہل سے خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا"۔۔المختصر۔۔خدائی گواہی سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو اعزاز ملا ہے، وہ اُور کسی کی گواہی سے نہیں مل سکتا تھا۔اب مناسب لگتا ہے کہ ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اِس واقعہ کو مختصراً اور اجمالاً بیان کر دیا جائے۔

ہجرت کے پانچویں برس جنگ مریسیع کا اتفاق ہوا، تو جنابِ صدیقہ اُس سفر میں ساتھ تھیں اور وہ ایک منزل میں کجاوہ سے اتریں، اور اُن کا ہار کھو گیا۔اُسے ڈھونڈھنے کے لیے ٹھہرنے کی جگہ سے دُور تشریف لے گئیں اور ذرا دیر ہوئی۔ اِدھر خادموں نے کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، یہ نہ دیکھا کہ کجاوہ خالی ہے۔۔یا۔۔جنابِ صدیقہ اِس میں بیٹھی ہیں اور وہ

لوگ وہاں سے چل نکلے۔ حضرت صدیقہ جب پھر وہاں تشریف لائیں اور دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں، تو اُسی جگہ ٹھہر گئیں یہاں تک کہ صفوان بن معطل جو حضرت رسولِ کریم ﷺ کے حکم سے لشکر کے پیچھے پیچھے آیا کرتے، وہ وہاں پہنچے اور حضرت صدیقہ اُن کے اونٹ پر سوار ہو کر لشکر میں جا ملیں۔

ابن ابی رئیس المنافقین نے صفوان کے اونٹ پر اُنہیں سوار دیکھ کر وہ بات کہی جو حضرت سیدِ عالم ﷺ کے حرمِ محترم کی نسبت کہنا لائق نہ تھا۔ اور جب مدینہ منورہ میں سب پہنچے، تو یہ خبر حضرت ﷺ سے عرض کی گئی، اور حضرت صدیقہ بیمار ہو گئی تھیں۔ اُنہیں اِس بات کی خبر نہ ہوئی، مگر حضرت ﷺ کی طرف سے بے التفاتی دیکھتیں، اجازت لے کر اپنے والد کے گھر آئیں۔ وہاں یہ حال سنا، تو اِس صدمے سے مرض اُور بڑھا۔ دن رات رویا کرتیں۔

اور پھر آنحضرت ﷺ حضرت بی بی عائشہ کا حال تحقیق کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنی بی بیوں اور بڑے بڑے صحابہ سے آپ پوچھتے، سب اُن کی پاکدامنی پر گواہی دیتے۔ ایک دن حضرت ﷺ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لائے اور حضرت عائشہ کو روتے دیکھ کر فرمایا، کہ اَے عائشہ اگر تم نے گناہ کیا ہے، تو خدا سے توبہ کرو اور بخشش چاہو۔ حضرت عائشہ نے اپنے ماں باپ سے کہا، کہ آپ لوگ حضرت کی اِس بات کا جواب دیں۔ کسی نے جرأت نہ کی، تو خود حضرت صدیقہ نے نہایت خوف و دہشت کے عالم میں یہ بات عرض کی، کہ یارسول اللہ دشمنوں نے یہ خبر اڑادی ہے اور میں جو کہتی ہوں کوئی باور نہیں کرتا۔ تو میں اب وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا کہ **فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ**۔ بس اِس گفتگو کے ساتھ حضرت ﷺ پر وحی کا اثر ظاہر ہوا اور برأت کی آیتیں نازل ہوئیں۔۔۔ کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّكُمۡ ؕ

بے شک جنہوں نے گڑھا اتنا بڑا ابہتان تمہیں سے کچھ ہیں۔ اُس کو اپنے لیے بُرا نہ سمجھو،

بَلۡ هُوَ خَیۡرٌ لَّكُمۡ ؕ لِكُلِّ امۡرِیٴٍ مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ

بلکہ وہ بہت اچھا ہے تمہارے لیے ان میں سے ہر ایک کا گناہ وہ جو اُس نے کمایا،

وَالَّذِیۡ تَوَلّٰی كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

اور جس نے بڑا حصہ لیا اُس کے لیے بڑا عذاب ہے●

(بے شک جنہوں نے گڑھا اتنا بڑا بہتان) اور جھوٹ صدیقہ کی شان میں، (تمہیں سے کچھ ہیں)۔

وہ پانچ آدمی تھے: ﴿۱﴾۔۔عبداللہ بن ابی، منافقوں کا پیشوا۔ ﴿۲﴾۔۔زید بن رفاعہ۔ ﴿۳﴾۔۔حسان بن ثابت شاعر۔ ﴿۴﴾۔۔ مسطح بن اثاثہ، حضرت صدیق اکبر کی خالہ کا بیٹا۔ ﴿۵﴾۔۔حمنہ بنت جحش، ام المومنین حضرت زینب کی بہن۔ اِن میں ابن ابی اُس فتنے کا سرغنہ تھا جس نے اِس بات کو اڑایا تھا، باقی اُس کے فریب خوردہ افراد تھے۔

تو اَے محبوب! اور اَے صدیقہ اور اَے صفوان! تم لوگ (اِس کو اپنے لیے بُرا نہ سمجھو بلکہ وہ بہت اچھا ہے تمہارے لیے)، اس واسطے کہ تم نے بڑا ثواب پایا اور تمہاری براءت اور پاکی میں آیتیں نازل ہوئیں، اور تمہاری بزرگی اور عظمتِ شان سب پر ظاہر ہوگئی اور سب جھوٹ بولنے والوں اور بہتان باندھنے والوں کے باب میں وعید ہوگئی، کہ (اُن میں سے ہر ایک کا گناہ وہ جو اُس نے کمایا، اور جس نے بڑا حصہ لیا اُس کے لیے بڑا عذاب ہے)۔۔الختصر۔۔ہر شخص کا اِس کے کرتوت کے مطابق مواخذہ ہوگا۔

اِس قضیہ کے تعلق سے بھی مختلف لوگوں کا مختلف رویہ رہا۔ بعض ہنسے تھے، بعض نے بُری باتیں کہی تھیں، بعض چپ رہے اور منع نہیں کیا۔۔الغرض۔۔جس جس نے گستاخی کی اُس کو اُس کی سزا مل گئی۔ اب رہ گئی یہ بات کہ اُس گروہ میں وہ کون تھا جس نے بہت بُری اور بہت بدتر بات کی؟ وہ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین تھا، جس کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے اور دُنیا میں بھی اُس پر 'حدِ قذف' جاری کی گئی اور اِس سے وہ ذلیل و رسوا ہوگیا۔ ایک قول ہے کہ بڑی بات کہنے والے حسان تھے جو آخری عمر میں نابینا ہوگئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مسطح تھے جن کے ہاتھ شل ہوگئے۔۔الختصر۔۔ہر شخص اپنے کرتوت کی سزا دُنیا ہی میں پا گیا۔

یہ وہ موقع تھا کہ ایمان والے اپنی ایمانی شان کا مظاہرہ کرتے۔۔تو۔۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ

کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے سنا اُسے، تو گمان رکھتے ایمان والے مرد و عورت، اپنوں کے ساتھ اچھا؟

وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾

اور کہہ دیتے کہ "یہ کھلا ہوا بہتان ہے"●

(کیوں نہ ہوا) ایسا (کہ جب تم نے سنا اِسے) یعنی یہ بہتان والی بات سنی، (تو گمان رکھتے

ایمان والے مرد وعورت اپنوں کے) یعنی اپنے دین والوں کے (ساتھ اچھا)، جیسا کہ خود اپنی ذاتوں کے ساتھ گمان کرتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ یہ جھوٹ بات سن کر حضرت عائشہ اور حضرت صفوان کی طرف نیک گمان کرتے، (اور کہہ دیتے) جس طرح یقین کرنے والا کوئی مرد کسی حال پر مطلع ہو کر کہتا ہے، (کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے)۔ اس واسطے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ پیغمبروں کی بی بیوں کو ایسے حال سے محفوظ رکھتا ہے، اُن کی تعظیم وتکریم کے واسطے۔ اگر یہ بہتان طراز دُنیاوی لحاظ سے بھی جھوٹے نہیں تھے۔۔تو۔۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ

کیوں نہ لائے اِس کے چار گواہ؟ اب جو نہ لائے گواہ،

فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں●

(کیوں نہ لائے اُس کے چار گواہ) کہ گواہی دیں اِس بات کی جس پر وہ قذف کرتے ہیں۔ اور (اب جو) وہ (نہ لائے) چار (گواہ، تو وہی اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک) یعنی حکم خداوندی میں (جھوٹے ہیں)۔ ظاہر اور باطن میں اس واسطے کہ اگر گواہ لاتے، تو ظاہر حکم میں جھوٹے نہ ہوتے، مگر حقیقت میں جھوٹے ہوتے۔ اس واسطے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواجِ مطہرات پر یہ صورت محال ہے اور چونکہ گواہ نہ لائے تو ظاہر میں بھی جھوٹے ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر، اور اس کی رحمت دُنیا وآخرت میں، تو ضرور پہنچ جاتا تمہیں

فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اِس میں جس میں تم لوگ پڑ گئے تھے، بڑا عذاب●

(اور اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت دُنیا وآخرت میں)، دُنیا میں توبہ کی توفیق دے کر اور آخرت میں عفو ومغفرت فرما کر، (تو ضرور پہنچ جاتا تمہیں اُس میں جس میں تم لوگ پڑ گئے تھے بڑا عذاب) کہ حدقذف اور لوگوں کی ملامت کی سختی اُس عذاب کے سامنے حقیر ہوتی۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

جوایک دوسرے کی زبان سے لیتے تھے، اوراپنے منہ سے کہہ ڈالتے تھے، جس کا تمہیں کچھ علم نہیں،

وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اورتم خیال کرتے رہے اِس کو معمولی بات۔ اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے●

(جوایک دوسرے کی زبان سے لیتے تھے)، یعنی جب تم یہ تہمت اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے (اوراپنے منہ سے کہہ ڈالتے تھے)۔ یعنی اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے رہے (جس کا تمہیں کچھ علم نہیں) تھا، (اورتم خیال کرتے رہے اِس کو معمولی بات۔ اور) صورتِ حال یہ ہے کہ (وہ اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک) بہت (بڑی) اور بڑی ہی سنگین (بات ہے)۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ

اور کیوں نہ ہوا کہ جب سنا تھا تم نے اُسے، تو "کہہ دیتے کہ ہمیں حق نہیں کہ ایسا بولیں۔

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

پاکی ہے تیری، یہ بڑا بہتان ہے"●

(اور کیوں نہ ہوا کہ جب سنا تھا تم نے اُسے، تو کہہ دیتے کہ ہمیں حق نہیں کہ ایسا بولیں)۔

جیسا کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، جب کہ اُن کی زوجہ نے اُن سے پوچھا تھا، کہ تم نے وہ بات سنی ہے جو حضرت عائشہ کے باب میں لوگ کہتے ہیں۔ حضرت ابوایوب بولے کہ ہاں سنی ہے، وہ بات جھوٹ ہے۔ کیا تُو اپنی نسبت اِس فعل کو جائز رکھتی ہے؟ اُن کی زوجہ بولیں، واللہ نہیں! پس ابوایوب نے کہا کہ واللہ عائشہ صدیقہ تجھ سے بہتر ہیں۔ تو پیغمبر کی بی بی کی نسبت یہ کام کب ممکن ہوسکتا ہے۔ یہ بہتانِ عظیم ہے۔

(پاکی ہے تیری) اَے خدا! اِس سے کہ اپنے پیغمبر کے حرم محترم میں خرابی اور بُرائی ڈال سکے۔ بے شک (یہ) کلام (بڑا بہتان ہے) جو منافقین کا باندھا ہوا ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

نصیحت فرمائے دیتا ہے تمہیں اللہ کہ "دوبارہ ہوا ایسا کبھی، اگر ماننے والے ہو"●

(نصیحت فرمائے دیتا ہے تمہیں اللہ) تعالیٰ (کہ دوبارہ ہوا ایسا کبھی)۔ یعنی جب تک زند

ہو ہرگز کبھی ایسی بات پھر نہ کہنا (اگر ماننے والے ہو) اور خدا پر ایمان والے ہو۔ اس واسطے کہ ایمان مسلمانوں کے باب میں طعن کرنے کو عموماً مانع ہے، خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے باب میں جو مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾

اور بیان فرماتا ہے، اللہ تمہارے لیے آیتوں کو۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ **(تمہارے لیے آیتوں کو)** تاکہ نیک ادبوں کی تم کو راہ بتائیں، تاکہ تم نصیحت پکڑو اور ادب کی راہ سے نہ پھرو۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(علم والا)** ہے، وہ خوب جانتا ہے حضرت عائشہ کی پاکدامنی کو اور **(حکمت والا ہے)** یعنی حکم کرنے والا ہے کہ وہ عیب اور عار سے بالکل بری الذمہ ہیں۔۔ یاد رکھو کہ۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

بے شک جو چاہتے ہیں کہ پھیل جائے بُرا چرچا مسلمانوں میں، ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔

اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾

دُنیا و آخرت میں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے●

(بے شک جو چاہتے ہیں کہ پھیل جائے بُرا چرچا مسلمانوں میں) اور اُن کی خواہش یہ ہو، کہ وہ اِس شرمناک بات کو اپنی زبان سے بیان کریں اور اِس کو شہرت دیں، **(اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے دُنیا)** میں 'حدِ قذف' اور بدنامی کی صورت میں، **(وآخرت میں)** عذابِ دوزخ کی شکل میں۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(جانتا ہے)** اُس کی بُرائی جس میں تم نے فکر کی ہے۔ **(اور تم لوگ نہیں جانتے)**۔ اگر جانتے، تو تہمت لگانے والی حرکت سے اپنے کو باز رکھتے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ ع

ع ٢ / ٨ — الخمس

اور غضب تھا اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت، اور یہ کہ اللہ بڑا مہربان رحم فرمانے والا ہے●

(اور) کیا ہی **(غضب تھا! اگر نہ ہوتا اللہ)** تعالیٰ **(کا فضل تم پر)** تحمل و بُردباری کے ساتھ **(اور اُس کی رحمت)** مہربانی اور شانِ ربوبیت کے ساتھ، **(اور یہ کہ اللہ)** تعالیٰ **(بڑا مہربان)** ہے۔

جس پر افتراء کیا گیا ہے اُس کا بری الذمہ ہونا ظاہر کرتا ہے اور (رحم فرمانے والا ہے)۔ اگر توبہ کے سبب سے افتراء کرنے والے کا گناہ نہ بخشتا، تو ضرور تم پر عذاب نازل ہوتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ

اَے ایمان والو! نہ لگو شیطان کے قدموں سے۔ اور جو لگا شیطان کے قدموں سے،

الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

تو بلاشبہ وہ تو حکم دے بے حیائی اور بُرائی کا۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر

وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور اُس کی رحمت، تو کوئی تم میں سے پاکیزہ کبھی نہ ہوتا۔ لیکن اللہ

يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

پاک فرمادے جسے چاہے۔ اور اللہ سننے والا علم والا ہے●

(اَے ایمان والو! نہ لگو شیطان کے قدموں سے) اور اُس کی پیروی نہ کرو۔ یعنی گناہوں کی طرف اُس کی راہوں کی۔ اور حضرت عائشہ پر تہمت رکھنے میں اُس کے وسوسوں کی پیروی نہ کرو۔ (اور جو لگا شیطان کے قدموں سے) اور اُس کے اثروں کی متابعت کرے، (تو) اُسے تو غلط روی کا شکار ہونا ہی ہے، کیونکہ (بلاشبہ وہ تو حکم دے) گا (بے حیائی اور بُرائی کا)۔

بے حیائی سے مراد وہ امور ہیں جو عقلاً اور عرفاً معیوب ہوں، اور منکر سے مراد اُس کام کا حکم کرنا ہے جو شرعاً بُرا ہے۔

(اور اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر) توبہ کی توفیق دے کر۔۔یا۔۔حدیں مقرر کرکے، جو گناہوں کا کفارہ ہیں (اور اس کی رحمت) تمہیں پاک کرنے کو، (تو کوئی تم میں سے پاکیزہ کبھی نہ ہوتا) اُس عیب جوئی اور بدگوئی کے میل سے۔ (لیکن اللہ) تعالیٰ (پاک فرمادے) توبہ قبول کرکے (جسے چاہے اور اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے لوگوں کی باتیں اور (علم والا ہے)، اُن کی نیتوں کو جانتا ہے۔۔۔

چونکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی منافقین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اُن کے ہم خیال ہوگئے تھے، بعد میں اُنھوں نے سچی اور کھری توبہ کرلی تھی، پھر بھی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن کے تعلق سے طے کرلیا تھا کہ میں اپنے خلیرے بھائی

مسطح کو نہ خرچ دوں گا اور نہ ہی اُن کے ساتھ کوئی بھلائی کروں گا، اور اِس کے لیے قسم بھی کھائی تھی۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ

اور نہ قسم کھا بیٹھیں تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے، قرابت والوں

وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ

اور مسکینوں اور راہِ خدا میں گھر بار چھوڑنے والوں کو دینے سے، اور چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔

أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾

کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ بخش دے تمہیں۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اور) چاہیے کہ (**نہ قسم کھا بیٹھیں تم میں فضیلت والے**) بزرگی والے جو دین میں بزرگی رکھتے ہیں (**اور گنجائش والے**)، یعنی مقدرت والے جو مال کی رُو سے فراغت رکھتے ہیں (**قرابت والوں اور مسکینوں اور راہِ خدا میں گھر بار چھوڑنے والوں کو دینے سے**)۔

مسطح قرابت دار بھی تھے اور محتاج بھی اور مہاجر بھی۔

(اور) جب اُنہوں نے سچی توبہ کر لی ہے، تو (**چاہیے کہ**) انہیں (**معاف کر دیں اور**) اُن سے (**درگزر کریں۔ کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ**) تعالیٰ (**بخش دے تمہیں**) تو تم بھی اُوروں کے گناہ سے درگزرو۔ (اور) سوچو کہ (**اللہ**) تعالیٰ (**غفور**) ہے یعنی بخشنے والا ہے باوصف اِس کے کہ بدلا لینے پر کمالِ مرتبہ اُسے قدرت حاصل ہے اور (**رحیم ہے**) یعنی گنہگاروں پر مہربان ہے۔ تو تمہیں بھی چاہیے کہ اُس کے اخلاق سے خلق حاصل کرو۔

یہ آیتِ کریمہ اصحابِ کرام میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلتِ مطلقہ پر روشن دلیل ہے۔ چونکہ سورۂ نور کی آیت ۴ اور آیت ۵ میں عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کے متعلق حکم نازل ہو چکا ہے۔ اس لیے اگلی تین ۳ آیات بھی حضرت عائشہ کی تہمت سے برأت اور آپ کی فضیلت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت عائشہ پر تہمت لگانے کی جو سزا آگے مذکور ہے، وہ عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ 'حدقذف' میں صرف اسّی ۸۰ کوڑے کی سزا ہے، پھر جب وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں، تو اُن کی مغفرت ہو جائے گی۔ لیکن ام المومنین پر بدکاری کی تہمت لگانا کوئی معمولی اور سرسری جرم

نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُس کی سزا میں تین۳ آیتیں نازل فرمائیں۔

ایک یہ کہ اُس پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی جائے گی، دوسری سزا یہ ہے کہ قیامت کے دن اُس کی زبان اور اُس کے ہاتھ اور پاؤں اُس کے خلاف گواہی دیں گے، کہ وہ دُنیا میں کیا کرتا رہا تھا، اور اُس کو اِس طرح رسوا کیا جائے گا۔ اور تیسری سزا یہ ہے کہ اُس کو قیامت کے دن پورا پورا عذاب دیا جائے گا، اور یہ بہت سخت سزا ہے۔ یہ سزا اُس کو دی جائے گی جس کا جرم بہت سنگین ہو۔۔المختصر۔۔حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا

بے شک جو عیب لگائیں پارسا، انجان مسلمان عورتوں کو، وہ لعنت کیے گئے ہیں

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

دُنیا وآخرت میں۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے●

(بے شک جو عیب لگائیں پارسا، انجان مسلمان عورتوں کو)، ایسی عورتوں کو جو پاکباز ہوں اور جنہیں اُس چیز کی خبر بھی نہیں جن کی انہیں تہمت لگاتے ہیں اور جو سچی ایمان والیاں ہیں۔

یہاں عورتوں سے مراد کیا ہیں؟ اِس کے تعلق سے جو راجح قول ہے اُس کا ذکر میں نے اوپر کر دیا ہے، کہ وہ حضرت عائشہ ہیں۔ مگر اِس کے تعلق سے دوسرے بھی اقوال ہیں:

﴿۱﴾۔۔اِس سے مراد رسولِ کریم کی تمام ازواجِ مطہرات ہیں۔

﴿۲﴾۔۔یہ مہاجروں کی شان میں ہے۔

﴿۳﴾۔۔یہ عام ہے تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔

جہاں تک کہ تہمت کی سزا کی بات ہے تو وہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگائی جائے، تہمت لگانے والا مذکورہ بالا تینوں سزاؤں کا مستحق ہوگا۔ لیکن تہمت واقع میں صرف حضرت عائشہ پر لگائی گئی اس لیے خاص کر کے ام المومنین حضرت عائشہ کو مراد لینا ہی قرین قیاس ہے۔ بہر تقدیر جو لوگ ایسی ذات کو تہمت لگاتے ہیں۔

(وہ لعنت کیے گئے ہیں دُنیا وآخرت میں)۔ دُنیا میں نیک نامی سے دُور پڑے ہیں اور آخرت میں رحمت سے۔ یعنی اِس عالَم میں ملعون اور مَردود ہیں اور اُس جہاں میں مبغوض اور مطرود ہیں۔ **(اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے)** بڑے گناہ کے سبب سے، اور وہ عذاب اُن پر ہوگا اُس دن۔۔۔

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾

جس دن کہ گواہی دیں گی اُن پراُن کی زبانیں، اوراُن کے ہاتھ اوراُن سب کے پاؤں، جوکیا کرتے تھے●

(جس دن گواہی دیں گی اُن پر اُن کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور اُن سب کے پاؤں)۔۔ الحاصل۔۔اُن کی زبانیں خود گواہی دیں گی، کہ انہوں نے جو بہتان لگایا تھا وہ بہتان ہی تھا، اور اُن کے ہاتھ اور پاؤں بھی اُن کے کرتوتوں کو ظاہر کریں گے، اِس طرح انہیں اہلِ محشر کے سامنے رسوائی وذلت حاصل ہوگی۔۔المختصر۔۔اُن کے اعضاءِ بدن گواہ ہوں گے اُس پر **(جو کیا کرتے تھے)** گناہ، اور صرف اِسی قدر نہیں۔۔بلکہ۔۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ

اُس دن پورا پورا دے گا انہیں اللہ اُن کا ٹھیک بدلا، اور وہ سب جان لیں گے کہ بلاشبہ اللہ

هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾

ہی حق، روشن ہے●

(اُس دن پورا پورا دے گا انہیں اللہ) تعالیٰ **(اُن کا ٹھیک بدلا)** جو اُن کے لائق ہے۔ **(اور)** پھر **(وہ سب جان لیں گے کہ بلاشبہ اللہ)** تعالیٰ **(ہی حق)**، یعنی ثابت ہے اپنی ذات سے اور **(روشن ہے)**، یعنی ظاہر ہے اپنی الوہیت اور قدرت کے ساتھ جو عذاب وثواب پر قادر ہے۔ ذہن نشین رہے کہ۔۔۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے۔ اور پاکدامن، پاکبازوں کے لیے،

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ

اور پاکباز پاکدامنوں کے لیے ہیں۔ وہ بَری ہیں اُس سے، جو لوگ بکتے ہیں۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾

اُن کے لیے بخشش اور عزت والی روزی ہے●

(گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے) ہیں۔۔الغرض۔۔ناپاک لوگ ہی

ناپاک باتیں زبان سے کہتے ہیں اور انہیں سے بُری باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ایسے ہی پلید لوگ پلید باتوں کے قابل ہیں۔اس واسطے کہ اُن کی طبیعتیں پلیدگی کی وجہ سے پلید باتوں کی طرف مائل ہیں، (اور) اِن کے برعکس (پاکدامن پاکبازوں کے لیے اور پاکباز پاکدامنوں کے لیے ہیں)۔

۔۔الغرض۔۔ناپاک عورتیں ناپاک مَردوں کے واسطے ہیں، اِسی لیے ناپاک مَردوں کی طرف رغبت کرتی ہیں اور پاک عورتیں پاک مَردوں کے واسطے ہیں، اِسی لیے پاک مردوں کی طرف مائل ہیں۔۔

الختصر۔۔جس طرح بُری اور ناپاک باتیں ناپاکوں کے واسطے ہیں، پاکیزہ باتیں پاک لوگوں کے واسطے ہیں۔ یعنی اُن میں سرایت کرتی ہیں اور اثر کر جاتی ہیں۔اور پاکیزہ لوگ بھی پاکیزہ باتوں کے لائق ہیں۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جو تمام موجودات میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں، آپ کے واسطے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سی محرم سزاوار ہے، اس واسطے کہ جنسیت، الفت اور صحبت کا سبب ہوتی ہے۔

۔۔الختصر۔۔(وہ) لوگ یعنی حضرت رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ (بری) اور پاک ومبرا ہیں (اُس سے جو) گنہگار تہمت لگانے والے (لوگ بکتے ہیں)۔

حضرت سلطان الانبیاء ﷺ کی شان اور آپ کا منصب پاک اور بہت بلند ہے اس بات سے کہ آپ کی زوجہ طاہرہ کا دامنِ عصمت ایسے شبہ سے آلودہ ہو۔اور صفوان بھی ایک مرد پاکیزہ اولیاء صحابہ میں سے ہے، اِس پر بھی یہ تہمت نہیں رکھ سکتے، کیوں کہ (اُن کے لیے) منجانب اللہ (بخشش اور عزت والی روزی ہے) جو انہیں بغیر محنت ملے گی اور کبھی زائل نہ ہوگی۔

اِس سے جنت کی نعمت مراد ہے۔اسلام پاک دین ہے اور پاکوں کا دین ہے، جو شرم وحیا اور طہارت ونظافت کا داعی ہے۔یہ پاکیزہ خصلت رکھنے والوں کا دین ہے، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں ایک خاتون حاضر ہوئیں اور عرض کیا، کہ اَے اللہ کے رسول ﷺ! میں گھر میں ایک وقت ایسی حالت میں ہوتی ہوں اُس وقت میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے، لیکن آنے والے اچانک آہی جاتے ہیں، تو فرمایئے میں کیا کروں؟ آپ نے اُسے فرمایا، اب چلی جا یعنی اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوگا اُس کی میں تجھے خبر دے دوں گا۔ تب وہ چلی گئی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا

اَے مسلمانو! "نہ جاؤ گھروں میں، اپنے اپنے گھروں کے سوا، یہاں تک کہ اجازت لے لو

وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور سلام کرو گھر والوں پر۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر سوچو"●

(اَے مسلمانو! نہ جاؤ گھروں میں، اپنے اپنے گھروں کے سوا، یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو گھر والوں پر۔ یہ) اجازت لینا اور سلام کرنا (تمہارے لیے بہتر ہے) اِس بات سے کہ بے اجازت چلے جاؤ۔ ہم نے یہ حکم کیا ہے تمہاری بہتری کے لیے تم (اگر سوچو) اور نصیحت مانو۔

بعضوں نے تو یہاں تک کہا ہے، کہ جو کوئی اپنے بال بچوں میں آئے اُسے بھی چاہیے کہ بلند آواز سے بات۔۔یا۔۔چاپ۔۔یا۔۔کھکھار کے سبب سے آگاہ کر دے، تا کہ گھر والے سترِ عورت کرلیں اور مناسب حالت میں آجائیں۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ

پھر اگر نہ پایا تم نے اس میں کسی کو، تو اس میں نہ جاؤ، یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہیں۔ اور اگر تمہیں کہہ دیا جائے

ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

کہ "واپس جاؤ،" تو واپس ہو جاؤ، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور اللہ جو کرو وہ جانتا ہے●

(**پھر اگر نہ پایا تم نے اُس**) گھر (**میں کسی کو**) یعنی سلام کی آواز، پیروں کی چاپ اور کھکھار نے کی صدا پر بھی اندر سے کوئی جواب نہ آئے اور تمہیں محسوس ہو کہ اندر کوئی نہیں ہے، (**تو اُس میں نہ جاؤ یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہیں**)۔ یعنی کوئی ظاہر ہو کر تم کو اجازت دے۔ اس واسطے کہ کسی کے خالی گھر میں بے اِذن چلے جانے میں چوری کی تہمت کا محل ہے۔ (**اور اگر**) اجازت مانگنے کے بعد (**تمہیں کہہ دیا جائے، کہ واپس جاؤ، تو واپس ہو جاؤ**) اور وہاں نہ ٹھہرو اور نہ ہی دروازے پر بیٹھو، اس واسطے کہ اِس میں گھر والے کی مضرت ہے۔ اور (**یہ**) واپس ہو جانا (**تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے**) اور بہت خوب کام ہے (**اور اللہ**) تعالیٰ، اجازت مانگنا۔۔یا۔۔نہ مانگنا۔۔الغرض۔۔(**جو کرو**) اُسے (**وہ**) خوب (**جانتا ہے**) اور اُس پر بدلا دے گا۔

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ

ﷺ ملک شام اور عراق کی راہ میں تاجروں کو اتفاق پڑتا ہے کہ خالی گھر اور سرائے میں ٹھہرتے ہیں، چونکہ کوئی وہاں مقیم نہیں، تو کس سے اجازت مانگیں۔تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

تمہارے لیےکوئی مضائقہ نہیں، کہ جاؤ ایسے گھروں میں جس میں کوئی خاص نہ رہتا ہو، اُس میں تم کو رہنے کا حق ہے،

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور اللہ جانتا ہے تم لوگ جو ظاہر کرو اور جو چھپایا کرو●

(تمہارے لیےکوئی مضائقہ نہیں کہ جاؤ ایسے گھروں میں) اجازت کے بغیر (جس میں کوئی خاص نہ رہتا ہو)، یعنی وہ کسی کے رہنے کی خاص جگہ نہ ہو، بلکہ وہاں لوگ آتے ہوں اور چلے جاتے ہوں، جیسے قافلہ اترنے کی جگہ اور سرائے۔اس لیے کہ (اُس میں تم کو رہنے کا حق ہے)۔

۔۔چنانچہ۔۔تم سردی اور گرمی سے وہاں پناہ لیتے ہو اور تمہارے مال اور جانور وہاں محفوظ رہتے ہیں۔تو بنیادی طور پر وہ مقامات تمہاری جان و مال کی راحت وحفاظت ہی کے لیے ہیں اور تمہیں فائدہ پہنچانے ہی کے لیے ہیں۔(اور اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے تم لوگ جو ظاہر کرو)، یعنی اذن طلب کرنا (اور جو چھپایا کرو) یعنی بدنیتی سے داخل ہونا۔اَے محبوب! اجازت کے بغیر کسی کے گھر داخل ہو جانا یہ تو بڑی بات ہے، مومنین ومومنات کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ کسی غیر محرم کو بالقصد دیکھیں، تو اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

حکم دو اپنے ماننے والوں کو کہ "اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں۔"

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

یہ زیادہ پاکیزہ ہے ان کے لیے۔بے شک اللہ باخبر ہے جو بھی وہ کریں●

(حکم دو اپنے ماننے والوں کو، کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) اور بالقصد اپنی آنکھوں سے نامحرم کو نہ دیکھیں، اس لیے کہ نگاہ سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ جسم انسانی میں شیطان کا بہت تیز قاصد آنکھ ہے۔اس واسطے کہ اُور حواس اپنے اپنے ٹھکانے پر ہیں، تاوقتیکہ کوئی چیز اُن تک نہیں پہنچتی اُسے دریافت کرنے میں مشغول نہیں ہوسکتے۔مگر دیدہ ایسا حاسہ ہے کہ دُور اور نزدیک سے بلا اور گناہ کو شکار کرتا ہے۔بعض

عارفین نے کہا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اَے محبوب! مومنین سے کہہ دو کہ "سامنے کی آنکھیں اُن کی طرف سے بند کریں جن پر نظر ڈالنا حرام ہے اور دل کی آنکھ ماسوی اللہ کی طرف سے بند کرلیں"۔

(اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں) یعنی حرام کاری سے بچاتے رہیں۔۔یا۔۔چھپائیں اپنی شرم گاہیں ناف سے گھٹنے کے نیچے تک۔ **(یہ)** یعنی آنکھ بند کرنا اور فرج بچانا **(زیادہ پاکیزہ ہے اُن کے لیے)** اور بڑے ہی فائدے کی بات ہے اُن کے واسطے دُنیا اور آخرت میں۔ **(بے شک اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو بھی وہ کریں)**، خواہ حلال وحرام پر اُن کا نگاہ ڈالنا ہو۔۔یا۔۔ہاتھ پاؤں سے عبادت وگناہ کا کام کرنا ہو۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ

اور حکم دو ایمان والیوں کو کہ "وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں، اور نہ ظاہر کریں

زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا یُبْدِیْنَ

اپنی آرائش کو، مگر جو خود ظاہر ہے اور ڈال لیا کریں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر۔ اور نہ ظاہر کریں

زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ

اپنے بناؤ سنگار کو، مگر اپنے شوہروں کے لیے، یا اپنے باپ، یا خسر، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں، یا

بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ

اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں یا اپنے

مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ

دستِ ملکیت کی لونڈیوں یا نوکروں پر، جو ابھی جوان مَرد نہیں، یا بچوں پر،

الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ

جو ابھی نہیں جانتے عورتوں کی شرم کی چیزوں کو۔ اور نہ ماریں اپنے پاؤں،

مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا

تاکہ جان لیا جائے جو چھپائے ہیں اپنی آرائش۔" اور توبہ کرو اللہ سے سب کے سب

اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اَے ایمان والو، کہ تم اپنی مراد پاؤ●

(اور) یوں ہی اَے محبوب! (حکم دو ایمان والیوں کو، کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) اور نامحرم مَردوں کو نہ دیکھیں (اور) زنا سے (اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں)، بلکہ بدکاری کی تحریک پیدا کرنے والے اسباب سے بھی اپنے کو دُور رکھیں۔۔ چنانچہ۔۔ غیر معمولی احتیاط سے کام لیں (اور نہ ظاہر کریں اپنی آرائش کو) یعنی زیور، خوبصورت لباس اور رنگ وغیرہ سے اپنا سنگار کر کے کسی کے سامنے نہ آئیں (مگر جو خود ظاہر ہے) ان میں سے کام کرتے وقت، جیسے انگوٹھی اور کپڑے کے کنارے اور آنکھ کا سرمہ اور ہاتھ کا رنگ۔

بعضوں نے کہا کہ زینت سے زینت کے مقام مراد ہیں تو منہ اور ہتھیلیاں مستثنٰی ہیں۔

(اور ڈال لیا کریں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر)۔ یعنی اپنی گردن اوڑھنی سے چھپالیں، تاکہ اُن کے بال، کان، گردن اور سینے چھپے رہیں۔ (اور نہ ظاہر کریں اپنے بناؤ سنگار) کی جگہوں (کو)۔ یعنی سر، بازو، سینہ اور پنڈلی کو جو چھپکے، بازوبند، چنپاکلی اور پازیب کی جگہیں ہیں، اُن کو ظاہر نہ کریں، (مگر اپنے شوہروں کے لیے)۔ اس واسطے کہ سنگار انہیں کے واسطے ہے۔

(یا اپنے باپ) کے واسطے، اور دادا پردادا باپ کے حکم میں ہیں۔ (یا خسر) یعنی اپنے شوہروں کے باپوں کے واسطے کیونکہ وہ عورت کے واسطے باپ کے حکم میں ہیں۔ (یا اپنے بیٹوں) کے لیے۔ پوتے اور پوتوں کے بیٹے جتنے بھی ہوں سب بیٹوں کے حکم میں داخل ہیں۔ (یا اپنے شوہروں کے بیٹوں) کے لیے۔ اِس واسطے کہ یہ عورتوں کے واسطے بیٹوں کے حکم میں ہیں۔ (یا اپنے بھائیوں) کے لیے۔ (یا اپنے بھتیجوں) کے واسطے، اس لیے کہ وہ بھائیوں کا حکم رکھتے ہیں۔ (یا اپنے بھانجوں) کے لیے اور یہ سب ایک ایسی جماعت ہیں کہ اِن کے ساتھ عورت کا نکاح درست نہیں اور رضاعی محرموں میں بھی یہ حکم ثابت ہے۔

حق تعالیٰ نے چچاؤں اور ماموں کا ذکر نہ کیا اِس واسطے کہ وہ بھائیوں کے حکم میں ہیں۔
پھر بھی ایک قول کے مطابق احتیاط یہ ہے کہ زینت کی جگہیں چچا اور ماموں کے سامنے بھی عورت نہ کھولے، کہ شاید وہ اپنے بیٹوں کے سامنے تعریف کریں اور اِس سبب سے کوئی فتنہ پیدا ہو۔

(یا اپنی عورتوں) یعنی اپنی ہم عقیدہ ایمان والی عورتوں کے لیے۔۔ الغرض۔۔ یہودی، نصرانی، مجوسی، بت پرست عورتیں غیر مرد کا حکم رکھتی ہیں۔ اس واسطے مسلمان عورت کو اُن کے سامنے پوشیدہ

زینت ظاہر کرنا درست نہیں۔اس واسطے کہ دین کے حکم نے مسلمانوں اور کافروں میں آشنائی اور دوستی کی رسم مٹادی، اس لیے پاکدامن بی بیوں کو بدکار عورتوں کی ملاقات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

اِس مقام پر بعض مفسرین اِس بات پر ہیں کہ نِسَآئِهِنَّ کے لفظ سے سب عورتیں مراد ہیں ۔۔چنانچہ۔۔عورتوں میں کسی سے پرہیز کرنے کی ضرورت نہیں۔مذکورہ بالا اختلاف کی صورت میں مناسب راہ یہ نکلتی ہے، کہ بدکار، بدقماش اور علانیہ بے حیائی و بے شرمی کا مظاہرہ کرنے والی عورتوں سے مکمل پرہیز کیا جائے۔اور ان کے سوا عورتوں سے پرہیز کی ضرورت نہیں۔ جن عورتوں سے پرہیز کی ہدایت کی گئی ہے، اُن کے لیے بھی شدید ضرورت اور حاجت کی صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

(یا اپنے دستِ ملکیت کی لونڈیوں) پر اپنی زینت ظاہر کریں۔یعنی عورتیں اُن کے سامنے آنے سے پرہیز نہ کریں جو اُن کے ہاتھ کا مال ہوں۔وہ لونڈیاں خواہ ایمان والی ہوں خواہ کافرہ۔

۔۔یا یہ کہ۔۔وہ لونڈیاں عورتوں میں داخل ہیں اُن کو یہاں خاص طور پر ذکر کردیا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ اُس لونڈی سے بھی پرہیز لازم نہیں جو ایمان والی نہیں۔اِس مقام پر اہلِ تحقیق مفسرین کا یہ کہنا ہے، کہ یہ آیت کریمہ صرف لونڈیوں سے متعلق ہے اور غلاموں سے متعلق نہیں ہے۔اس واسطے کہ عورتیں اکثر لونڈیاں ہی مول لیتی ہیں غلام نہیں۔اور عورت کا غلام غیر مرد کے حکم میں ہے۔اُسے نہ اپنی مالک بی بیوں پر نظر ڈالنا درست اور نہ ہی ان کی زینت کی جگہوں میں سے کسی جگہ پر نظر ڈالنا صحیح ہے۔

ایک قول کی بنیاد پر آیتِ کریمہ لونڈی اور غلام دونوں کو شامل ہے۔اِس سلسلے میں بعض کا کہنا یہ ہے کہ اگر غلام نیک نیت اور پاکدامن ہو، تو وہ اپنی مالک بی بی پر نظر ڈال سکتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو، تو نہیں ڈال سکتا۔

(یا نوکروں پر جو بھی جوان مرد نہیں) یعنی وہ مرد جو کھانا مانگنے گھروں میں آتے ہیں اور عورتوں سے کچھ حاجت ہی نہیں رکھتے، یعنی اُن سے شہوت کا دغدغہ نہیں جیسے۔بہت بوڑھا۔۔اور۔۔نامرد۔۔یا ۔۔وہ احمق جو مباشرت سے بالکل خبر ہی نہیں رکھتا، اور اس کی نیت کھانے میں لگی رہتی ہے۔

ویسے اکثر ائمہ احناف اِس بات پر ہیں کہ ہیجڑے، زنانے، نامرد نگاہ ڈالنے کی حرمت میں غیر مَردوں کا حکم رکھتے ہیں۔اس واسطے کہ اِن کو مباشرت کی خواہش تو ہے، اگرچہ وہ اُس کی قوت نہیں رکھتے۔

(یا بچوں پر جو ابھی نہیں جانتے عورتوں کی شرم کی چیزوں کو) یعنی نہ اُن کو کچھ تمیز ہے نہ عورتوں کے ساتھ مباشرت کرنا جانتے ہیں۔۔الختصر۔۔ وہ ابھی بالغ ہی نہیں ہوئے اور نہ اُن میں شہوت پیدا ہوئی۔ (اور نہ ماریں) عورتیں (اپنے پاؤں) گھنگھرو پہنے ہوئے زمین پر چلتے وقت، (تا کہ جان لیا جائے جو چھپائے ہیں اپنی آرائش)، یعنی اپنا زیور کہ وہ پائل چھاگل پازیب ہے، یعنی اُن زیوروں کی آواز بھی مَردوں کے کان تک نہ پہنچا ئیں کہ آواز سن کر مَردوں کو اُن کی طرف رغبت ہو۔ (اور توبہ کرو اللہ) تعالیٰ (سے سب کے سب اَے ایمان والو) تا (کہ تم اپنی مراد پاؤ) توبہ کے سبب سے۔

حق تعالیٰ نے سب کو توبہ کا حکم فرمایا، اس واسطے کہ کوئی آدمی خطرے اور گناہ سے خالی نہیں۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ اُسے توبہ کی حاجت ہے جو اپنے کو توبہ کا محتاج نہیں جانتا۔ ذہن نشین رہے کہ حق تعالیٰ نے مطیع اور عاصی سب کو توبہ کا حکم اِس واسطے فرمایا کہ عاصی شرمندہ نہ ہو، اس لیے کہ اگر یوں فرماتا کہ ”اَے گنہگارو! تم توبہ کرو“ تو اُن کی رسوائی ہوتی۔ یہاں پر یہ اشارۂ رحمت ملتا ہے کہ حق تعالیٰ گناہ گاروں کی رسوائی جب دُنیا میں نہیں چاہتا، تو امید ہے کہ عقبیٰ میں بھی اُن کو رسوا نہ فرمائے گا۔

اِس سورت کو اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت وممانعت سے شروع فرمایا ہے اور زنا کا مقدمہ یہ ہے کہ مرد اجنبی عورت کی طرف دیکھے، اور عورت اجنبی مرد کی طرف دیکھے، اس لیے سابقہ آیات میں حق تعالیٰ نے دونوں کو ایک دوسرے پر قصداً نظر ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ اس مقام پر یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ عورتوں کے اعضاء دیکھنے کے چار قاعدے ہیں:

﴿۱﴾۔۔تمام اعضاء کو دیکھنا: جیسے شوہر اپنی زوجہ کے تمام اعضاء کو دیکھ سکتا ہے۔۔ہاں۔۔ زوجین کا آپس میں ایک دوسرے کی شرم گاہوں کو بلا وجہ دیکھنا مکروہ وناپسندیدہ ہے اِس سے بینائی بھی جا سکتی ہے۔ اور ایسے ہی اپنی لونڈی کو بھی دیکھ سکتا ہے۔

﴿۲﴾۔۔چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا: یہ بوقتِ ضرورت غیر محرم مرد کو دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ جانبین سے خطرۂ شہوت نہ ہو۔

﴿۳﴾۔۔سینہ، سر، پنڈلی کو دیکھنا۔ یہ محرم کے لیے ہے۔۔مثلاً: ماں، بہن، پھوپھی، خالہ، باپ کی زوجہ، بیٹے کی منکوحہ یعنی بہو، عورت کی ماں یعنی ساس۔ یہ رشتہ رضاع کے ہوں۔۔یا۔۔نسب کے ہوں۔

﴿۴﴾۔۔جب خطرہ ہو کہ عورت کے کسی عضو کو دیکھوں گا تو شہوت کا حملہ ہوگا، تو پھر ہر صورت میں ہر عضو کا دیکھنا حرام ہے۔

اِس سورت کے زیادہ تر احکام زنا اور اُس کے دواعی اور محرکات کے سد باب اور عفت و پاکیزگی اور پاک دامنی سے متعلق ہیں اور نکاح کرنا زنا کے سد باب کا ایک بہت قوی ذریعہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا

اور نکاح کردو اپنے نا کتخداؤں کا، اور لائق غلاموں اور باندیوں کا۔ اگر وہ نادار ہیں، تو

فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

اللہ غنی کردے گا انہیں اپنے فضل سے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

(اور) حکم دیا کہ (**نکاح کردو اپنے نا کتخداؤں کا**)۔ یعنی جس مرد کی جورو نہ ہو اُسے جورو والا کردو، اور جس عورت کے شوہر نہ ہو اُسے شوہر والا کردو۔ (**اور لائق غلاموں اور باندیوں کا**) بھی نکاح کردو۔

صالح کی تخصیص اُن کے اہتمام شان کے واسطے ہے اور اِس لیے ہے کہ نکاح کے سبب سے اپنی نیکی اور پاکی میں رہیں۔

(**اگر وہ**) عورتیں جو بے شوہر ہیں اور صالح لونڈی غلام (**نادار ہیں**) اور فقیر محتاج ہیں، (**تو اللہ**) تعالیٰ (**غنی کردے گا انہیں اپنے فضل سے**) بہ سبب صبر کے۔۔۔یا۔۔۔ بوجہ اجتماعِ روزی کے ایک گھر میں۔

جیسا کہ ارشادِ رسول ہے کہ "ایک آدمی کا کھانا کفایت کرتا ہے دو آدمیوں کو"۔ ہر ایک کا الگ الگ رزق ہوتا ہے، تو زوجین میں کس کو معلوم کہ کس کا رزق کتنا ہے؟ اِس صورت میں ایک کا رزق دوسرے کے لیے بھی کافی ہوسکتا ہے۔ اور یہ خدا ہی جانتا ہے کہ اُس نے کس کے لیے کتنا رزق مقدر فرمایا ہے۔

(**اور**) بے شک (**اللہ**) تعالیٰ (**وسعت والا**) ہے یعنی بڑی بخشش والا ہے اور فراخیٔ معاش وہی دیتا ہے اور (**علم والا ہے**)۔ یعنی جاننے والا ہے کہ کون کتنے رزق کا مستحق ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اُس کے استحقاق کے موافق اُسے روزی عنایت فرماتا ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ

اور پاکدامن رہیں جو نہ پائیں نکاح کی سکت، یہاں تک کہ غنی کردے انہیں اللہ اپنے فضل سے۔

وَالَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ

اور جو لوگ چاہیں تمہارے لونڈی غلاموں سے اپنے مال دینے کی شرط پر آزادی کی کوئی تحریر، تو لکھ کردے دو اگر تم نے جان لیا ہو

فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّ اٰتُوۡہُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ لَا تُکۡرِہُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ

اُن میں کوئی بھلائی۔ اور تم لوگ دے دیا کرو انہیں اللہ کے مال سے، جو اس نے دے رکھا ہے تمہیں۔ اور نہ مجبور کرو اپنی

عَلَی الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ

جوان لونڈیوں کو بدکاری پر، اگر وہ پاکبازی چاہیں، کہ تم چاہو دُنیاوی زندگی کی پونجی۔

وَ مَنۡ یُّکۡرِہۡہُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاہِہِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۳﴾

اور جو انہیں مجبور کرے گا، تو بے شک اللہ اُن کے مجبور کیے جانے کے بعد غفور رحیم ہے●

(اور) لازم ہے (پاکدامن رہیں) یعنی حرام سے الگ رہیں اور پرہیز گاری اختیار کریں وہ لوگ، (جو نہ پائیں نکاح کی سکت) یعنی مہر کی ادائیگی اور نان ونفقہ دینے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، (یہاں تک کہ غنی کردے انہیں اللہ) تعالیٰ (اپنے فضل سے) اور اپنے کرم کی زیادتی سے۔ اور پھر وہ اُن اسباب پر قادر ہوجائیں جس کے سبب سے ناکتخدا ہوسکیں۔

اوپر کے ارشاد میں غلاموں کا ذکر آ گیا، تو اُس کے تعلق سے آگے کے ارشاد سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ اسلام بنیادی طور پر غلامی پسند نہیں فرماتا۔۔ چنانچہ۔۔ اِس کو اُس نے بتدریج ختم کیا ہے۔ غلام کو آزاد کرنے پر دوزخ سے نجات کی بشارت دی ہے، قتلِ خطاء، ظہار، قسم توڑنے اور روزہ توڑنے کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

غلامی کو ختم کرنے کی ایک صورت یہ بھی ظاہر فرمادی، کہ غلام کو 'مکاتب' کردیا جائے۔ جس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے غلام سے کہے کہ تم۔۔ مثلاً: پانچ ہزار ۵۰۰۰ روپے مجھے لاکردو، تو تم آزاد ہو۔ اس فعل کو 'مکاتبت' کہتے ہیں اور اُس غلام کو 'مکاتب' کہتے ہیں۔ اب اِس غلام کے ذمہ یہ ہے، کہ وہ محنت ومزدوری کرے اور اپنے آقا کو وہ رقم لاکردے، تو وہ آزاد ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی مد میں ایک یہ شق بھی رکھی ہے کو غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں زکوٰۃ ادا کردی جائے، اور مسلم معاشرے میں مسلمان اپنے ایک غلام بھائی کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے رقم خرچ کریں۔ اور اِس اگلی آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اُس مال کو غلام آزاد کرنے میں خرچ کرو۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ الٰہی۔۔۔

(اور) فرمانِ خداوندی ہے کہ (جو لوگ چاہیں تمہارے لونڈی غلاموں سے اپنے مال دینے کی شرط پر آزادی کی کوئی تحریر، تو) تمہارے لیے مستحب یہی ہے کہ انہیں (لکھ کر دے دو)۔ یہی لکھ کر دینا 'مکاتبت' ہے۔ (اگر تم نے جان لیا ہو اُن میں کوئی بھلائی)۔ یعنی مکاتبت سے پہلے یہ دیکھ سمجھ لو کہ نیکی، صلاحیت اور امانت والا ہے۔۔یا۔۔کمائی کر کے اِس غلام میں مال ادا کرنے کی قوت ہے۔۔یا۔۔ یہ قسط ادا کرنے کے لیے بھیک نہیں مانگے گا، اس واسطے کہ یہ بات بہت مکروہ ہے کہ لونڈی غلام بھیک مانگ کر کتابت کا مال ادا کرے۔ (اور) یہ بھی کارِ خیر ہی ہے، کہ (تم لوگ دے دیا کرو اُنہیں اللہ تعالیٰ (کے مال سے جو اُس نے دے رکھا ہے تمہیں)۔ اپنی زکوٰۃ وغیرہ کی رقم سے اُس کی اعانت کرو، تا کہ وہ مالِ کتابت ادا کر کے مخلوق کے بندہ ہونے سے اپنی گلوخلاصی کرا سکے۔

اِسی سبب سے اِس کارِ خیر کو **فَكُّ رَقَبَةٍ** کہتے ہیں اور اِس کی بدولت عقوبت کی گھاٹی سے گزر جانا ممکن ہے۔ اسلام چونکہ شرم وحیا، عفت و پاکیزگی کا دین ہے، اس لیے اُس نے لونڈیوں اور باندیوں کی بھی عفت و پاکیزگی کے تحفظ کا بے حد پاس ولحاظ رکھا ہے۔ اِسی لیے دین اسلام کو نازل فرمانے والے حق تعالیٰ نے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے بے حیائی و بے شرمی کے کردار کو پسند نہیں فرمایا۔ وہ منافقین کا پیشوا چھ[٦] خوبصورت لونڈیاں رکھتا تھا اور زبردستی اُن سے زنا کروا کے اُس کی کمائی سے کچھ اُن سے لیا کرتا تھا۔

اُس کی اِس حرکت سے عاجز آ کر معاذہ اور مسیکہ نام کی دو لونڈیوں نے آپس میں کہا کہ یہ کام جو ہم کرتے ہیں، اگر بہتر ہے تو اب تک بہت کیا اب اِس سے کنارہ کشی کر لینا چاہیے۔ اور اگر بُرا ہے تو اب وقت یہ ہے کہ ہم اُسے ترک کریں۔ پھر دونوں نے جناب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر کیفیت عرض کی، تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، کہ مسلمانو! شرم وحیا سے کام لو (اور نہ مجبور کرو اپنی جوان لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکبازی چاہیں)۔

پاکبازی چاہنے کی قید اس لیے لگا دی ہے کہ جن باندیوں کی عرض پر یہ ارشاد ہوا ہے اُن کی حالت یہی تھی، کہ وہ پاکبازی کی خواستگار تھیں۔ تو پاکبازی کے ارادے کا ذکر اُن کے حال کے موافق ہے۔۔المختصر۔۔یہ کوئی احترازی قید نہیں ہے، کہ جو پاکبازی نہ چاہیں اُن کو بدکاری کی اجازت مل جائے، اور بدکاری کے لیے اُن پر جبر کیا جا سکے۔۔الحاصل۔۔کوئی باندی پاکبازی چاہے یا نہ چاہے، دونوں صورتوں میں بدکاری کے لیے اُس پر جبر کرنا منع ہے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔

کہ تم زبردستی نہ کرو اِس لیے (کہ تم چاہو دُنیاوی زندگی کی پونجی) اُن کی کمائی سے اور اُن کی اولاد سے۔ بطورِ زنا لڑکا پیدا ہوتا تو وہ سَو اونٹ دے کر وہ لڑکا لے لیتا۔ (اور) یاد رکھو کہ (جو انہیں مجبور کرے گا) زنا کے واسطے، (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (اُن کے مجبور کیے جانے کے بعد) یعنی بعد اِس کے کہ اُن کے آقا اُن پر جبر کریں (غفور) ہے۔ یعنی مجبور لونڈیوں کو بخش دینے والا ہے۔ اور (رحیم ہے) یعنی اُن پر مہربان ہے۔ اُس برے کام کا وبال جبر کرنے والے ہی پر ہے۔

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ

اور بے شک اتارا ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں، اور واقعے اُن کے، کہ تم سے پہلے ہو گزرے،

وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۴﴾

اور نصیحت ڈر جانے والوں کے لیے●

ع ۱۰

اَے محبوب! یہ ہمارا کرم (اور) فضل ہے کہ (بے شک اتارا ہم نے تمہاری طرف) حرام و حلال اور حدود و احکام کی (روشن آیتیں اور واقعے، اُن) لوگوں (کے) واقعات کی طرح جو (کہ تم سے پہلے ہو گزرے)۔ یعنی اَے محبوب! جو واقعات تمہیں پیش آئے، وہ اگلے لوگوں کے قصے کے مانند ہیں ۔۔ مثلاً: ام المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ تہمت واقع ہو جانے میں حضرت مریم علیہا السلام سے بہت مشابہت رکھتا ہے، اور بری الذمہ ہو جانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے مثل ہے۔ (اور) بھیجی ہم نے اُن آیتوں میں (نصیحت ڈر جانے والوں کے لیے) یعنی متقیوں کے لیے۔

متقیوں اور پرہیز گاروں کی تخصیص اس واسطے ہے کہ قرآنِ کریم کی نصیحتوں سے وہی
کما حقہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیاتِ بینات جو حق تعالیٰ نے ہمارے واسطے بیان
فرمائی ہیں، اور جو دُنیا و آخرت میں ہمارے ہی کام آنے والی ہیں، ہمیں وہ ساری چیزیں
خدا ہی کے سبب سوجھیں ۔۔ کیونکہ ۔۔

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق، اِس میں چراغ ہے۔ چراغ فانوس میں ہے۔ فانوس

فِىۡ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰـرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ

گویا ستارہ ہے موتی جیسا، روشن کیا جاتا ہے مبارک درخت زیتون سے،

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ

جو نہ پورب کا نہ پچھّم کا۔ اب اِس کا تیل روشن ہونے کو ہے، گو نہ چھوجائے اُسے آگ۔ نور بالائے نور۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ

اللہ اپنے نور کی راہ دے جسے چاہے۔ اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳۵

اور اللہ ہر موجود کو جاننے والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (نور ہے آسمانوں اور زمین کا)۔

ظاہر ہے کہ جب اندھیرا ہوتا ہے تو کوئی نہ ساکن کو جانتا ہے نہ متحرک کو، نہ اونچے کو پہچانتا ہے نہ نیچے کو، نہ اچھے کو تمیز کرتا ہے نہ بُرے کو۔ جب نور پھیلتا ہے تو اندھیرا دُور ہوجاتا ہے اور سب کیفیتیں کُھل جاتی ہیں۔ صاف اور میلے، اچھے اور بُرے، جوہر اور عرض میں تمیز ہوجاتی ہے۔ انسان یہ تو جانتا ہے کہ 'نور' کے سبب سے یہ سمجھ اور بوجھ آتی ہے، مگر 'نور' کو پہچاننے میں متحیر رہتا ہے۔ اِس واسطے کہ جانتا ہے کہ عالَم نور سے بھرا ہوا ہے اور نور پوشیدہ ہے۔ اُور چیزوں کا حال کھولنے کے سبب ظاہر ہے اور خود پوشیدہ ہے، تو حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کہ جس کی بدولت ہمیں ادراک کی دولت نصیب آئی اور چیزوں کی پہچان ہوئی، اِس بات کی سزاوار ہے کہ اُسے 'نور' کہیں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ 'نورِ حقیقی' حق تعالیٰ ہی کی ہستی ہے، کہ سب موجودات اُسی کے سبب سے ظاہر ہیں اور وہ سب سے پوشیدہ ہے۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انسان جو کچھ ادراک کرتا ہے تو پہلے ہستی ہی ادراک میں آتی ہے، اگرچہ وہ ادراک کے ادراک سے غافل ہو، اور وہ ہستی کمالِ ظہور کی وجہ سے مخفی رہتی ہے۔ جیسے رنگوں اور شکلوں کا ادراک اُس روشنی کے ادراک کے سبب سے ہے، جو انہیں گھیرے ہوئے ہے اور جس پر اِن رنگوں اور شکلوں کا دیکھنا موقوف ہے۔ اور باوصف اِس کے دیکھنے والا جب رنگوں اور شکلوں کو ادراک کرتا ہے تو روشنی کے ادراک سے غافل ہوتا ہے۔ اور جب روشنی غائب ہوجاتی ہے، تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ ان رنگوں اور شکلوں کے علاوہ اور کسی چیز کا بھی ادراک تھا کہ وہ روشنی ہے۔

اِسی طرح ہستی حقیقی کا نور جو روشنی اور رنگوں اور شکلوں اور دیکھنے والے اور سب موجوداتِ ذہنی وخارجی کو گھیرے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے، اور ہر چیز کا ادراک بے اُس نور کے

ادراک کے محال ہے۔ اگر چہ انسان اُس نور کے ادراک سے غافل ہے اور یہ غفلت بھی اِس سبب سے ہے کہ اُس نور کو ہمیشہ ظہور ہے۔ اگر یہ نور بھی اُس روشنی کی طرح غائب ہو جاتا، تو یہ بات ظاہر ہو جاتی کہ موجودات کو ادراک کرنے کے وقت اُور ایک امر بھی مدرک تھا، کہ وہ وجودِ حق تعالیٰ کا نور ہے۔

ذہن نشین رہے کہ خدا کی ہستی سب ہستیوں سے زیادہ ظاہر ہے، اِس واسطے کہ وہ آپ سے آپ ظاہر ہے اور سب ہستیوں کا ظہور اُسی کے سبب سے ہے۔ سب چیزیں اُس کی ہستی کے بغیر عدم محض ہیں اور سب ہستیوں کا ادراک اُسی سے پیدا ہوتا ہے۔ ادراک کرنے والے کی طرف سے اور اُس چیز کی جانب سے بھی جو ادراک میں آئی اور جو کچھ کوئی ادراک کرتا ہے، تو پہلے یہی ہستی ادراک میں آتی ہے، اگر چہ وہ اس ادراک کے ادراک سے غافل رہے اور شدتِ ظہور کی وجہ سے یہ ہستی مخفی معلوم ہوتی ہے۔ آیات زیرِ تفسیر کی مندرجہ ذیل توجیہیں بھی کی گئی ہیں۔

﴿١﴾۔۔ **نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ**: کا معنی یہ ہیں کہ اہلِ آسمان اور اہلِ زمین کی ہدایت کرنے والا۔ اِس واسطے کہ سب اُسی کی ہدایت سے اپنی ہستی کی طرف راہ پاتے ہیں اور اُسی کے راہ بتانے سے اپنے دین و دُنیا کی مصلحتیں پہچانتے ہیں۔

﴿٢﴾۔۔ **نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ**: یعنی سرور السمٰوات والارض، اِس واسطے کہ تاریکی میں رنج و ملال اور خوف و وحشت ہوتی ہے، اور جب کوئی تاریکی کی مصیبت سے روشنی کی راحت میں پہنچتا ہے، تو اُسے فرحت اور مسرت زیادہ ہوتی ہے۔

﴿٣﴾۔۔نور وہ ہے جو چیزوں کو روشن کر دے تا کہ وہ چیزیں نظر آئیں، اور چونکہ حق تعالیٰ نے ہمارے واسطے دو چیزیں بیان فرمائیں جو دُنیا و آخرت میں ہمارے کام آئیں اور ہمیں وہ چیزیں خدا ہی کے سبب سے سوجھیں، تو خدا کو 'نور' کہہ سکتے ہیں۔

﴿٤﴾۔۔ **نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ**: کا معنی ہے "ذو نور السمٰوات والارض"، یعنی آسمانوں اور زمین کا جو نور ہے حق تعالیٰ اُس نور کا خداوند ہے۔ مضاف محذوف ماننے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ نور مشہور کیفیت ہے، کہ باصرہ یعنی نگاہ پہلے اُسے پاتی ہے، اور اُس کے واسطے دوسری بار دیکھنے کی چیزوں کو ادراک کرتی ہے۔ جیسے وہ کیفیت جو آفتاب سے اُن کثیف چیزوں پر پڑتی ہے جو آفتاب کے محاذی واقع ہوں اور اِن معنوں میں 'نور' کا لفظ حق تعالیٰ کی نسبت بولنا درست نہیں۔ اور چونکہ اُس نے اپنا یہ نام رکھا، تو ایک مضاف مقدر ماننا ضروری

ہے۔اِسی سبب سے نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے، کہ آسمانوں اورزمین کا جونور ہے حق تعالیٰ اُس نور کا خداوند ہے۔۔یا۔۔نور ہے آسمانوں اورزمین کے رہنے والوں کا، یعنی عالَمِ ہستی کے اجزا جو کچھ بلندی اور پستی میں نور رکھتے ہیں ذاتی یا عرضی، سب اللہ تعالیٰ کے فیض کا عطیہ ہے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کو'نور' فرمایا، تو ہم اُسے 'نور' تو کہیں گے، مگر روشن نہ کہیں گے۔ اس لیے کہ روشنی تاریکی کی ضد ہے، اور حق تعالیٰ اِن دونوں ضدوں کا خالق ہے۔

﴿۵﴾۔۔'نور' کو 'تنویر' کے معنی میں لے لیا جس کا معنی ہے روشن ہونا اور روشن کرنا، اور 'تنویر' مصدر کو اسم فاعل یعنی 'منور' کے معنی میں لے لیا، تو اب نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کا معنی مُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ہوگیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اورزمین کو روشن فرمانے والا ہے۔ آسمانوں کو ملائکہ مقربین کے سبب سے روشن فرماتا ہے اور زمین کو انبیاء کرام کی بدولت نور عطا فرماتا ہے۔۔یا۔۔آسمانوں اورزمین میں جو رہنے والے ہیں اُن کے دلوں کو معرفت اور توحید کے نور سے روشنی بخشتا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔آراستہ کرنے والا ہے آسمان و زمین یعنی سارے جہان کا، اور دل کھول دینے والا ہے۔

بعض مفسرین آسمان اورزمین کی آرائش کے باب میں کہتے ہیں، کہ آسمان کو آراستہ کیا 'صوامع قدس' سے، کہ فرشتوں کی طاعت کے مکان ہیں اور زمین کو آراستہ کیا 'مساجدِ انس' سے، کہ اہلِ اسلام کے عبادت خانے ہیں۔۔یا۔۔آسمانوں کو آفتاب، ماہتاب اور ستاروں سے روشن کیا اور زمین کو انبیاء، علماء اور مؤمنین سے منور کردیا۔۔یا۔۔آسمان کو تسبیح وتقدیس کرنے والوں کی تسبیح وتقدیس سے روشن فرمادیا، اور زمین کو حاجیوں کے لبیک، موذنوں کی اذان اور غازیوں کے نعرۂ تکبیر سے منور کردیا۔۔یا۔۔آسمان کو 'بیت المعمور' سے اور زمین کو 'کعبہ سراپا سرور' سے تابناک کردیا۔

﴿۶﴾۔۔نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ : کا معنی مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ یعنی اہلِ آسمان اور اہلِ زمین کے امور جیسے چاہیے تھے ویسے ہی بنا کر اُس کی تدبیر میں ہے۔ اس لیے کہ جو جس قوم۔۔یا۔۔شہر کے کام انجام اور اُس کے مہم کی تدبیر کرے، اُسے عرب کے محاورے میں اُس قوم اور اُس شہر کا 'نور' کہا جاتا تھا۔ اِس تقدیر پر یہ معنی ہوئے، کہ وہی سب آسمان اور زمین والوں کے کام بناتا ہے اور سب کو جو کچھ اُن کے پاس ہے عطا کرکے خوش فرماتا ہے۔

﴿۷﴾۔۔ **نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** سے مراد **مَدْلُوْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ہے، اِس واسطے کہ اُس کی قدرت کے دلائل اور اس کی نعمت کے عجائب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، وہ اُس کی قدرت علم وحکمت پر کھلی ہوئی دلالت رکھتے ہیں۔

تو ہر چیز میں ایک نشانی اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ ایک ہے۔**(اُس کے) اُس (نور کی مثال)** جو اُس کی طرف منسوب ہے، اُس کی صفت یہ ہے **(جیسے ایک طاق)** مثل روشن دان کے، جو دیوار کے پار نہ ہو طاق کی طرح۔ **(اُس میں) جلتا ہوا ایک (چراغ ہے)** جو خوب روشن ہے۔ **(چراغ فانوس میں ہے)**۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ **مِشْکٰوۃ** لوہے کی چھوچھی یعنی لوہے کی نلکی ہے جو لالٹین کے بیچ میں ہوتی ہے، اور اِس قول کے موافق **مِصْبَاح** بتی ہوئی، جو اُس نلکی میں جلتی ہے۔ جلتی ہوئی بتی فانوس یعنی لالٹین میں ہے۔

اور وہ **(فانوس)** یعنی لالٹین نہایت صفائی اور لطافت کی وجہ سے **(گویا ستارہ ہے، موتی جیسا)** چمکتا ہے، جیسے زہرہ مشتری۔ وہ جلتی ہوئی بتی یعنی چراغ پہلے پہل **(روشن کیا جاتا ہے مبارک درخت)** کے تیل یعنی **(زیتون سے)**۔

زیتون کا درخت اِس لیے بابرکت ہے کہ یہ اوّلاً مقام مقدس میں اُگا ہوا ہے اور ستر ۷۰ پیغمبروں نے اِس کے حق میں دُعائے برکت کی ہے۔ اُن میں سے ایک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی ہیں۔ اِس کی تخصیص بھی اِسی لیے ہے کہ اِس کی روشنی بہ نسبت دوسرے درختوں کے تیل کے روشن وصاف ہوتی ہے۔

(جو نہ پورب کا نہ پچھم کا) بلکہ یہ جنتی درخت ہے جو جنت سے دُنیا میں اتارا گیا۔

تو یہ اپنی اصل کے لحاظ سے نہ دُنیا کے مشرقی شہروں کا ہے اور نہ ہی مغربی شہروں کا۔۔ چنانچہ۔۔ آج بھی وہ اِن کے درمیان کے ممالک میں پیدا ہوتا ہے جیسے علاقہ شام۔ اس لیے کہ اِس ملک کا زیتون اچھا ہوتا ہے۔۔ یا یہ کہ۔۔ یہ 'قبۃ الارض' کا درخت ہے، جو جملہ زمین آباد وغیر آباد کے وسط میں واقع ہے، اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے اور رات اور دن کے اوقات برابر ہوتے ہیں، یعنی اُس کا دن بھی بارہ ۱۲ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات بھی بارہ ۱۲ گھنٹے کی ہوتی ہے۔

۔۔ یا یہ کہ۔۔ یہ ایسا ہے کہ کسی وقت بھی اِس پر سورج کی دھوپ کا اثر نہیں پڑتا، جیسے کوئی

شے پہاڑ کی غار میں یا جنگل کی اُوٹ میں ہو۔ ایسے درخت کے میوے خوب پکتے ہیں اور اُس کا تیل صاف وشفاف ہوتا ہے۔۔یا۔۔اِس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر نہیں، کہ جسے دھوپ کی گرمی جَلا دے اور نہ ہی ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سورج کی گرمی کا اثر بھی نہ پڑتا ہو۔

۔۔المختصر۔۔نہ یہ آفتاب سے ملا ہوا ہے کہ جل جائے اور نہ ہی ہمیشہ سایہ میں رہتا ہے، کہ اُس کا میوہ کچّا رہے۔۔بلکہ۔آفتاب کی گرمی سے بھی بہرہ مند ہے اور سایہ کی پناہ میں بھی محفوظ ہے۔۔الحاصل۔۔زیتون کا درخت بہت بابرکت درخت ہے۔

(اب اُس کا تیل روشن ہونے کو ہے) یعنی اپنی ذات سے روشنی دینے والا ہے **(گو نہ چھوجائے اُسے آگ)** یعنی اُس میں ایسی چمک اور صفائی ہے کہ بے آگ روشنی دے، **(نور بالائے نور)** یعنی روشنی پر روشنی۔ یعنی زیتون کی صفائی بتی کی لَو سے ملی اور لالٹین کی لطافت مزید براں ہوئی اُس نلکی میں جو شعاعوں کو تھامے اور نوروں کو جمع کیے ہوئے ہے۔ **(اللہ) تعالیٰ (اپنے نور) معرفت (کی راہ دے جسے چاہے اور اللہ) تعالیٰ (مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے)** یعنی عقل میں آنے والی باتوں کو حواس میں آنے والی صورت پر بیان فرماتا ہے، تاکہ لوگ بآسانی اور جلدی سمجھ لیں اور بات کا مطلب اُن پر واضح ہوجائے۔ **(اور اللہ) تعالیٰ (ہر موجود کا جاننے والا ہے)** یعنی اللہ تعالیٰ جملہ معقولات و محسوسات کے دقائق۔۔نیز۔۔جلیات وخفیات کے حقائق کا جاننے والا ہے۔

آیتِ کریمہ میں جو تمثیل دی گئی ہے اُس کے تعلق سے علمائے مفسرین کی بہت ساری توجیہات منقول ہیں جن میں چند یہ ہیں۔

﴿۱﴾۔۔اِس 'نور' سے نورِ ایمان مراد ہے، کہ حق تعالیٰ نے مومن کے سینے کو اُس طاق سے تشبیہہ دی جس میں لالٹین روشن ہو، اور اُس کے دل کو لالٹین سے، کہ طاق سینہ میں ہے۔ اور ایمان کو شمع سے مثال دی کہ دل کی لالٹین میں روشن ہے۔ اور لالٹین کو 'روشن ستارہ' سے تشبیہہ دی۔ اور کلمہء اخلاص کو برکت والے درخت کے ساتھ، کہ آفتابِ خوف کی تابش اور سایۂ رجا کی ٹھنڈک سے بہرہ مند ہے، اور قریب ہے کہ کلمہ کا فیض بے اِس کے کہ مومن کی زبان پر آئے عالَم کو منور فرمائے۔ جب زبان پر اُس کا اقرار جاری ہوا اور دل میں اُس کی تصدیق اقرارِ زبانی کے ساتھ ملی، تو **نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ** ہوگیا۔

ذہن نشین رہے کہ 'نورِ ایمان' کو 'چراغ' سے تشبیہ اس واسطے دی کہ جس گھر میں چراغ

روشن ہوتا ہے چور اُس کے گرد نہیں جاتا۔ اِسی طرح جس دل میں 'نور ایمان' ہوتا ہے شیطان اُس کی راہ نہیں پاتا۔۔ یا یہ کہ۔۔ چراغ سے گھر کا اندر روشن ہوتا ہے اور روشندانوں سے اُس کا پرَتو باہر پڑتا ہے اور باہر کی طرف بھی روشنی ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح 'نورِ ایمان' دل کو روشن کرتا ہے اور وہاں سے حواسوں کے روشن دانوں میں 'معرفت' کی شعاعیں پڑتی ہیں اور اعضاء و جوارح پر طاعتوں کا نور ظاہر ہوتا ہے۔

اور مومن کے دل کو شیشہ سے اس لیے تشبیہ دی کہ اُسے ظلم کے پتھر سے نہ توڑیں، اس واسطے کہ ٹوٹا ہوا شیشہ جہاں لگ جاتا ہے کاٹ دیتا ہے، اور ٹوٹے ہوئے دل سے جہاں زخم لگا اُس کی کچھ دوا ہی نہیں۔

﴿۲﴾۔۔ بعضوں نے کہا کہ **نُوْر** اسرارِ الٰہی کی معرفت کا نور ہے، اور **زُجَاجَة** عارف کا دل اور **مِشْكٰوة** اُس کا سینہ ہے۔ اور زیتون سے وجودِ مبارکِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی 'چراغِ معرفت' عارف کے دل اور سینہ میں برکت، ہدایت اور تلقین حضرت محمد ﷺ سے روشن ہے، کہ وہ ذاتِ جامع الکمالات نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔۔ بلکہ۔۔ مکی ہے اور مکہ نافِ عالَم ہے۔ اور عارف جب وہ 'اسرار حضرتِ سیدِ ابرار کی تعلیم سے حاصل کرتا ہے، تو **نُوْرٌ عَلٰى نُوْر** کا بھید معلوم ہوتا ہے۔

﴿۳﴾۔۔ ایک قول یہ ہے کہ **نُوْر** قرآن ہے، اور مسلمان کا دل **زُجَاجَة** اور اُس کی زبان **مِشْكٰوة**، اور قرآن **مِصْبَاح** اور **شَجَرَة** وحیٔ حق تعالیٰ، کہ نہ پیدا کی گئی ہے اور نہ پیدا ہونے والی۔ قریب ہے کہ ابھی قرآن نہ پڑھا گیا اور اُس کی دلیلیں سب پر کھل گئیں، پھر جب اِس کی قرأت کریں تو **نُوْرٌ عَلٰى نُوْر** ہو جائے۔

﴿۴﴾۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ **نُوْر** نورِ محمدی ہے اور **مِشْكٰوة** حضرت آدم اور **زُجَاجَة** حضرت نوح اور **زَيْتُوْن** حضرت ابراہیم علیہم السلام، کہ نہ دین یہود کی طرف مائل ہیں کہ یہود نے جانب غرب کو قبلہ بنایا اور نہ ہی دین نصاریٰ کی جانب جو جانب مشرق متوجہ ہیں۔ اور **مِصْبَاح** ہمارے آنحضرت ﷺ۔۔ یا۔۔ **مِشْكٰوة** حضرت ابراہیم اور **زُجَاجَة** حضرت اسماعیل اور **مِصْبَاح** حضرت محمد ﷺ اور **شَجَرَة** 'شجرۂ نبوت' کہ نہ جھوٹ بات ہے اور نہ از قسم ہزلیات۔

۔۔یا۔۔ **مِشْكٰوة** حضرت سلطان الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کا سینہ کھلا ہوا، اور **زُجَاجَة** آپ کا دل پاک وصاف، اور **مِصْبَاح** آپ کا علم کامل اور **شَجَرَة** آپ کا خلق شامل کہ نہ

زیادتی اور افراط کی طرف مائل ہے اور نہ کمی اور تفریط کی جانب بلکہ طریقِ اعتدال پر ہے، کہ خَیرُ الاُمُورِ اَوسَطُھَا واقع ہوا اور صِرَاطِ السَّوِیِّ اُسی سے عبارت ہے۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ 'محبت حبیب کا نور'، 'خلتِ خلیل کے نور' کے ساتھ نُورٌ عَلٰی نُور ہے۔

اِس سے پہلی آیت میں جس طاق کا ذکر فرمایا ہے، کہ اُس میں ایک فانوس ہے جس میں ایک روشن چراغ ہے، اب اگلی آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ وہ طاق کہاں ہے؟۔۔۔

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ

اِن گھروں میں جن میں حکم دیا اللہ نے کہ بلند کی جائیں، اور اِن میں اُس کے نام کا چرچا کیا جائے، اُس کی تسبیح کرتے ہیں اِس میں صبح

وَ الۡاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ

وشام● ایسے مردمیدان، کہ نہ مشغول کرلیتی انہیں دکانداری اور نہ خرید وفروخت اللہ کو یاد کرنے سے، اور

الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿٭۳۷﴾

نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کے دینے سے، ڈرتے ہیں اُس دن کو، کہ الٹ پلٹ ہوجائیں گے جس میں دِل اور آنکھیں●

وہ طاق (اُن گھروں میں) ہے (جن میں حکم دیا اللہ) تعالیٰ (نے کہ بلند کی جائیں) اُن کی قدر تعظیم کے ساتھ، یعنی اُن کی قدر بلند اور مرتبہ بزرگ جانیں۔۔یا۔۔اُن گھروں میں تسبیح وتہلیل کی آوازیں بلند کریں۔۔یا۔۔اُن گھروں میں حق تعالیٰ کی طرف اپنے دستِ دُعا اٹھائیں اور حاجتیں مانگیں۔(اور اُن میں اُس کے نام کا چرچا کیا جائے)۔

۔یہاں گھروں سے مسجدیں مراد ہیں کہ سب مکانوں سے عالی قدر اور بزرگ مرتبہ ہیں۔ وہاں یادِ الٰہی اور نمازوں میں مشغول ہونا چاہیے اور دُنیا کے کلام اور بے معنی بات سے پرہیز کرنا چاہیے۔۔یا۔۔انبیاء علیہم السلام کے گھر مراد ہیں۔۔یا۔۔شہرِ مدینہ کے مکانات یا ازواجِ مطہرات کے حجرے۔۔یا۔۔گھروں سے وہ چار۴ گھر مراد ہیں جو حکمِ الٰہی کے موافق پیغمبروں کے ہاتھ سے تعمیر ہوئے۔ایک کعبہ شریف کہ حضرت ابراہیم کی کوشش اور حضرت اسماعیل کی مدد سے پورا ہوا۔دوسرا بیت المقدس کہ اُس کی بنیاد حضرت داوٗد علیہ السلام کے عہدِ خلافت میں رکھی گئی اور حضرت سلیمان کے زمانے میں اُس کی تعمیر مکمل ہوئی۔تیسری مسجدِ مدینہ اور چوتھی مسجد قبا کہ جناب سلطان الانبیاء کے ارشاد سے تعمیر ہوئیں۔

اُن مقدس مقامات میں ہر ایک کی شان یہ ہے، کہ (اُس کی تسبیح کرتے ہیں اُس میں صبح وشام

● ایسے مردمیدان) جو تسبیح کرنے والے اور نماز پڑھنے والے ہیں اور کمالِ استغراق کی وجہ سے 'مقامِ شہود' میں خدا کی طرف متوجہ رہنے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے (کہ) نہ تو وہ خود کسی غیر خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور (نہ) ہی ایسا ہوا کہ (مشغول کرلیتی انہیں دکانداری اور نہ) ہی (خرید وفروخت اللہ) تعالیٰ (کو یاد کرنے سے اور نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کے دینے سے)۔

اور ظاہر ہے کہ خرید وفروخت جو دُنیا کے بڑے شغل ہیں، جب وہ یادِ الٰہی سے انہیں نہیں مانع ہوئے، تو چھوٹے چھوٹے کام بطریق اولیٰ مانع نہ ہونگے۔۔الختصر۔۔اُن کا ظاہر تو خلق کے ساتھ ہے اور ان کا باطن اسماء اور صفاتِ الٰہی کے مشاہدے میں ہے۔۔الختصر۔۔آخرت کے فائدے کو دنیوی فائدوں پر ہر حال میں ترجیح دیتے ہیں اور ہر گھڑی خدا کی رضا وخوشنودی کے خواستگار رہتے ہیں۔ اِس توجہ و استغراق کے باوجود وہ (ڈرتے ہیں اُس دن کو کہ الٹ پلٹ ہوجائیں گے جس میں دل اور آنکھیں)۔ دِل ہول کے مارے متحیر ہوں گے، اور آرام کی صفت اضطراب سے بدل جائے گی، اور وہ ہر طرف دیکھیں گے کہ اُن کا نامہء اعمال کدھر سے اُن کے پاس پہنچتا ہے۔ان کے ڈرنے کی وجہ یہ ہے۔۔۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

تاکہ ثواب دے انہیں اللہ، اُن کے کیے سے زیادہ بہتر، اور زیادتی فرمائے اپنے فضل سے۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور اللہ روزی دے جسے چاہے اَن گنت ●

(تاکہ) اُن کے اِس خوف کی وجہ سے (ثواب دے اُنہیں اللہ) تعالیٰ (اُن کے کیے سے زیادہ بہتر) یعنی بہشت، جس کا اُن سے وعدہ ہے۔ (اور زیادتی فرمائے اپنے فضل سے)، یعنی انہیں ایسے عطیے مرحمت فرمائے جو اُن کے وہم وگمان سے بھی زیادہ ہوں۔ (اور) اِس میں کیا شک ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (روزی دے) دُنیا میں (جسے چاہے اَن گنت) یعنی بے حساب روزی دے اور اس کا حساب بھی نہ کرے، اور آخرت میں اِس سے بھی کہیں زیادہ روزی عطا فرمائے جو شمار میں نہ آسکے۔

اِس پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اعمال کی مثال بیان فرمائی تھی اور اس اگلی آیت میں کافروں کے اعمال کی مثال بیان فرمائی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ

اور جنہوں نے کفر کیا، اُن کا سب کیادھرا، جیسے چمکتی ریت چٹیل میدان کی، کہ خیال کرتا ہے پیاسا کہ پانی ہے، یہاں تک کہ جب آیا

لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

اُس کے پاس، تو نہ پایا اُسے کچھ، اور اللہ ہی کو وہاں پایا، تو اُس نے پورا پورا حساب کتاب کر دیا۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے●

(اور) فرمایا جارہا ہے (جنہوں نے کفر کیا) اور حق کو چھپایا اور اُس کے موافق نہ ہوئے (اُن کا سب کیادھرا) یعنی اُن کے وہ سارے اعمال جو بظاہر اچھے معلوم ہوں، جیسے رشتہ داروں سے میل رکھنا، لونڈی غلام آزاد کرنا اور فقیروں کو کھانا کھلانا، وغیرہ وغیرہ وہ سب ایسے ہی ہیں (جیسے چمکتی ریت چٹیل میدان کی) جسے سراب کہتے ہیں۔ آفتاب کی شعاع دوپہر کو برابر زمین پر پڑے اور اُس کی چمک موج مارتے ہوئے پانی کی طرح دکھائی دے، یہی سراب ہے۔ کیوں (کہ) اُس کو دیکھ کر (خیال کرتا ہے پیاسا کہ پانی ہے)، پھر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے (یہاں تک کہ جب آیا اِس کے پاس) پانی کا گمان کر کے، (تو نہ پایا اِسے) یعنی اپنے اُس گمان اور تصور کی ہوئی کو (کچھ) اپنے خیال کے مطابق۔ وہ تو پانی سمجھ کر وہاں آیا تھا مگر جب پہنچا، تو دیکھا کہ یہاں تو پانی کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔

اِسی طرح وہ کافر جو منکر قیامت نہیں ہے اور جو بظاہر اچھے کام کرتا ہے، وہ اِس گمان میں ہے کہ قیامت کے دن یہ ہمارے اپنے اچھے نظر آنے والے اعمال کا اچھا انجام اور اچھا صلہ ہم کو ملے گا، لیکن جب یہ وہاں پہنچا، تو صلہ (اور) انعام تو بڑی بات ہے اُس نے صرف (اللہ) تعالیٰ (ہی) کے غضب وجلال (کو وہاں پایا، تو اُس نے پورا پورا حساب کتاب کر دیا)۔ یعنی پوری دے گا اللہ تعالیٰ اُسے جزا اُس کے کام کی، حساب کے موافق۔۔ الختصر۔۔ دُنیا میں ایمان وتوحید اور اطاعتِ رسول سے انحراف اور کفر وشرک کے ارتکاب کی پوری پوری سزا اُسے مل جائے گی۔ (اور اللہ) تعالیٰ (جلد حساب کرنے والا ہے) اور ایک کا حساب اُسے دوسرے کے حساب سے باز نہ رکھے گا۔

اپنے مذکورہ بالا ارشاد میں مثال دی اللہ نے کافروں کے اعمال کو چمکتی ریت کے ساتھ جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے، اور کافروں کو پیاسوں کے ساتھ۔ تو جس طرح پیاسا چمکتی ریت سے ناامید ہوا ہو، تو پیاس کی شدت اور زیادہ ہوتی ہے۔ کافر جو اپنے اعمال کے ثواب کی امید رکھتے ہیں جب وہ امید پوری نہ ہوگی، تو اُن کی حسرت زیادہ ہوگی۔ کافروں کے عمل کی اب دوسری تمثیل بیان کی جارہی ہے۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ

یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈ والے دریا میں، جسے ڈھانپے ہے موج، اُس کے اوپر پھر موج، اُس کے اوپر بادل۔

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَاؕ

تاریکیاں ہیں ایک پر ایک۔ جہاں اپنا ہاتھ نکالا، تو دیکھ نہ پایا۔

وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۠ ﴿۴۰﴾

اور جس کے لیے اللہ نے نور نہ رکھا، تو اُس کے لیے کوئی نور ہی نہیں●

(یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈ والے دریا میں) یعنی 'دریائے عمیق' میں، (جسے ڈھانپے ہے موج، اُس کے اوپر پھر موج، اُس کے اوپر بادل)۔۔الغرض۔۔(تاریکیاں ہیں ایک پر ایک)۔ایک تو دریا کی تاریکی، اُس پر اوّل موج کی تاریکی، اُس پر دوسری موج کی تاریکی، اور اُس پر بادل جو تاروں کی روشنی چھپائے ہیں۔تاریکی کی شدت کا عالَم یہ ہے، کہ (جہاں اپنا ہاتھ نکالا)۔۔۔

اِسی لیے کہ ہاتھ ہی ہے جو بہ نسبت تمام اعضاء کے آنکھ سے قریب ہے، تو اُس کو دیکھنا چاہا۔۔۔

(تو) گھٹاٹوپ اندھیرے کی وجہ سے اُسے (دیکھ نہ پایا)۔۔المختصر۔۔آدمی کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا اور نہ قریب ہے کہ نظر آئے۔

یہ دوسری تمثیل ہے۔ظلمات تو اِس کے تاریک عمل ہیں، اور دریائے عمیق اُس کا دل ہے، اور موج وہ جہل اور شرک ہے، جو اِس کے دل کو چھپالیتا ہے، اور اُس پر بیکسی کا ابر۔تو کافر کا کام اور بات ظلمات ہے، اور اِس کا آنا جانا ظلمت ہے، اور قیامت کے دن اُس کا رجوع بھی ظلمت کی طرف ہے۔اِس مقام پر جان لو۔۔۔

(اور) یاد رکھو کہ (جس کے لیے اللہ) تعالیٰ (نے) قسمتِ ازلی میں (نور نہ رکھا، تو اُس کے لیے کوئی نور ہی نہیں)۔۔الحاصل۔۔مومن کے واسطے نور پر نور ہے اور کافر کے واسطے ظلمتوں پر ظلمتیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍؕ

کیا تم نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں آسمانوں والے، اور زمین والے، اور پرندے اُڑتے ہوئے۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

سب جانکار ہیں اپنی نماز و تسبیح کے۔اور اللہ کو علم ہے جو سب کرتے ہیں●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کے انوار اور کفار اور جاہلوں کے قلوب کی ظلمات کا بیان فرمایا تھا، اور اب اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت اور توحید کے دلائل بیان فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔فرماتا ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

(کیا تم نے نہیں دیکھا) یعنی کیا تم نے نہیں جانا۔

اس لیے کہ جن امور کا ذکر آگے آرہا ہے اُن کا تعلق علم وعقل سے ہے، نہ کہ ظاہر حواس سے۔اِس کلام میں نبی کریم کے توسط سے سارے انسانوں سے خطاب ہے اور یہ استفہام تقریری ہے اور "کیا آپ کو نہیں معلوم" سے مراد یہ ہے کہ یہ بات آپ کو معلوم ہے۔

(کہ اللہ) تعالیٰ **(کی تسبیح کرتے ہیں آسمانوں والے اور زمین والے)** یعنی جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب عبادتِ خداوندی اور تسبیحِ ربانی میں لگے ہوئے ہیں اور زبانِ قال سے۔۔یا۔۔دلالتِ حال سے سب خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ **(اور پرند اڑتے ہوئے)** یعنی چڑیاں بھی اُس کی تسبیح کرتی ہیں جب پر کھولے قطار باندھے اڑتی ہیں۔

چڑیوں کو خاص کرکے بیان فرمانا اس لیے ہے کہ وہ زمین وآسمان کے درمیان میں ہیں ۔۔یا۔۔خدا کی صنعت کی دلیلیں اُن میں بہت کھلی ہوئی ہیں۔ اِس واسطے کہ بھاری جسم جو اپنی اصل میں مرکز یعنی نیچے کی طرف مائل ہیں، اُن کو محیط یعنی اوپر کی طرف میل کرنے کی قوت اور ہوا میں ٹھہرنے کی قدرت عطا فرمانا اور غول باندھنے میں باوصف اس کے کہ اُن کے بازوؤں میں سمٹنے کی بھی قوت ہے، پھیلانے کا طریقہ انہیں الہام فرمانا کمالِ قدرتِ صانع پر یقینی دلیل ہے۔

۔۔الختصر۔۔ ہر ایک اہل آسمان اور اہلِ زمین۔۔یا۔۔چڑیاں۔۔یا۔۔سب کے **(سب جانکار ہیں اپنی نماز وتسبیح کے)** یعنی اپنی دُعا اور تنزیہہ کے۔۔یا۔۔خدا کی دُعا اور تسبیح کے۔۔یا۔۔خدا جانتا ہے سب کی نماز اور نیاز کو۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(کو علم ہے جو سب کرتے ہیں)** یعنی وہ سب کی طاعت وعبادت سے باخبر ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

اور اللہ ہی کی ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی۔اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ **(ہی کی ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی)** یعنی آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی

اُسی کے لیے ہے، اِس واسطے کہ اِن سب کا خالق وہی ہے۔(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف) سب کو (لوٹنا ہے)، یعنی اللہ کی طرف ہی سب کی بازگشت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ

کیاتم نے نہ دیکھا؟ کہ اللہ حرکت دیتا ہے بادل کو، پھر اکٹھا کرتا ہے اِن سب کو، پھر کرتا ہے اُنہیں تہہ پر تہہ،

يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ

تو دیکھتے ہو کہ قطرہ نکلتا ہے اُس کے اندر سے۔اور اتارتا ہے آسمان کی طرف سے اِن کے پہاڑوں سے اولے،

مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝۴۳

پھر بہاتا ہے جس پر چاہے، اور روک دیتا ہے جس سے چاہے، اُس کی بجلی کی چمک، لے ہی جانے کو ہے آنکھیں●

اَے محبوب! (کیاتم نے نہ دیکھا کہ اللہ) تعالیٰ (حرکت دیتا ہے بادل کو) اور اٹھاتا ہے اُسے ٹکڑے ٹکڑے، (پھر اکٹھا کرتا ہے اُن سب کو) یعنی بعض کو بعض سے ملا دیتا ہے، (پھر کرتا ہے اُنہیں تہہ پر تہہ) یعنی تلے اوپر جما ہوا، (تو پھر دیکھتے ہو) مینھ کو (کہ قطرہ نکلتا ہے اُس کے اندر سے) یعنی اُس کے درمیان سے۔(اور اُتارتا ہے آسمان کی طرف سے اُن کے پہاڑوں سے اولے) جو اُن میں ہیں، یعنی ابر کے بڑے بڑے ٹکڑے جو پہاڑوں کے برابر ہیں۔۔الغرض۔۔ برساتا ہے اُس اولے میں سے جو ابَر میں ہے۔

(پھر بہاتا ہے) اُس اولے سے حاصل پانی کو (جس پر چاہے)۔یعنی جس کے کھیت اور باغ میں بہانا چاہے۔(اور روک دیتا ہے جس سے چاہے)، یعنی جس سے چاہے اُن کو پھیر دیتا ہے ۔۔یا۔۔ بارش تو برساتا ہے مگر باغ وغیرہ کو ثمر بار نہیں ہونے دیتا اور انہیں میووں سے اور پھلوں سے محروم رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کیسا قادرِ مطلق ہے اور اُس کی قدرتِ کاملہ کی کیا شان ہے، کہ ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کر دیتا ہے، اور سخت ٹھنڈے طبقے میں آگ پیدا کر دیتا ہے۔اور پانی برسانے والے ابر سے آگ کا شعلہ نکالتا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔(اُس کی بجلی کی چمک لے ہی جانے کو ہیں آنکھیں) یعنی بجلی کی چمک کی تیزی سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور بعض اوقات بینائی زائل ہو جاتی ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

الٹتا پلٹتا ہے اللہ رات اور دن کو، بے شک اس میں درس ہے آنکھ والوں کے لیے●

(الٹتا پلٹتا ہے اللہ) تعالیٰ **(رات اور دن کو)** یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کو لاتا ہے۔کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں داخل کر لیتا ہے اور کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کر دیتا ہے، اور کبھی اُن کے موسم کو سرد کر دیتا ہے اور کبھی اُن کے موسم کو گرم کر دیتا ہے۔ **(بے شک اِس میں)** یعنی یہ جو مذکور ہوا اِس میں **(درس ہے آنکھ والوں کے لیے)**۔

یعنی دن اور رات کے اِس توارد میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی توحید پر نشانیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کامل ہونے اور ہر چیز کو اُس کے علم کے محیط ہونے اور اُس کے احکام کے نافذ ہونے اور تمام نظام کائنات کے اُس کی قدرت اور مشیت کے تابع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔آگے مخلوقات کے تنوع سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال فرمایا جارہا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اللہ نے پیدا فرمایا ہر چلتے جاندار کو پانی سے،تو کوئی ہے کہ پیٹ کے بل چلتا ہے۔اور کوئی

مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ

چلتا ہے دو پایوں پر۔اور کوئی چلتا ہے چار پر۔اللہ پیدا فرمائے جو چاہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اور) ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(نے پیدا فرمایا ہر چلتے جاندار کو)** مخصوص **(پانی)**، یعنی نطفے **(سے)**۔

اِس میں تغلیباً اکثر جانوروں پر تمام جانوروں کا حکم لگادیا ہے، کیونکہ بعض حیوانات نطفے سے پیدا نہیں ہوتے۔جنات و ملائکہ اِس حکم میں داخل نہیں، کیونکہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی سے، حضرت حواء حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفخ جبرائیل سے پیدا کیے گئے۔

(تو) اِن میں **(کوئی ہے کہ جو پیٹ کے بل چلتا ہے)** جیسے سانپ اور حشر الارض جو پیٹ کے بل رینگنے والے ہیں، **(اور کوئی چلتا ہے دو پایوں پر)** جیسے انسان اور پرندے **(اور کوئی چلتا ہے**

چار پر) جیسے چرندے، درندے اور چوپائے اور جن کی ٹانگیں چار سے زیادہ ہوتی ہیں جیسے مکڑیاں، وہ بھی اِن ہی میں داخل ہیں۔ اور (اللہ) تعالیٰ (پیدا فرمائے جو چاہے) یعنی اللہ تعالیٰ مختلف صورت اور شکل اور مختلف اعضاء اور حرکات اور افعال اور مختلف خواص کی مخلوقات پیدا فرماتا ہے، حالانکہ اِن سب کو ایک ہی عنصر سے پیدا فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے اور اُس کی صفت کے کمال پر دلالت کرتا ہے، اور (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ آسمان اور زمین میں کوئی چیز اُس کو عاجز کرنے والی نہیں۔ جو چیز وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے اور جو چیز وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔

آگے ہر چاہے پر قدرت والا ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

بے شک اتارا ہم نے روشن آیتوں کو۔ اور اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہے، راہِ راست کی●

(بے شک اتارا ہم نے روشن آیتوں کو)، یعنی ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جو واحد خالق پر تفصیل اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں، جو اِس تمام نظامِ کائنات کو صرف اپنی تدبیر سے چلا رہا ہے۔ اِن آیتوں میں دُنیا اور دین کی رشد اور فلاح کا وضاحت سے بیان ہے اور بُرے کاموں سے نفس کی آلودگی کی تطہیر کی، اور نیک کاموں سے نفس کو مزین کرنے کی مکمل ہدایت ہے۔ پھر جو شخص نیکی اور صلاحیت کو اپنائے اور ایمان اور تقویٰ کے حصول کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس میں یہ اوصاف پیدا فرما دیتا ہے، اور جو بُرائی کا ارادہ کرتا ہے اُس میں اللہ تعالیٰ بُرائی پیدا فرما دیتا ہے۔ (اور) اِنہی آیات میں غور وفکر کرنے کے سبب سے (اللہ) تعالیٰ (راہ دیتا ہے جسے چاہے راہِ راست کی)، یعنی سیدھی ٹھیک راہ کی طرف اور وہ جنت کی راہ ہے۔

بشر منافق اور ایک یہودی میں جھگڑا پڑا۔ یہودی بولا "آؤ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محکمہ میں اپنا فیصلہ کرائیں"۔ منافق کہنے لگا کہ "کعب بن اشرف کے سامنے یہ مقدمہ پیش کریں،" تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔۔۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور کہہ تو دیتے ہیں کہ "ہم مان گئے اللہ اور رسول کو،" اور حکم مانا، پھر کچھ ان میں سے پھر جاتے ہیں

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اس کے بعد۔ اور وہ ماننے والے ہی نہیں ہیں●

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جب بُلائے گئے اللہ ورسول کی طرف، کہ فیصلہ کردیں اِن کا اُس وقت، اِن میں سے کچھ بے رخی کرنے والے ہیں ●

(اور) یہ منافق لوگ **(کہہ تو دیتے ہیں کہ ہم مان گئے اللہ)** تعالیٰ **(اور)** اُس کے **(رسول کو اور حکم مانا)** یعنی ہم نے دونوں کی فرمانبرداری کی، **(پھر کچھ اِن میں سے پھر جاتے ہیں)** اور حکم ماننے سے انکار کرتے ہیں **(اِس کے)** یعنی ایمان واطاعت کے اقرار کرچکنے کے **(بعد۔اور)** حقیقت یہ ہے کہ **(وہ)** یعنی اِس گروہ کے لوگ **(ماننے والے ہی نہیں ہیں)** یعنی دل سے ایمان والے نہیں ہیں۔۔یا ۔۔ایمان پر ثابت نہیں ہیں۔

شانِ نزول کے تعلق سے ایک روایت یہ بھی ہے، کہ حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور مغیرہ بن وائل میں پانی اور زمین کی بابت جھگڑا پڑا تھا۔ ہر چند حضرت علی نے چاہا کہ اُسے رسولِ مقبول کی خدمت میں لائیں، مگر یہ بات ممکن نہ ہوئی۔ مغیرہ بولا کہ وہ تمہارا حق ثابت کریں گے، اس واسطے کہ اُن کے چچازاد بھائی ہو۔ اور اصل بات یہ ہے کہ وہ ملعون جانتا تھا کہ معاملے میں حضرت علی کا حق ہے، اور رسولِ مقبول حق والے کے حق ہی میں فیصلہ فرمائیں گے۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ منافق لوگ ایمان اور فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں اور پھر خدا اور سول کے حکم سے انکار کرتے ہیں۔

(اور) اُن کا حال یہ ہے کہ **(جب بُلائے گئے اللہ)** تعالیٰ **(ورسول کی طرف)** تا **(کہ فیصلہ کردیں)** پیغمبر درستی کے ساتھ **(اُن کا اُس وقت)**، تو **(اُن میں سے)** بشر اور مغیرہ جیسے **(کچھ)** لوگ **(بے رخی کرنے والے ہیں)** اور محکمۂ عالیہ نبویہ سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ یہ ہمیشہ اُس صورت میں ہوتا تھا جب وہ جانتے تھے کہ وہ حق نہیں۔۔لہٰذا۔۔بارگاہِ رسول سے اُن کے حق میں فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

وَاِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ﴿۴۹﴾

اور اگر ہو اِن کے حق میں فیصلہ، تو آئیں اُس کی طرف یقین مانتے ●

(اور اگر) یہ صورتِ حال **(ہو)** کہ وہ اپنے معاملے میں صحیح اور حق ہوں اور برحق ہونے کی وجہ سے **(اُن کے حق میں فیصلہ)** ہو، **(تو)** ایسی صورت میں وہ **(آئیں)** گے **(اُس کی طرف یقین مانتے)** ۔۔الحتصر۔۔اگر جانیں کہ انہیں کا حق ثابت ہوگا، تو فرمانبردار و مطیع ہیں اور اگر معلوم ہو کہ دوسرے کا حق ثابت ہوگا، تو منکر ہیں۔ آخر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟۔۔۔

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ

کیااِن کے دلوں میں بیماری ہے؟ یاشک کر رکھا ہے، یاڈرتے ہیں کہ زیادتی کریں گے اِن پراللہ

وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

ورسول۔ بلکہ خود وہی اندھیر مچانے والے ہیں●

(کیااُن کے دلوں میں) کفر وظلم کی طرف میلان کی **(بیماری ہے؟ یاشک کر رکھا ہے)** پیغمبر کی نسبت۔ اور اُن سے کوئی ناانصافی دیکھی ہے کہ اُن پر اعتماد باقی نہیں رہا، **(یاڈرتے ہیں کہ زیادتی کریں گے اُن پر اللہ)** تعالیٰ **(ورسول)**۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن پر ظلم وزیادتی کا حکم فرمائے گا اور رسول اُس حکم کو نافذ فرمانے کا ارادہ فرمائے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خدا اور رسول ظالم نہیں، **(بلکہ خود وہی اندھیر مچانے والے ہیں)** اور ظلم کرنے والے ہیں دوسرے فریق پر، جس کی حق تلفی چاہتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ظلم کرنے والے ہیں اپنی جانوں پر اپنے انکار کے سبب سے۔۔۔یا۔۔۔خدا اور رسول کے حکم سے خود کو باز رکھ کر۔ اِن منافقین کے برخلاف۔۔۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ

مسلمانوں کی بات تو بس یہ ہے، کہ جب بھی بلائے گئے اللہ اور رسول کی طرف،

اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

تاکہ وہ رسول فیصلہ فرمادیں اُن میں، تو عرض کریں کہ سن لیا اور کہا مان لیا۔ وہی کامیاب ہیں●

(مسلمانوں کی بات تو بس یہ ہے، کہ جب بھی بُلائے گئے اللہ) تعالیٰ کی کتاب **(اور)** اُس کے **(رسول کی طرف، تاکہ وہ رسول فیصلہ فرمادیں)** اور حکم کردیں **(اُن میں)** اُن کے درمیان جھگڑے کے وقت، **(تو)** اُن کا طرزِ عمل یہی رہا، کہ **(عرض کریں کہ سن لیا)** آپ کا کلام **(اور کہا مان لیا)**۔ یعنی ہم آپ کے حکم کے فرمانبردار ہیں۔ **(وہی)** لوگ جو ایسا کہتے ہیں **(کامیاب ہیں)**۔ یعنی عذابِ ربانی کے درکوں سے چھٹکارا پانے والے ہیں اور رضائے سبحانی کے درجوں پر پہنچنے والے ہیں۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو کہا مانے اللہ اور اس کے رسول کا، اور ڈرے اللہ کو، اور خوف رکھے اس کا، تو وہی کامیاب ہیں●

(اور جو کہا مانے اللہ) تعالیٰ کا فرائض میں، **(اور اُس کے رسول کا)**، یعنی اُس کے رسول کی

اطاعت کرے سنتوں میں۔یا۔ ہر ایک بات میں جو وہ فرمائیں، (اور ڈرے اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی عذابِ الٰہی سے گزرے ہوئے گناہوں پر، (اور خوف رکھے اُس کا) یعنی اُس کے غضب کا اور گناہ نہ کرے آئندہ، (تو وہی) گروہ والے (کامیاب ہیں) یعنی مُراد کو پہنچنے والے ہیں جنت کی نعمتوں کے ساتھ۔

ایک بادشاہ نے علماء سے التماس کیا کہ ایک آیت ایسی بتایئے کہ اُس پر عمل کرنا کافی ہو، اور پھر دوسری آیت کی احتیاج باقی نہ رہے۔تو علماء نے اِسی آیت پر اتفاق کیا، اِس واسطے کہ فوز وفلاح کا حصول سوا فرمانبرداری اور خوف اور پرہیز گاری کے متصور ہی نہیں۔

منافقین بھی عجیب تھے کہ اپنی واضح منافقانہ سرشت کو صرفِ نظر کر کے بک گئے۔۔۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۚ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ

اور وہ لوگ قسم کھا گئے اللہ کی، بڑے زور کی قسم کہ "اگر آپ نے حکم دیا انہیں تو ضرور لڑنے کو نکل پڑیں گے۔" کہہ دو کہ "قسمیں نہ کھاؤ،

طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

کہا مان لینا ہی اصل نیکی ہے، بے شک اللہ باخبر ہے جو تم کرو گے"●

(اور وہ لوگ قسم کھا گئے اللہ) تعالیٰ (کی بڑے زور کی قسم)، یعنی بہت سخت اپنی قسموں سے کہ وہ ایسے فرمانبردار ہیں کہ اِس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ کہہ پڑے (کہ) اَے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (اگر آپ نے حکم دیا اُنہیں تو ضرور لڑنے کو نکل پڑیں گے) اور اپنا گھربار مال ومتاع سب چھوڑ دیں گے، اور نکلنے میں وہ لحظہ بھر کے لیے توقف نہ کریں گے۔

اَے محبوب! اُن سے (کہہ دو کہ قسمیں نہ کھاؤ)۔جھوٹی قسم کھانا کوئی نیکی نہیں۔ہم تم سے جھوٹی قسم نہیں چاہتے، بلکہ تم سے مقصود فرمانبرداری ہے، کیونکہ (کہا مان لینا ہی اصل نیکی ہے)۔کوئی اِس خیال میں نہ رہے کہ خدا اِس کے دلی خیالات سے بے خبر ہے۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو تم کرو گے)۔تمہارا نفاق اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔تو اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ

حکم دے دو کہ "کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا۔" پھر بھی اگر بے رخی کی، تو رسول پر ذمہ داری وہی ہے جو اُن کے اوپر لگائی گئی ہے،

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۚ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

اور تم لوگوں پر وہ بوجھ ہے جو تم پر لادا گیا ہے۔اور اگر اُن کا کہا مانو، تو راہ پا جاؤ۔اور رسول پر

اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۵۴﴾

ذمہ داری صرف علانیہ تبلیغ کی ہے●

(حکم دے دو کہ کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا) خلوصِ نیت کے ساتھ، (اور کہا مانو) اُس کے (رسول کا) صاف دلی کے ساتھ۔ (پھر بھی اگر بے رخی کی، تو رسول پر ذمہ داری وہی ہے جو اِن کے اوپر لگائی گئی ہے) یعنی احکام کی تبلیغ (اور تم لوگوں پر وہ بوجھ ہے جو تم پر لادا گیا ہے) یعنی اطاعت وفرمانبرداری۔ (اور) یہ حقیقت ہے کہ (اگر اِن کا کہا مانو) گے (تو راہ پاجاؤ) گے۔ (اور رسول پر ذمہ داری صرف علانیہ تبلیغ کی ہے) جس سے وہ عہدہ برا ہو چکے۔ اب جو تمہاری ذمہ داری ہے یعنی رسول کے احکام کو مان لینا اور اِن کی پر خلوص اطاعت کرنا، اُسی کا پورا ہونا باقی رہ گیا ہے۔

غریب مہاجرین جنہوں نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں انصار کے گھروں میں قیام کیا اور اکثر قبائلِ عرب جو مکہ اور مدینہ میں تھے، قریش اُن سے مل کر ان غریبوں کے ساتھ لڑنے کو متفق ہوئے، اور دن رات دھمکیاں دیتے اور سخت پیغام کہلا بھیجتے تھے۔ وہ غریب مہاجر اکثر ہتھیار اپنے پاس رکھتے اور خوف و ہراس میں بسر کرتے۔ ایک دن آپس میں کہنے لگے، کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ہم لوگ اپنے کو مطمئن اور بے خوف دیکھیں اور فراغت سے خیر و عافیت کے ساتھ بیٹھیں۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور وعدہ کر کے قسم ارشاد فرمائی، کہ۔۔۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ

وعدہ فرمالیا اللہ نے اُن سے، جو تم میں سے ایمان لا چکے اور لیاقت والے کام کیے، کہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں،

كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى

جس طرح حکومت دی تھی انہیں، جو ان سے پہلے ہوئے، اور ضرور جمادے گا ان کے لیے اس دین کو، جس کو

ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ

پسند فرمالیا اِن کے لیے، اور ضرور بدلے میں دے گا اِن کے خوف کے امن کو۔ کہ مجھ کو پوجتے رہیں اور نہ شریک بنائیں میرا

بِىۡ شَيۡـئًـا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰ لِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾

کسی چیز کو۔ اور جس نے ناشکری کی اِس کے بعد، تو وہ نافرمان ہیں●

(وعدہ فرمالیا اللہ) تعالیٰ (نے اُن سے جو تم میں سے ایمان لا چکے اور لیاقت والے کام کیے)

یعنی مہاجرین سے، (کہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں) کافروں کی سرزمین پر عرب وعجم میں، (جس طرح حکومت دی تھی اُنہیں جو اِن سے پہلے ہوئے)، یعنی بنی اسرائیل کہ اُنہیں مصراور شام کی زمین عطافرمائی، یہاں تک کہ اُنہوں نے وہاں ایسا تصرف کیا جیسا بادشاہ اپنے ملکوں میں کرتے ہیں۔

تھوڑی ہی مدت میں مومنین مہاجرین سے اپنا وعدہ وفا کیا۔عرب کے جزیرے اور کسریٰ کے شہراور روم کے شہرانہیں عطافرمائے، اور امید ہے کہ حکم **لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** کے موافق تمام مشارق اور مغارب کے اطراف واکناف ملازمانِ شرع نبوی اور متابعانِ احکامِ مصطفوی کی تسخیر وتصرف میں آجائیں۔یہ آیت اعجازِ قرآن اور صحتِ نبوت اور خلفائے راشدین کی خلافت پردلیل ہے۔آگے فرمایا کہ۔۔۔

(اورضرور جمادے گا اِن کے لیے اِس دین کوجس کو پسند فرمالیا اِن کے لیے)، یعنی دینِ اسلام کوسب دینوں پر غالب کردے گا۔اور دینِ اسلام کی حقانیت اور اِس کے سواسارے دینوں کے بطلان کودلیل وبرُہان کی زبردست استدلالی قوت کے ساتھ ظاہر فرمادے گا۔(اورضرور بدلے میں دے گا اِن کے خوف کے امن کو)۔یعنی اِن کے دلوں سے خوف زائل فرمادے گا اور اُس کی جگہ اِنہیں امن وسکون اور اطمینان وچین مرحمت فرمائے گا۔

زمانہء خلافت میں اِن کی یہ شان رہے گی (کہ مجھ کو پوجتے رہیں) گے (اور نہ شریک بنائیں) گے (میرا کسی چیز کو)۔یعنی جاہ ودولت، اختیار وقدرت، اِنہیں توحید اور عبادت سے باز نہ رکھے گی۔ (اور جس نے ناشکری کی اِس کے بعد) یعنی یہ وعدہ سچ ہونے کے بعد، (تو وہ) ناشکرا گروہ (نافرمان ہیں)۔تو اَے ایمان والو! اپنے کو نافرمانی سے بازرکھو۔۔۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور پابندی رکھونماز کی، اور دیتے رہوزکوٰۃ کو، اور کہامانورسول کا، کہ تم رحم کیے جاؤ●

(اور پابندی رکھونماز کی اور دیتے رہوزکوٰۃ کواور کہامانورسول کا)، یعنی رسولِ کریم جو کچھ حکم فرمائیں اُن کی فرمانبرداری کرو، تا (کہ تم رحم کیے جاؤ) اور تم پر فضلِ الٰہی کا نزول ہوتا رہے۔

آگے خطاب کاروئے سخن پیغمبر کے توسط سے امتیوں کی طرف ہے۔۔چنانچہ۔۔فرمایا جاتا ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ‌ ؕ

اِس کا خیال بھی نہ کرنا کہ جنھوں نے کفر کیا، ہم سے بھاگ نکلیں گے زمین میں۔ اوراُن کا ٹھکانا تو ہے آگ،

وَلَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۵۷﴾

اور واقع میں کتنا بُرا ٹھکانا ہے●

(اِس کا خیال بھی نہ کرنا کہ جنھوں نے کفر کیا ہم سے بھاگ نکلیں گے زمین میں)۔ تو نہ تو یہ خدا کو عذاب دینے سے عاجز کر سکتے ہیں، اور نہ ہی اِس کا عذاب اپنے سے دُور کر سکیں گے۔ (اور اِن کا ٹھکانہ تو ہے) دوزخ کی (آگ، اور واقع میں کتنا بُرا ٹھکانہ ہے) اور کتنی خراب بازگشت ہے۔

نماز وزکوٰۃ جو اہم ترین فرائض سے ہیں اُن کے ذکر کے بعد چند اُن احکام کی وضاحت کی جارہی ہے جو تہذیبی ومعاشرتی اور اخلاقی اقدار پر مشتمل ہیں، جن کا پاس ولحاظ رکھنا ایک مومن کامل کے لیے ضروری اور اطاعتِ رسول کے حکم کی تعمیل بھی ہے۔۔ تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِيَسۡتَاۡذِنۡكُمُ الَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ وَالَّذِيۡنَ لَمۡ يَبۡلُغُوا

اَے مسلمانو! اجازت لے لیا کریں گھر میں آنے کی جو تمہارے دستِ ملکیت میں ہیں، اور جو بھی بالغ نہیں

الۡحُلُمَ مِنۡكُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ‌ ؕ مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ

ہوئے تم میں سے، تین موقع پر۔ نمازِ فجر سے پہلے، اور جب کہ اتار کر

ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ‌ ۚ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّـكُمۡ‌ ؕ

رکھ دیتے ہو تم اپنے کپڑوں کو دوپہر کا وقت، اور نماز عشاء کے بعد۔۔ یہ تین شرم کے اوقات ہیں۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ وَلَا عَلَيۡهِمۡ جُنَاحٌۢ بَعۡدَهُنَّ‌ ؕ طَوّٰفُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ بَعۡضُكُمۡ

نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی الزام ہے اِن وقتوں کے بعد۔ آنے جانے والے ایک دوسرے

عَلٰى بَعۡضٍ‌ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۵۸﴾

کے پاس۔ اِس طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے آیتیں۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اَے مسلمانو! اجازت لے لیا کریں گھر میں آنے کی جو تمہارے دستِ ملکیت میں ہیں) یعنی غلام۔۔ یا۔۔ لونڈی غلام سب، (اور) وہ لڑکے بھی (جو ابھی بالغ نہیں ہوئے) یعنی سن بلوغ کو نہیں پہنچے (تم میں سے) یعنی تمہاری قوم سے۔۔ الغرض۔۔ غلام اور لڑکوں کو چاہیے کہ تمہارے گھروں

میں آنے کے واسطے پہلے اجازت چاہیں، (تین موقع پر) دن رات میں۔ایک تو (نمازِ فجر سے پہلے) کیونکہ سونے کے بعد آدمی اٹھ کر چاہتا ہے کہ خلوت کے کپڑے اتارے اور لوگوں سے ملاقات کرنے کا کپڑا پہنے۔(اور) دوسری بار اُس وقت (جب کہ اُتار کے رکھ دیتے ہو تم اپنے کپڑوں کو) یعنی (دوپہر کا وقت)۔(اور) تیسری بار (نمازِ عشاء کے بعد) کیونکہ وہ کپڑے اتار کر بچھونے پر لیٹنے کا وقت ہے۔

(یہ تین شرم کے اوقات ہیں)، تو پردے کے اِن تین وقتوں کو نگاہ میں رکھو۔اور جان لو کہ (نہ تم پر اور نہ) ہی (اُن پر) یعنی غلاموں اور لڑکوں پر، (کوئی الزام ہے اِن وقتوں کے بعد آنے جانے والے ایک دوسرے کے پاس)۔یعنی تمہارے غلام جو تمہارے پاس تمہارے کام سے برابر آنے جانے والے اور تمہارا چکر لگانے والے ہیں، تو اُن کو ہر وقت اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں۔۔الختصر۔۔بعض تم میں سے بعض پر، یعنی مملوک لوگ آقاؤں کے کام پر آتے ہی رہتے ہیں۔تو اُنہیں اِس کی اجازت ہے۔

(اِس طرح بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے لیے آیتیں) یعنی حق بات کی دلیلیں اور شرع کے احکام، (اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے۔۔چنانچہ۔۔وہ بندوں کی مصلحتیں جانتا ہے، اور (حکمت والا ہے) یعنی مراسم آداب کی رعایت کا حکم کرنے والا ہے۔

اِس آیتِ کریمہ کو بعض علماء نے منسوخ قرار دیا ہے، لیکن محکم ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے اِن لوگوں کے جواب میں فرمایا ہے کہ خدا کی قسم یہ آیت منسوخ نہیں، مگر لوگ اس حکم کی تعمیل میں سستی کرتے ہیں۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ

اور جب پہنچ چکیں تمہارے بچے بلوغ کو، تو انہیں بھی اجازت مانگنی چاہیے، جس طرح اجازت مانگا اُن سے عمر کے پہلوں

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

نے۔اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے ●

(اور جب پہنچ چکیں تمہارے بچے بلوغ کو)۔

یعنی اُنہیں احتلام ہونے لگے، مراد یہ ہے کہ جوان ہو جائیں، کیونکہ احتلام جوانی کی کھلی دلیل ہے، تو جب بچے اِس عمر کو پہنچ جائیں۔۔۔

(تو انہیں بھی) ہر وقت (اجازت مانگنی چاہیے جس طرح اجازت مانگا اِن سے عمر کے پہلوں

نے)۔یعنی وہ لوگ جو بالغ ہوں اُن سے پہلے ۔۔الختصر۔۔اجازت مانگنے میں اِن کا وہی حکم ہے جواُور سب مَردوں کا ہے۔یعنی جب آزاد لڑکا بالغ ہو جائے ،تو وہ کسی شخص اور اُس کی بیوی کے یہاں کسی بھی وقت بغیر اجازت کے داخل نہ ہواور جس طرح اُور مرد گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں، وہ بھی اجازت طلب کرے۔جس طرح یہ حکم بیان کیا ہے (اِسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے لیے اپنی آیتوں کواور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے۔وہ تمہارے احوال خوب جانتا ہے اور (حکمت والا ہے)،یعنی حکم کرنے والا ہے حکمت کے ساتھ شریعت کی طرحیں اور وضعیں مُعیَّن کرنے میں۔

اِن دونوں اسماءِ الٰہیہ کا اِن دونوں آیتوں کے اخیر میں مکرر لانا مبالغہ اور تاکید کی جہت سے ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ

اور بیٹھ جانے والی بوڑھی عورتیں ،جنہیں نہیں رہ گئی امید نکاح کی ،تو اُن پر

جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ

کچھ الزام نہیں ، کہ رکھ دیا کریں اپنے اوپری کپڑے ،بغیر مقامِ زینت کو دکھلاتے ۔

وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

اور اِس سے بھی بچنا زیادہ بہتر ہے اُن کے لیے ۔اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور) گھر (بیٹھ جانے والی بوڑھی عورتیں جنہیں نہیں رہ گئی امید) اپنے (نکاح کی)،یعنی انہیں یہ آرزو نہیں کہ اُن سے کوئی نکاح کرے ،اس وجہ سے کہ وہ بوڑھی ہیں ۔اُن کا حیض آنا بند ہو گیا ہے اور وہ بچے پیدا نہیں کرسکتیں ،اور اُن کو دیکھنے والے کے دل میں اُن کی طرف ہلکی سی رغبت پیدا نہ ہو سکے ، بلکہ بڑھاپے کی وجہ سے گھن آئے ،(تو اُن پر کچھ الزام نہیں کہ رکھ دیا کریں اپنے اوپری کپڑے) جیسے چادر اور اوڑھنی ،(بغیر مقامِ زینت کو دکھلاتے)۔یعنی چادر اُتارنے سے سر ،گردن ،کان اور بال کھولنا مقصود نہ ہو۔(اور اِس سے بھی بچنا زیادہ بہتر ہے اُن کے لیے)اور تہمت سے بہت بعید ہے۔

اِس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے۔عورت کا پورا جسم سوا چہرے، ہاتھوں اور پیروں کے 'واجب ستر' ہے۔اور اُس کے سر کے بالوں کا بھی ستر واجب ہے۔اور

چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو چادر سے ڈھانپنا حجاب ہے۔ اس لیے بوڑھی عورت کے لیے چادر کا اتارنا اور چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو کھولنا جائز ہے، لیکن سر کے بالوں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ بوڑھی عورت ستر میں جوان عورت کے مثل ہے۔ وہ گھر میں قمیص پہنے اور دوپٹہ اوڑھے، اور اوپر اوڑھنے والی چادر اتار سکتی ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے مَردوں کے ساتھ اُن کی باتیں، اور (جاننے والا ہے) اُن کی باتوں کا مطلب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ" تو مسلمانوں نے بیماروں، اپاہجوں، اندھوں اور لنگڑوں کے ساتھ کھانے میں حرج سمجھا اور اُنہوں نے کہا، کہ ہمارا تو سب سے افضل مال، کھانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے 'ناحق' مال کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور اندھا کھاتے وقت یہ نہیں دیکھ سکتا کہ پلیٹ میں اچھا طعام۔۔مثلاً: بوٹیاں اور انڈے وغیرہ کس جگہ رکھے ہیں، اور لنگڑا پوری طرح بیٹھنے پر قادر نہیں اور وہ صحیح طرح نہیں کھا سکتا، اور بیمار آدمی کمزوری کی وجہ سے اچھی طرح نہیں کھا سکتا، اس لیے وہ اِن معذوروں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھنے لگے۔

۔۔یوں ہی۔۔لنگڑے، اندھے اور بیمار، تندرستوں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھتے تھے، کیونکہ لوگوں کو اُن سے گھن آتی تھی اور وہ اُن کے ساتھ کھانا کھانے میں کراہت محسوس کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اندھا بعض اوقات زیادہ کھا جاتا ہے اور لنگڑا زیادہ جگہ گھیر کر بیٹھتا ہے۔ ایسے ہی مسلمان جب کسی غزوہ میں جاتے، تو بیماروں اور اپاہجوں کو اپنے گھروں میں چھوڑ جاتے، اور اپنے گھروں کی چابیاں اُنہیں دے دیتے تھے، اور وہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارے لیے اِن کے گھروں سے کھانا پینا حلال نہیں ہے اور اِس میں حرج سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب کہ وہ لوگ غائب ہیں، تو ہمیں اِن کے گھروں سے کھانا پینا جائز نہیں ہے۔ اِن تمام لوگوں کے خیالات کی اصلاح کے لیے ارشادِ ربانی ہوا کہ۔۔۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

نہ اندھے پر الزام، اور نہ لنگڑے پر جرم۔ اور نہ بیمار کی

حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ

پکڑ۔ اور نہ تم سب پر، کہ کھا لو اپنوں کے گھر، یا اپنے باپ دادا کے گھر،

اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ

یا اپنی ماں کے گھر، یا اپنے بھائیوں کے گھر، یا اپنی بہنوں کے گھر، یا اپنے چچاؤں کے گھر،

اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

یا اپنی پھوپھیوں کے گھر، یا اپنے ماموؤں کے گھر، یا اپنی خالاؤں کے گھر، یا جس گھر

مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ

کی کنجیاں ملکیت میں ہوں، یا اپنے دوست کے یہاں۔ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ جمع ہو کر کھاؤ یا الگ الگ۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً

تو جب جانا چاہا کسی گھر میں، تو سلام کر دو اپنے لوگوں پر، دُعائے ملاقات، مبارک و پاکیزہ کرتے ہوئے اللہ سے۔

طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ع ﴿۶۱﴾

اِس طرح سے بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے آیتیں، کہ عقل سے کام لو●

(نہ اندھے پر الزام اور نہ لنگڑے پر جرم اور نہ بیمار کی پکڑ اور نہ تم سب پر) کوئی حرج (کہ کھالو اپنوں کے گھر)۔ اپنے گھروں کے کھانوں میں سے جن میں تمہارے اہل وعیال ہیں۔ اور بیٹوں کے گھر بھی اس میں داخل ہیں۔

اِس حدیث کے حکم سے کہ "تُو اور تیرا مال تیرے باپ کے واسطے ہے"۔ اور صحیح یہ ہے کہ بہت پاکیزہ وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی میں سے کھائے، اور بیٹا بھی اُسی کی کمائی میں سے ہے، تو بیٹے کا مال باپ کے لیے حلال طیب ہے۔

(یا اپنے باپ دادا کے گھر) سے، (یا اپنی ماں کے گھر) سے، (یا اپنے بھائیوں کے گھر) سے، (یا اپنی بہنوں کے گھر) سے، (یا اپنے چچاؤں کے گھر) سے، (یا اپنی پھوپھیوں کے گھر) سے، (یا اپنے ماموؤں کے گھر) سے، (یا اپنی خالاؤں کے گھر) سے، (یا جس گھر کی کنجیاں ملکیت میں ہوں)، یعنی جن گھروں کے نقد وجنس کے تم مالک ہوئے۔

یہ خطاب وکیلوں اور تحویلداروں سے ہے، اور بعضوں نے کہا کہ اِن گھروں سے لونڈی غلاموں کے گھر مراد ہیں۔ ذہن نشین رہے کہ لونڈی غلام اور اولاد کے گھروں کے سوا کھانا

ع ۱۴

کھانے میں گھر والے کی رضامندی شرط ہے۔

(یا اپنے دوست کے یہاں) اُس کی رضامندی سے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر دلی دوست ہو، تو کھانا کھانے سے وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ "جب کوئی اپنے دوست سے کہے کہ اپنے مال میں سے مجھ کو کچھ عطا کر! اور وہ دوست پوچھے کہ کس قدر؟ تو وہ دوستی کے قابل نہیں۔ یعنی اُس دوست کو چاہیے جو کچھ اِس کے پاس ہے اپنے حاجتمند دوست کے سامنے رکھ دے۔ اور یہ پوچھنے سے درگزرے کہ کس قدر؟ اور کیونکر؟ اِس واسطے کہ دوست جانی مالِ فانی سے بہتر ہے"۔

خیال رہے کہ یہ اُن دوستوں کا ذکر ہے جن کی دوستی خالصاً لوجہ اللہ ہو اور جو اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے پیکر ہوں۔ روایت ہے کہ بنی لیث بن عمرو کے لوگ تنہا کھانا کھانا حرام جانتے تھے، اور صبح سے شام تک خوان چنے ہوئے مہمان کا انتظار کیا کرتے۔ جب ایک تہائی رات جاتی اور کوئی مہمان نہ آتا، تو کچھ کھا لیتے۔۔یا۔۔ انصار میں سے ایک گروہ کا حال یہ تھا، کہ اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے، اور بے مہمان ہرگز کھانا نہ کھاتے۔۔یا۔۔ ایک گروہ کے لوگ جو دسترخوان پر جمع ہو کر کھانا کھانے سے پرہیز کرتے۔ اِن سب کی ہدایت کے لیے ارشادِ ربانی ہوا، کہ۔۔۔

(تم پر کوئی گناہ نہیں کہ جمع ہو کر کھاؤ یا الگ الگ)۔ دونوں طرح سے کھانے کی تمہیں اجازت ہے، اکٹھا ہو کر کھاؤ۔۔یا۔۔ تنہا تنہا کھاؤ۔ یہ خیال رہے کہ جن گھروں میں تمہارے جانے کی اجازت ہے، **(تو جب)** تم نے **(جانا چاہا)** اُن میں سے **(کسی گھر میں)**، یا اپنے گھروں میں۔۔یا۔۔ خالی مکانوں میں۔۔یا۔۔ مسجدوں میں، **(تو سلام کرو اپنے)** دین والے **(لوگوں پر)** اور کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِن رَّبِّنَا وَعِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔

بہر تقدیر سلام کرنا چاہیے **(دُعائے ملاقات)** کے طور پر **(مبارک و پاکیزہ کرتے ہوئے اللہ)** تعالیٰ **(سے)**۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اچھی دُعا کرو، کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔ جس طرح سلام کا بیان فرمایا **(اِس طرح سے بیان فرماتا ہے اللہ)** تعالیٰ **(تمہارے لیے آیتیں)** یعنی اپنی حکمت کی نشانیاں، تا **(کہ)** تم **(عقل سے کام لو)** اور پھر حق اور ثواب کی راہ دریافت کرلو اور ایمانی اور اسلامی شان کا مظاہرہ کرو۔ اور سن لو کہ۔۔۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ

مسلمان تو وہی ہیں جو مان گئے اللہ اور اس کے رسول کو، اور جب ہوں رسول کے ساتھ کسی کام میں،

لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ

جس نے اکٹھا سب کو کیا ہو، تو پھر نہ گئے یہاں تک کہ رسول سے اجازت لے لی۔ بے شک جو اجازت لیتے ہیں تم سے،

یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ

وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو۔ تو جب اجازت مانگ لی تم سے اپنی کسی بات کی، تو اجازت دے دو انہیں

لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾

جسے چاہو، اور اللہ کی مغفرت چاہو ان کے لیے، بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(**مسلمان تو وہی ہیں جو مان گئے اللہ**) تعالیٰ (**اور اُس کے رسول کو، اور**) جن کی شان یہ ہے کہ (**جب ہوں رسول کے ساتھ کسی کام میں جس نے اکٹھا سب کو کیا ہو**)۔ یعنی ایسی کسی مہم پر کہ شرع کی رُو سے اُن کو اُس میں جمع ہونا چاہیے، جیسے جمعے، عیدین، جہاد، مشورے اور نمازِ استسقا۔ الغرض۔۔ ان نیک کاموں کے لیے جمع ہوئے، (**تو پھر نہ گئے یہاں تک کہ رسول سے اجازت لے لی**) اور آپ نے اجازت عطا فرما دی۔ تو اَے محبوب! (**بے شک جو اجازت لیتے ہیں تم سے وہی ہیں جو**) صدقِ دل سے (**مانتے ہیں اللہ**) تعالیٰ (**اور اُس کے رسول کو۔ تو جب اجازت مانگ لی تم سے اپنی کسی بات کی، تو اجازت دے دو انہیں جسے چاہو**)، یعنی جو کھلا ہوا عذر رکھتا ہو۔

اِس ارشادِ مذکورہ بالا میں منافقوں کے اُس گروہ پر طعن اور تعریض ہے جس نے جنگِ تبوک سے پھر جانے کی اجازت مانگی اور اُن کی شان میں آیت نازل ہوئی، کہ اَے محبوب! "یہ تم سے اجازت مانگنے والے وہ ہیں جو اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتے"۔ آیت زیرِ تفسیر میں جس اجازت کا ذکر ہے اُس کا تعلق مومنین مخلصین کی اجازت طلبی سے ہے، جنہوں نے عذرِ صحیح کی بنیاد پر اجازتیں طلب کیں، تو حکمِ الٰہی ہے، کہ اَے محبوب! آپ اُن کو اجازت مرحمت فرما دو۔۔۔

(**اور**) باوصف اجازت دینے کے (**اللہ**) تعالیٰ (**کی مغفرت چاہو اُن کے لیے**)، اس لیے کہ ضرورتِ دین پر دُنیا کے کام مقدم کرنا اگر چہ عذر کے سبب سے ہو، تو بھی خلل سے خالی نہیں، اور گویا کہ جماعت سے نکل جانے کے باعث گنہگار ہیں، تو تم اِن کے لیے مغفرت چاہو۔ (**بے شک**

اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے اور بندوں کی تقصیریں بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے کہ اُن پر تکلیف میں تخفیف فرماتا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

نہ قرار دو رسول کی پکار کو، باہم جیسے ایک دوسرے کو تمہارا پکارنا ہے، بے شک اللہ جانتا ہے انہیں، جو کھسک نکلتے ہیں

يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

تمہارے مجمع سے آڑ لے کر۔ تو ڈرتے ہی رہیں جو مخالفت کریں حکم رسول سے، کہ پہنچا چاہتا ہے اُن تک

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

کوئی فتنہ، اور پہنچ کے رہے گا انہیں دکھ والا عذاب●

اور (نہ قرار دو رسول کی پکار کو باہم جیسے ایک دوسرے کو تمہارا پکارنا ہے)۔ یعنی تم جو ایک دوسرے کو پکارتے ہو اُس پکارنے پر رسول کے پکارنے کو بھی قیاس کر کے منہ پھیر سکو۔۔یا۔۔ جواب میں سستی کر سکو، اس واسطے کہ رسول کا حکم بجالانے میں جلدی کرنا واجب ولازم ہے۔ اور اُن کے اذن کے بغیر مراجعت حرام اور نادرست ہے۔۔یا۔۔ اپنے اوپر رسول کی دُعائے ہلاکت۔۔یا۔۔ اپنے حق میں اُن کی دُعائے خیر کو ویسی دُعا نہ جانو جیسی دُعا تم ایک دوسرے کے حق میں کرتے ہو، اس لیے کہ رسول کی دُعا بے شک قبول ہے خدا کی درگاہ میں۔۔یا۔۔ تم رسول کو اِس طرح نہ پکارا کرو جس طرح ایک دوسرے کو فقط نام لے کر پکارتے ہو۔۔ بلکہ۔۔ چاہیے کہ تعظیم کے ساتھ پکارا کرو، جیسے کہ یا رسول اللہ۔۔ یا نبی اللہ۔۔ یا حبیب اللہ، وغیرہ۔

اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام کو قرآن میں نام لے کر پکارا اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بزرگی کے ساتھ خطاب کیا۔ منافقین کی بھی عجیب روش تھی کہ جب رسولِ مقبول خطبہ پڑھتے، تو منافق تنگ آ کر ایک دوسرے کی آڑ ہو جاتے اور مسجد کے باہر چل دیتے، تو اُن کے لیے یہ آیت نازل فرمائی گئی، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے اُنہیں جو کھسک نکلتے ہیں تمہارے مجمع سے آڑ لے کر، تو) چاہیے کہ (ڈرتے ہی رہیں) وہ لوگ (جو مخالفت کریں حکم رسول سے کہ پہنچا چاہتا ہے اُن تک کوئی فتنہ)، یعنی کوئی آزمائش حق تعالیٰ کی طرف سے۔۔ مثلاً: گمراہی۔۔یا۔۔ جان مال اولاد میں تکلیف۔۔یا

۔۔ظالم بادشاہ کا تسلط ۔۔یا۔۔دل پر غفلت طاری ہونا۔۔یا۔۔توبہ کا رد ہونا۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ 'فتنہ' دل کی سختی ہے اور معرفتِ الٰہی سے دِل کا اثر نہ قبول کرنا۔

(اور) بصورتِ دیگر (پہنچ کے رہے گا اُنہیں دکھ والا عذاب) آخرت میں۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قَدۡ يَعۡلَمُ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ ؕ وَيَوۡمَ

اچھی طرح سمجھ لو، کہ بلاشبہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ جانتا ہے جس پر تم ہو۔ اور اس دن کو

يُرۡجَعُوۡنَ اِلَيۡهِ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۶۴﴾

ع ۹ ۔ ۱۵

کہ لوگ لوٹائے جائیں گے اُس کی طرف، تو بتادے گا انہیں، جو کر رکھا ہے۔ اور اللہ ہر علم کا علیم ہے●

(اچھی طرح سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی سب اُسی کی ملک ہیں اور وہی سب کا مالک ہے، اس واسطے کہ سب کا خالق وہی ہے۔ اور (وہ جانتا ہے) وہ بات (جس پر تم ہو) اَے مکلّف لوگو! موافقت اور مخالفت، نفاق اور اخلاص، طاعت اور معصیت، یا جس صفت پر تم ہو۔ (اور) جانتا ہے (اُس دن کو کہ لوگ لوٹائے جائیں گے اُس کی طرف، تو بتادے گا انہیں جو کر رکھا ہے)۔ یعنی منافقوں کو اُن کے برے کاموں سے آگاہ فرمادے گا اور اُنہیں اُس کی سزا دے گا۔ (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (ہر علم کا)، ہر اس کا جس سے علم متعلق ہو سکے، (علیم ہے)۔ اُس پر کوئی پوشیدہ نہیں۔

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۶ ر رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ ۔۔مطابق۔۔ ۷ ر اگست ۲۰۱۱ء

بروز یکشنبہ، سورۃ النور کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت

مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِيۡن يَا مُجِيۡبَ السَّائِلِيۡنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ يٰسٓ وَبِحُرۡمَةِ

سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اجمعین

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۷ر رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۸ر اگست ۲۰۱۱ء

بروز دوشنبہ مبارکہ کو سورۂ الفرقان کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی سعادت نصیب فرمائے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وبِحَقِّ ن و ص وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ سَیِّدُنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین

سورۃ الفرقان ۲۵ مکیۃ ۴۲ — آیاتہا ۷۷ رکوعاتہا ۶

سُورَةُ الْفُرْقَانِ

سورۃ الفرقان ۲۵ مکیہ ۴۲ — آیاتہا ۷۷ رکوعاتہا ۶

'سورۂ الفرقان'، جس کی پہلی آیت میں قرآنِ کریم کو 'الفرقان' کہا گیا ہے، اور جسے عہدِ رسالت میں بھی 'سورۂ الفرقان' کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ جو اپنے ماقبل موجود 'سورہ النور' سے اِبتداء اور اِنتہاء میں معنوی اتصال رکھتی ہے، اور مضامین میں گہری مناسبت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ دونوں کے درمیانی مضامین میں توحید کے دلائل ہیں، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تاکید ہے اور کافروں کے اعمال کی بے مائیگی اور اُن کا رائیگاں ہونا بیان فرمایا ہے۔۔نیز۔۔جس میں ستھتر ۷۷ آیتیں اور چھ ۶ رکوع ہیں۔ ایسی بابرکت، باعظمت سورہ کو شروع کرتا ہوں میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے تمام بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) اور ایمان والوں کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝۱

کتنا برکت والا ہے جس نے اتارا فیصلہ حق و باطل قرآن کو اپنے بندے پر، تاکہ ہوں سارے جہان کو ڈرانے والے ●

(کتنا برکت والا ہے) یعنی برکت اُس سے ہے۔

یہ اُس کی کارسازی و بندہ نوازی کی طرف اشارہ ہے۔۔یا۔۔بزرگ و برتر ہے۔ یہ صفتِ سرمدی کا بیان اور عزتِ ازلی وابدی کا نشان ہے۔۔یا۔۔دائم اور ثابت ہے، یہ اُس کے دوامِ ذات سے عبارت ہے، کہ نہ زائل تھا اور نہ زائل ہوگا۔۔۔

(جس نے اتارا فیصلہ حق و باطل قرآن کو)، جو حق اور باطل، حلال اور حرام میں فرق کردینے والا ہے، **(اپنے)** مخصوص ومکرم **(بندہ پر، تاکہ ہوں)** وہ عبدِ مکرم **(سارے جہاں)** بالخصوص آدمیوں اور جنوں **(کو ڈرانے والے)** عذابِ الٰہی سے۔ یا قرآن ہر زمانے میں ہر قرن والے کو اُن باتوں سے ڈرانے والا ہے جو خدا کی ناراضی اور غضب کا سبب ہیں۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ

وہ کہ، جس کی ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور نہیں اختیار فرمایا اولاد کو، اور نہ اُس کا

لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ②

کوئی شریک ہے پادشاہی میں، اور پیدا فرمایا ہر چیز کو، پھر اُس کا مناسب اندازہ رکھا●

(وہ) خدا، **(کہ جس کی ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی)**، اِس واسطے کہ اکیلے اُسی نے اِن کو پیدا کیا، تو اُسی کو اِس میں تصرف کرنے کا حقیقی طور پر اختیار ہے۔ **(اور نہیں اختیار فرمایا اولاد کو)** جیسا کہ یہود و نصاریٰ کو گمان ہے، **(اور نہ اُس کا کوئی شریک ہے پادشاہی میں)**، جیسا کہ ثنویہ وثنیہ کہتے ہیں۔ یعنی اُس کے واسطے بادشاہی ہے بے فرزند کے، کہ اُس کا قائم مقام ہوسکے۔۔یا۔۔بے شریک کے، کہ اُس کا مقابلہ کرسکے۔ **(اور پیدا فرمایا ہر چیز کو)** مخصوص مادوں، مختلف ہیئتوں اور انواع واقسام کی شکلوں پر۔ **(پھر اُس کا مناسب اندازہ رکھا)**، یعنی جو خصائص اور افعال کہ اُس سے چاہیے اُس کے واسطے مہیا کردیے۔۔یا۔۔اُس وقتِ معلوم تک اُس کی بقا کا اندازہ کردیا۔ ایسے قادرِ مطلق، خالقِ کائنات اور سارے عالم کے حقیقی کارساز کے موجود ہونے کے باوجود کافروں۔۔۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ

اور لوگوں نے بنالیے معبود، اُن مِن دونِ اللہ کو، جو نہ پیدا کریں کچھ، اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں،

لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③

اور نہ کرسکیں اپنا نقصان نہ نفع، اور اختیار رکھیں مرنے کا، نہ جینے کا، نہ اٹھنے کا●

(اور) مشرک (لوگوں نے بنالیے معبود اُن 'من دون اللہ' کو جو نہ پیدا کریں کچھ، اور) حال یہ ہے کہ (وہ) خود (پیدا کیے جاتے ہیں)۔ ہر مخلوق ہستی میں خدا کی محتاج ہے، اور محتاج خدائی کے لائق نہیں۔ تو جن بتوں کو بندے تراشتے ہیں اور جیسی چاہتے ہیں اُن کی صورت بنالیتے ہیں، وہ بت کیونکر پرستش کے لائق ہیں۔ یہ بت باوجود مخلوق ہونے کے توانائی اور استطاعت نہیں رکھتے، (اور نہ) اُنہیں اِس کا اختیار ہے کہ (کرسکیں اپنا نقصان نہ نفع)۔ یعنی اپنی جانوں کے واسطے ضَرر روکنے کی۔۔یا۔۔نفع حاصل کرنے کی اُن میں استطاعت ہی نہیں۔ تو نہ تو وہ اپنے کو کچھ فائدہ پہنچاسکتے ہیں اور نہ ہی اپنے سے کچھ نقصان روک سکتے ہیں۔ اور خدا تو وہی ہوسکتا ہے، جو حقیقی طور پر 'ضار' بھی ہو اور 'نافع' بھی۔

(اور) اِن باطل معبودوں کی حالت یہ ہے، کہ نہ ہی (اختیار رکھیں مرنے کا، نہ جینے کا، نہ) ہی (اٹھنے کا)۔ یعنی یہ نہ تو کسی کو مار ڈالنے پر قادر ہیں اور نہ ہی کسی کو زندہ کرنے پر پہلے پہل۔۔یا۔۔اُس کی زندگی باقی رکھنے پر اور نہ ہی بعث وحشر پر۔ اور خدا تو وہی ہوسکتا ہے جو جلانے والا ہو اور مار ڈالنے والا ہو۔ یعنی ہر ایک کی موت وحیات پر جس کو اختیار ہو اور جو اٹھانے والا ہو، یعنی بعث وحشر پر جو قادر ہو۔۔۔ حقائق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ

اور بک دیے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے کہ "نہیں ہے یہ قرآن مگر بہتان، جس کو رسول نے گڑھ لیا ہے، اور مدد کردی اس

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④

پر دوسروں نے،" تو یہ بکنے والے خود اُتر آئے اندھیر اور جھوٹ پر●

(اور بک دیے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے، کہ نہیں ہے یہ قرآن) جو محمد ﷺ ہمارے پاس لائے ہیں (مگر بہتان، جس کو رسول نے گڑھ لیا ہے، اور مدد کردی اِس) گڑھنے (پر دوسروں نے)۔ یعنی ایک اُور قوم نے۔

جیسے حویطب کے آزاد کردہ غلام عداس، عامر بن حضرمی کے غلام یسار اور اُنہیں کے ایک دوسرے آزاد کردہ غلام جبر نے۔ یہ تینوں اہلِ کتاب میں سے تھے۔ جنہوں نے کہا کہ یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔۔۔ اِس سلسلے میں کافروں کا کہنا یہ تھا، کہ یہ مذکورہ بالا لوگ اگلی خبریں پیغمبر کو سناتے ہیں جسے آپ عربی عبارت میں ہم کو سناتے ہیں۔ اس قول کا قائل

نضر بن حارث تھا۔۔۔

(تو یہ بکنے والے خود اتر آئے اندھیر اور جھوٹ پر)۔ یعنی جو کفار یہ کہتے ہیں کہ قرآن جھوٹ ہے اور ایک قوم کی مدد سے بنایا جاتا ہے، وہ شرک اور ظلم اور بہتان پر ہیں۔

وَقَالُوٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

اور وہ سب بولے کہ "اگلوں کی کہانیاں ہیں جن کو رسول نے لکھ لی ہیں، تو وہی پڑھی جاتی ہیں اُن پر صبح وشام"●

(اور وہ سب) کافر (بولے، کہ) یہ محمد عربی ﷺ کا کلام جو وہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، دراصل (اگلوں کی کہانیاں ہیں) جو اگلوں کی کتابوں میں لکھی ہیں (جن کو رسول نے لکھ لی ہیں)، یعنی لکھوالی ہیں، کیوں کہ آپ کو خود اپنے ہاتھ سے لکھنے کی مشق نہیں تھی۔ (تو وہی پڑھی جاتی ہیں اِن پر صبح وشام) یعنی دن کو دونوں وقت۔۔یا۔۔دن رات اِس کو پیغمبر کے سامنے پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اُسے یاد کر لیتے ہیں۔ اور جب یاد کر لیا تو ہمارے سامنے پڑھ کر کہتے ہیں، کہ یہ وحی ہے۔ کافروں کے منہ میں خاک! اَے محبوب۔۔۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

جواب دو کہ "اِس کو اتارا ہے اُس نے جو جانتا ہے بھید کو آسمانوں اور زمین میں۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

بے شک وہ غفور رحیم ہے"●

(جواب دو کہ اِس کو اُتارا ہے اُس نے جو جانتا ہے بھید کو آسمانوں اور زمین میں) اور اِس پر دلیل یہ ہے، کہ یہ کلام شامل ہے غیب کی خبروں پر اور بذاتِ خود علمِ غیب حق تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ دوسرے یہ کہ تمہارے سب فصیح لوگ اِس کے مثل لانے سے عاجز ہیں۔ ایسا کلام مالکِ علام کے سوا کس کا ہوسکتا ہے؟ (بے شک وہ غفور) ہے، یعنی بندوں کے گناہوں پر اپنے کرم کا پردہ ڈالتا ہے اور (رحیم ہے)، کہ گنہگاروں پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ

اور وہ بکا کیے کہ "کیا ہے اِس رسول کو کہ کھاتا ہے کھانا، اور چلتا ہے بازاروں میں۔

لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا ۟ۙ‏ ﴿۷﴾

کیوں نہ اتارا گیا اُن کی طرف کوئی فرشتہ، کہ ہوتا اِن کے ساتھ ڈرانے والا●

(اور وہ) یعنی سردارانِ قریش جیسے ابوجہل، عتبہ، امیہ، عاص، وغیرہ **(بکا کیے، کہ کیا ہے اِس رسول کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں)** طلبِ معاش کے واسطے اُوروں کی طرح۔ اگر اِس کا دعویٰ صحیح اور درست ہو، تو چاہیے کہ اِس کا حال اُوروں کے حال کے مخالف ہو۔

چونکہ وہ کافر مرتبۂ محسوسات ہی میں اَٹکے ہوئے تھے، تو حضرت ﷺ کے حال سے غافل ہو کر سمجھے کہ رسول کی تمیز اُن کے غیر سے امورِ جسمانی ہی کے سبب سے ہوتی ہے، اور یہ نہ سمجھے کہ نبوت، بشریت کے منافی نہیں ہے، بلکہ اُس کی مقتضی ہے، تاکہ مناسبت اور مجانست جو فائدہ دینے اور فائدہ لینے کا سبب ہے حاصل ہو۔۔ الغرض۔۔ مشرک کہتے تھے کہ چاہیے تھا کہ وہ خود فرشتہ ہوتا۔ اور اگر فرشتہ نہیں ہے۔۔ تو۔۔

(کیوں نہ اتارا گیا اُن کی طرف کوئی فرشتہ، کہ ہوتا اُن کے ساتھ ڈرانے والا)، یعنی ڈرانے میں مدد دینے والا۔

اَوۡ يُلۡقٰٓى اِلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ تَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاۡكُلُ مِنۡهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ

یا آپڑتا اِن کی طرف غیبی خزانہ، یا ان کے باغ ہوتے، جس سے کھاتے رہتے۔" اور اِن اندھیر والوں نے کہہ دیا کہ

اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۸﴾

"نہیں پیروی کرتے ہو مگر ایک جادو کیے ہوئے شخص کی"●

(یا آپڑتا اُن کی طرف غیبی خزانہ)، تاکہ اُس کے سبب سے مطمئن ہو کر بازاروں میں تحصیلِ معاش سے مستغنی ہو جاتے۔ **(یا اُن کے باغ ہوتے جس سے کھاتے رہتے)**۔ یعنی اُس کے میوے بھی کھاتے اور اُس سے حاصل آمدنی کو وجہ معاش بنا لیتے۔

۔۔ المختصر۔۔ مشرکینِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر یہ اعتراض کیا تھا، کہ آپ تجارت اور کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں چلتے ہیں۔ اُن کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا، کیونکہ تجارت اور کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے ۔۔ نیز۔۔ جب نبی کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں گئے، تو امت کے لیے کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں جانے کا نمونہ فراہم ہو گیا، اور تجارت کرنا سنت اور باعثِ ثواب ہو گیا۔ قابلِ اعتراض

چیز بازاروں میں شور کرنا ہے اور بدکلامی کرنا ہے اور نبی کریم ﷺ اِن چیزوں سے پاک اور منزہ تھے۔ شانِ نبوت کو سمجھنے کے لیے ذرا بھی عقل و دانش سے کام نہیں لیا۔۔۔

(اور اِن اندھیر والوں نے) یہاں تک **(کہہ دیا کہ نہیں پیروی کرتے ہو، مگر ایک جادو کیے ہوئے شخص کی)**۔

مَسْحُوْر اُسے کہتے ہیں جس پر کسی نے جادو کیا ہو اور اُس کی عقل جاتی رہی ہو۔ بعض تفسیروں میں **مَسْحُوْر** کو ساحر کے معنی میں لیا ہے۔

یعنی تم لوگ ایک جادوگر کی پیروی کرتے ہو کہ تم کو بات میں پھسلا لیتا ہے۔ اَے محبوب!۔۔۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹

ع ۹ / ۱۶

دیکھو تو کیسی کہاوت بولے تمہارے لیے، تو ایسے بے راہ ہوئے، کہ نہ رہ گئی کوئی راہ ●

(دیکھو تو) چشم بصیرت سے تاکہ معاندین کو سمجھ لو کہ **(کیسی کہاوت بولے تمہارے لیے)**۔ یعنی تم کو بُری باتیں کہیں اور **مَسْحُوْر** سے تشبیہ دی، اور تم کو مفتری اور سکھایا پڑھایا ہوا کہا، اور آپ کی ذاتِ مقدسہ کی تذلیل وتوہین پر اتر آئے۔ **(تو ایسے بے راہ ہوئے کہ نہ رہ گئی کوئی راہ)**، یعنی گمراہ ہوگئے اُس راہ سے جس سے انبیاء کی پہچان حاصل ہو اور غیر انبیاء سے انبیاء علیہم السلام کی تمیز ہو جائے۔ اب وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آسکتے۔

اِس مقام پر ایک نکتہ قابل لحاظ ہے، کہ ایک ہے نبی کا دشمن اور ایک ہے نبی کا گستاخ۔ چونکہ دشمن کا مطمح نظر خود پیغمبر کی ذات کی تذلیل وتوہین نہیں، بلکہ وہ صرف پیغمبر کے پیغام اور اُن کے مشن کا مخالف ہوتا ہے، اور ایسے کو انتہاء درجے کی دشمنی کی صورت میں بھی توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، اور وہ ایمان والا ہو جاتا ہے۔ اِن کے برخلاف جو نبی کے گستاخ ہیں، تو چاہے وہ اپنی قوم کے کتنے ہی بڑے دانشور کیوں نہ ہوں، لیکن اُن سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے، اس لیے وہ مرتے دم تک بھی ایمان قبول نہیں کر پاتے۔

مثال کے طور پر: فاروقِ اعظم، حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابوسفیان، حضرت عکرمہ اور اُن جیسے کثیر افراد ایمان لانے سے پہلے نبی کے دشمن تھے، اور دشمنی کی انتہا تک پہنچ چکے تھے، لیکن کبھی نبی کی ذات پر سوقیانہ حملہ نہیں کیا اور نبی کی گستاخی نہیں کی۔ تو اللہ کے فضل وکرم سے یہ سب کے سب ایمان والے ہوگئے، اور ایمان کے

درجہ کمال تک پہنچ گئے۔

اِن کے برعکس ابوجہل، عتبہ، شیبہ، عقبہ ابن معیط، ولید ابن مغیرہ، عاص ابن وائل، اور اُن جیسے لوگ جو نبی کے دشمن تو تھے ہی، نبی کے گستاخ بھی تھے۔ تو اپنی قوم کے زبردست دانشور اور سردار ہونے کے باوجود مرتے دم تک ایمان نہ لاسکے۔ ظاہر ہوگیا کہ کوئی کسی قوم کا کتنا ہی بڑا عالم و فاضل کیوں نہ ہو، اگر اُس کی زبان و قلم میں سے کسی سے بھی پیغمبر کی گستاخی سرزد ہوگئی ہے، تو اُس سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ وہ زندگی بھر اپنے گستاخانہ قول اور اپنے گستاخانہ عمل کی تاویل میں اور اُس کو صحیح باور کرانے میں الجھا رہے گا، مگر توبہ نہیں کرے گا۔

ہمارے عصر میں بھی اِس کی بہت ساری مثالیں مشہور و معروف ہیں۔ اِس کی بہت واضح مثال ابلیس ہے کہ جو علم و تقویٰ کی بنیاد پر ترقی کرتا ہے، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے سے مردود کر دیا جاتا ہے اور پھر اُس نے مہلت تو مانگی لیکن مغفرت نہیں طلب کی۔۔۔ المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں پیغمبر کے گستاخ کو توبہ کی توفیق ملے، کہ وہ توبہ کر کے مغفرت کرالے اور پھر جنت کا مستحق بن جائے۔ جنت تو صرف پیغمبر سے سچی محبت رکھنے والوں کے لیے ہے، پیغمبر کے گستاخوں کے لیے نہیں۔۔۔

اَے محبوب! یہ کفار تمہارے لیے کس باغ کی بات کر رہے ہیں، انہیں خبر نہیں کہ۔۔۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ

بڑی برکت والا ہے جو انشاء اللہ دے چکا تمہیں اِس سے بہتر، ایسے باغ کہ بہتی ہیں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

جس کے نیچے نہریں اور کر دکھائے گا تمہارے لیے عالیشان محل ●

(بڑی برکت والا ہے) اور بڑا ہی بزرگ ہے وہ، (جو انشاء اللہ دے چکا تمہیں اِس سے بہتر)۔ یعنی اُس خزانے اور اُس باغ سے بہتر ہے جو وہ کہتے ہیں، (ایسے باغ کہ بہتی ہیں جس کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں اور کر دکھائے گا تمہارے لیے) اُن باغوں میں (عالیشان محل) یعنی اونچے اور بلند مکانات۔ اَے محبوب! تمہاری فقیری اور بے سروسامانی کفار کو اِس بات کی مانع نہیں ہے کہ تمہارا ایمان لاتے۔۔۔

بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ ۚ وَ اَعۡتَدۡنَا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیۡرًا ﴿ۚ۱۱﴾

بلکہ وہ تو قیامت کو جھٹلا چکے۔۔اور مہیا فرمادیا ہم نے اُس کے لیے جس نے جھٹلایا قیامت کو، جہنم●

(**بلکہ وہ تو قیامت کو جھٹلا چکے**) ہیں اور انکارِ نبوت سے تکذیب قیامت کا اُن کا داعیہ ہے۔
(**اور مہیا فرمادیا ہم نے اُس کے لیے جس نے جھٹلایا قیامت کو جہنم**) کی جلتی ہوئی آگ۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ناموں سے ایک نام **سَعِیۡر** بھی ہے۔

اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیۡرًا ﴿۱۲﴾

جہاں اُس نے دیکھ پایا اُن کافروں کو دُور سے، تو اُن سب نے سنا اُس کا جوش اور شور●

(**جہاں اُس نے دیکھ پایا اِن کافروں کو دُور سے**) یعنی قیامت کے منکروں کو، آتش دوزخ قدرتِ خداوندی کی عطا کردہ بصارت سے سَو۱۰۰ برس۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق پانچ سَو۵۰۰ برس کی راہ کی دُوری سے دیکھے گی۔(**تو اُن سب نے**) حق تعالیٰ کے سنادینے سے (**سنا اُس کا جوش اور شور**) یعنی چلاّنے کی آواز جیسے غصے والے چلاّتے ہیں اور شیر غراتے ہیں۔

بعض مفسر اِس بات پر ہیں، کہ یہ دیکھنا اور غرانا محافظِ دوزخ کا ہوگا۔ ویسے ہمارے نزدیک حیات، جثہ کے ساتھ مشروط نہیں۔ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ آگ کو زندگی عطا فرمائے، کہ آگ ہی دیکھے اور غرائے۔

وَ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا ﴿ؕ۱۳﴾

اور جب ڈالے جائیں گے اُس کے کسی تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے، تو وہاں مانگنے لگے موت کو●

(**اور جب ڈالے جائیں گے**) مشرک لوگ (**اُس کے**) یعنی دوزخ کے (**کسی تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے**) جس کے سبب سے کرب اور زیادہ ہو۔۔۔

جہنم کافروں پر ایسا تنگ ہوگی، جیسے نیزے کے نیچے والا لوہا نیزے پر تنگ ہوتا ہے اور اُسے کسے رہتا ہے۔

تو ایسے تنگ مکان میں ڈال دیں گے اُن کے ہاتھوں اور گردنوں کو زنجیروں سے جکڑ کر۔۔یا یہ کہ۔۔ہر کافر کو اُس کے ساتھی شیطان کے ساتھ آگ کی زنجیر میں جکڑ دیں گے، (**تو وہاں مانگنے لگے موت کو**) ہلاکت کو، یعنی اپنے اوپر ہلاکت کی بددُعا کریں گے۔۔یا۔۔کہیں گے یَاثُبُوۡرَاہ اور یہ کلمہ وہ

شخص کہتا ہے جو اپنی ہلاکت کا آرزومند ہو۔ اور بعض تفسیروں میں مذکور ہے کہ دوزخیوں میں سب سے پہلے جسے لباس پہنائیں گے وہ ابلیس ہوگا۔ اُسے آگ کا حلہ پہنائیں گے اور وہ اُسے پیشانی پر رکھ کر نیچے کھینچے گا اور اُس کی ذریت اُس کے پیچھے یَاثُبُوْرَاہ کہہ کر چلاّتی ہوئی چلے گی، تو اُن سے حق تعالیٰ فرمائے گا۔۔۔

لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾

"مت مانگو آج ایک موت، اور مانگو بہت سی موتیں"●

(**مت مانگو آج ایک موت اور مانگو بہت سی موتیں**)، یعنی ایک ہی بار اپنے اوپر نفریں نہ کرو بلکہ بہت سی نفرینیں کرو۔ اس واسطے کہ تم پر انواع واقسام کے عذاب ہوں گے اور ہر قسم کے عذاب پر شدت کی وجہ سے ثبور واقع ہوگا۔۔۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ

پوچھو کہ "کیا یہ بہتر ہے، یا سدا بہار جنت؟" جس کا وعدہ کیے گئے اللہ سے ڈرنے والے۔ یہ ہے اُن کا

جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾

ثواب اور ٹھکانہ●

اَے محبوب! (**پوچھو**) اُن لوگوں سے جو ظاہری بے سروسامانی کی وجہ سے تمہیں ملامت کرتے ہیں، (**کہ کیا یہ**) یعنی خزانہ اور باغ دینا (**بہتر ہے یا سدا بہار جنت جس**) میں داخل ہونے (**کا وعدہ کیے گئے**) ہیں (**اللہ**) تعالیٰ (**سے ڈرنے والے۔ یہ ہے اُن کا ثواب**) یعنی خدا کے علم میں متقیوں کے واسطے اُس بہشت میں اُن کے اعمال کی جزا، (**اور**) یہی بہشت ہے اُن کا (**ٹھکانہ**) آخرت میں جس کی طرف پھریں گے۔

لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْــُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

اُن کے لیے اس میں ہے جو چاہیں، ہمیشہ رہنے والے۔ یہ تمہارے رب کا ذمے دارانہ وعدہ ہے●

اور (**اُن کے لیے اُس میں**) یعنی بہشت میں (**ہے جو چاہیں**) جنت کی نعمتیں اپنے استحقاق کے موافق۔

اس واسطے کہ ضعیف ایمان والوں کو آرزو کرنے سے کامل ایمان والوں کے مرتبہ میں سے حصہ نہ ہوگا، بلکہ جو مراد اپنے حال کے مناسب چاہیں گے پائیں گے۔ اِس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ ہر جنتی وہاں اپنے حال کے مناسب ہی آرزو کرے گا۔۔لہٰذا۔۔اُس کے دل میں اُس چیز کی خواہش ہی نہ پیدا ہوگی جو اس کے حال کے مناسب نہیں۔

وہ سب کے سب جنت میں (ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔ (**یہ تمہارے رب کا ذمہ دارانہ وعدہ ہے**)۔ یہ وعدہ اِس لائق ہے کہ خدا سے اُس کی درخواست کریں۔۔یا۔۔مومنوں نے اس کی درخواست کی ہے، اور عرض کیا ہے کہ "اَے رب! دے ہمیں جس چیز کا وعدہ کیا تُو نے ہم سے"۔۔یا۔۔فرشتے مومنوں کے واسطے درخواست کرتے ہیں کہ "اَے رب! ہمارے اور داخل کر انہیں 'جناتِ عدن' میں جس کا وعدہ کیا تھا تُو نے اُن سے"۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ

اور جس دن اٹھائے گا انہیں، اور جو اُن کے معبودِ من دونِ اللہ ہیں اُن کو، پھر فرمائے گا، "کیا تم نے گمراہ کیا تھا

عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾

میرے اِن بندوں کو، یا انہوں نے خود کھودیا راہ کو؟"●

(اور) اَے محبوب! اپنے دائرۂ ادراک میں حاضر کرلو اُس دن کو (**جس دن اُٹھائے گا**) اللہ تعالیٰ (**اُنہیں، اور جو اُن کے معبودِ من دون اللہ ہیں اُن کو**)، خواہ وہ ذوی العقول ہوں۔۔یا۔۔غیر ذوی العقول۔

بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں بت ہی مراد ہیں، اس لیے کہ اِس آیت میں بت پرستوں ہی کا ذکر مقصود ہے۔

تو حق تعالیٰ اُن سے بات کرائے گا (**پھر**) اُن سے (**فرمائے گا، کیا تم نے گمراہ کیا تھا میرے اِن بندوں کو یا انہوں نے خود کھودیا راہ کو**)؟ یعنی صاف صاف ظاہر کردو کہ میرے اِن مشرک بندوں کو تم نے گمراہ کردیا تھا۔۔یا۔۔یہ خود فصیح مرشد کی بات سے انکار کرکے خود ہی گمراہ ہوگئے، اور پھر راہِ راست پر نہ آئے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

سب بولے، "پاکی ہے تیری، ہمیں حق نہیں کہ بنائیں تجھے چھوڑ کر مقابلے کے مددگار،

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

ہاں تُو نے ہی اُن کو رہنے سہنے دیا اور اُن کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ سب بھول گئے سبق، اور ہو گئے ہلاک ہو جانے والے"

(سب) بت (بولے، پاکی ہے تیری)۔ یعنی تیرے ہی واسطے پاکی ہے اور ہم تجھے پاکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور شریک و مثل سے منزہ جانتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔**(ہمیں حق نہیں کہ بنائیں تجھے چھوڑ کر مقابلے کے مددگار)**، یعنی ہمیں لائق اور روا نہیں کہ بنالیں ہم اُسے اپنا دوست جو ہمیں پوجے تیرے سوا، یعنی جو تیری عبادت نہ کریں۔۔الحاصل۔۔تیری عبادت سے دست بردار ہو کر جو لوگ ہماری پرستش کریں، تو ہمیں نہیں پہنچتا کہ ہم انہیں اپنا ولی دوست اور مددگار بنالیں، اور یہ سمجھ لیں کہ خدا کے مدمقابل یہ ہمارے مددگار ہیں۔

(ہاں تو نے ہی اِن کو رہنے سہنے دیا اور اِن کے باپ دادوں کو) بھی۔۔نیز۔۔اِن کو اور اِن کے باپ دادوں کو مال، اولاد، عمر درازی اور صحتِ بدن، وغیرہ نعمتوں سے نوازا اور انہیں فائدہ مرحمت فرمایا، **(یہاں تک کہ سب بھول گئے سبق)** جو انبیاءِ کرام نے دیے تھے اور اُس بات کو فراموش کر دیا جس کی طرف انبیاءِ کرام اِنہیں بلاتے تھے، **(اور ہو گئے ہلاک ہو جانے والے)**۔۔المختصر۔۔اِنہوں نے خود اپنے کو تباہ کیا ہے اور اپنی تباہی کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

حق تعالیٰ نے خود بتوں سے کافروں کے سامنے سچائی کا اعتراف کرا کے کافروں کے لیے لب کشائی کی بھی گنجائش نہیں رکھی۔ بتوں سے اعترافِ حقیقت کرانے کے بعد حق تعالیٰ کافروں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے، کہ دیکھو۔۔۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَ

تو بلاشبہ اَے کافرو، تمہیں تو اِن سب نے جھٹلا دیا، تو نہ اپنی بَلا پھیر سکو اور نہ مدد پا سکو۔ اور

مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

جو اندھیر مچائے گا تم لوگوں میں سے، تو چکھا دیں گے ہم اُسے بڑے عذاب کا مزہ●

(تو بلاشبہ اَے کافرو! تمہیں تو اِن سب نے) یعنی تمہارے سارے خداؤں نے **(جھٹلا دیا)** اُس بات میں جو تم کہتے ہو کہ خدا کے شریک ہیں۔ اور انہوں نے تو مجھے شرک سے منزہ رکھا۔ **(تو)** اچھی طرح سے جان لو کہ شرک کرنے کی وجہ سے اب **(نہ اپنی بلا پھیر سکو)** گے **(اور نہ)** ہی **(مدد پا سکو)**

گے۔یعنی نہ تو تم میرے عذاب کو اپنے اوپر سے پھیر سکو گے اور نہ ہی عذاب سے نجات کے لیے ایک دوسرے کی مدد کر سکو گے۔ (اور) یہ عدلِ خداوندی کا فیصلہ ہے، کہ (جو اندھیر مچائے گا تم لوگوں میں سے) اَے مکلفو! (تو چکھادیں گے ہم اُسے بڑے عذاب) یعنی آتشِ دوزخ (کا مزہ)، جس میں انہیں ہمیشہ جلنا ہے۔

کافروں کو اِس بات پر حیرت تھی، کہ یہ کیسے رسول ہوسکتے ہیں جو ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں اپنی ضرورت کے لیے چلتے پھرتے ہیں۔ رسول کو تو اپنے جملہ افعال میں دوسروں سے ممتاز ہونا چاہیے۔ اِس خام خیالی۔۔۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَيَمۡشُوۡنَ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو، مگر یہ کہ وہ کھانا کھاتے ہیں، اور بازاروں

فِى الۡاَسۡوَاقِ‌ؕ وَجَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ‌ۚ

میں چلتے ہیں۔اور بنادیا ہم نے تم سے ایک کو دوسرے کے لیے امتحان۔کیا صبر سے کام تم لوگ لوگے؟

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا ۧ ﴿۲۰﴾

اور تمہارا پروردگار دیکھ رہا ہے●

ع ١١
١٧

(اور) کج فکری کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اَے محبوب! تمہارا رسول ہوتے ہوئے کھانا پینا اور ضرورتاً بازاروں میں چلنا کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ (نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو، مگر یہ) کہ اُن کو سبھوں نے دیکھا (کہ وہ کھانا کھاتے ہیں اور) اپنے کام کے لیے (بازاروں میں چلتے ہیں)۔رسولوں کا یہ عمل اس لیے ہوتا ہے تا کہ سب پر واضح ہوجائے، کہ وہ کون سا کھانا ہے جس سے رب تعالیٰ راضی ہے، اور وہ کون سا چلنا پھرنا ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ اَے محبوب! تم اِن کافروں کی حرکتوں سے دل برداشتہ نہ ہو، اس لیے کہ آپ جن جن کی طرف مبعوث کیے گئے، وہ آپ کے لیے ایک آزمائش ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے (اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (بنادیا ہم نے تم سے ایک کو دوسرے کے لیے امتحان) اور آزمائش۔۔چنانچہ۔۔پیغمبروں کی آزمائش اُن کی امتوں سے ہے، اور فقیروں کی آزمائش مالداروں سے ہے۔ بیمار کی آزمائش تندرست سے ہے، اور اندھے کی آزمائش آنکھوں والوں سے

ہے۔خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ دُنیا امتحان کی جگہ ہے،تو ضروری ہے کہ لوگوں کے احوال اِس میں مختلف ہوں،اور ہم اِس اختلاف کے سبب سے لوگوں کی آزمائش کرتے ہیں،تاکہ صبروشکر والے بےصبروں اور ناشکروں سے ممتاز ہوجائیں۔

روایت ہے کہ ابوجہل اور ولید وغیرہ جب حضرت بلال،عمار،صہیب اور سب غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کودیکھتے،تو آپس میں کہتے کہ کیا اسلام لاکر ہم بھی اِن فقیروں کے ساتھ انہی کی طرح ناچیز ہوجائیں۔

توحق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی،کہ(کیا صبر سے کام تم لوگ لوگے)آزمائش کی صورت میں،یابےصبری کروگے؟اچھی طرح سے سن لو(اور)یادرکھو!کہ(تمہارا پروردگار)صابرین اور بےصبروں،سب کو(دیکھ رہا ہے)۔توجوجیسا کرے گا ویسا ہی اُس کا پھل پائے گا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ۔۔۔بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۸؍رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۹؍اگست ۲۰۱۱ء

بروز سہ شنبہ،اٹھارھو۱۸یں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔دُعاگوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ

اپنے فضل وکرم سے باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی

توفیق رفیق عطا فرمائے اور فکروقلم کواپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ ن و س

بحَقِّ یَابُدُّوحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ سَیِّدُنَا

مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اجمعین

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

تشریحِ لغات

-- ﴿ آ ﴾ --

آسن: جوگیوں کا عبادت کے واسطے بیٹھنا۔

آسودہ حال: خوش حال۔۔مالدار۔۔امیر۔۔بے فکر۔

آوازہ: شہرہ۔۔ناموری۔۔دھوم۔

آویزش: چپقلش۔۔لڑائی۔

-- ﴿ ا ﴾ --

اِتباع: پیروی۔۔تقلید۔

اُتر: شمال (سمت)۔

اِتصال: قرب۔۔نزدیکی۔

اَجل: موت۔۔مرگ۔۔قضا۔

اچھنبے: حیرت۔۔تعجب۔۔حیرانی۔

احتلام: خواب میں ناپاک ہونا۔۔بدخوابی۔

احتیاج: ضرورت۔۔حاجت۔

احکامِ تکوینی: وہ احکامات جو پیدا کرنے اور وجود میں لانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔

اِذن: اجازت۔

اِرتکاب: (کوئی غلط یا ناجائز) کام کرنا۔

ازانجملہ: سب میں سے۔۔اُن میں سے۔

استحقاق: مستحق ہونا۔۔سزاوار ہونا۔

استدراج: خلافِ معمول کام کرنا۔۔خارقِ عادت عمل۔

استدعاء: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔

استدلال: دلیل۔۔برہان۔۔ثبوت۔

اِستراحت: آرام چاہنا۔۔راحت طلب کرنا۔

استطاعت: طاقت۔۔دسترس۔

اِستعانت: مدد۔۔مدد مانگنا۔۔معاونت۔

اِستعدادیں (استعداد کی جمع): لیاقت۔۔قابلیت۔۔فطری صلاحیتیں۔

اِستغراق: خدا کی یاد میں محو ہو جانا۔

اِستفہام: دریافت کرنا۔۔پوچھنا۔

اِستقامت: کسی امر پر مضبوط رہنا۔

اِستقلال: مضبوطی۔۔قرار۔

اِستہزا: ہنسی اُڑانا۔

استیلا: غلبہ۔۔غالب ہونا۔۔قابو میں رکھنا۔

اِصرار: ہٹ۔۔ضد۔۔اَڑ۔

اصناف (صنف کی جمع): نوع۔۔جنس۔۔قسم۔

اَصوات (صوت کی جمع): آواز۔

اَضداد (ضد کی جمع): متضاد خبریں جو بیک وقت ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں، جیسے اندھیرا اور اُجالا۔

اِضطراب: بے چینی۔۔گھبراہٹ۔

اِضمحلال: کسل۔۔سستی۔۔افسردگی۔

اَطوار (طور کی جمع): طریقہ۔

اِعانت: مدد۔۔سہارا۔

اِعتراف: اقرار کرنا۔۔تسلیم کرنا۔۔مان لینا۔

اعتقاد: عقیدہ۔۔یقین۔۔ایمان۔۔دل میں مضبوطی کے ساتھ کوئی بات بٹھانا۔

اعجاز: معجزہ۔۔خرقِ عادت۔۔کرامت۔

اعدا (عدو کی جمع): دشمن۔۔بدخواہ۔۔مخالف۔

اعراض: منہ پھیرنا۔۔رُوگردانی کرنا۔

اعضاء (عضو کی جمع): جسم کا کوئی ٹکڑا۔۔ہاتھ پاؤں وغیرہ۔۔

اَعضاء و جوارح: انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء۔

اِعلام: خبر دینا۔۔آگاہ کرنا۔۔ظاہر کرنا۔۔کھولنا۔
افتراء: تہمت۔۔بہتان۔۔جھوٹا الزام۔
اِفراط: زیادتی۔۔حدِّ اعتدال سے بڑھ جانا۔۔کثرت۔۔بہتات۔
اَکابر (اکبر کی جمع): بڑے لوگ۔۔مقتدر آدمی۔۔بزرگ۔
اِکتفاء: کفایت کرنا۔۔کافی سمجھنا۔۔کافی ہونا۔
اکڑفوں: غرور۔۔گھمنڈ۔۔شیخی۔
اِلتماس: درخواست۔۔عرض۔۔گزارش۔۔اِلتجا۔
اَمرِ محقق: ٹھیک ودرست معاملہ جس میں کوئی شک شبہ نہ ہو۔
انّا: دایہ۔۔دودھ پلانے والی عورت۔
انحراف: اِنکار۔۔مخالفت۔۔نافرمانی۔
اِنقطاع: کٹ جانا۔
اَوضاع (وضع کی جمع): صورت۔۔حلیہ۔۔ظاہری حالت۔۔بناوٹ۔۔ساخت۔۔ترکیب۔
اولوالعزم: صاحبانِ عزم وارادہ۔۔عالی حوصلہ۔
اَولیٰ وانسب: اعلیٰ۔۔اَرفع۔۔بہترین۔
اِہانت: توہین کرنا۔۔ہتک۔۔ذلت۔۔بےعزتی۔
اہلِ وجدان: جاننے اور دریافت کرنے کی قوت رکھنے والے لوگ۔۔ذکی۔
ایما: اشارہ۔۔منشا۔
ایمنی: بےخوف۔۔امن کے ساتھ۔

-- ﴿ ب ﴾ --

بارگاہِ قِدم: ہمیشگی والی دربار۔۔یعنی خدا کی بارگاہ۔
باک: اندیشہ۔۔ڈر۔
بالقصد: ارادے کے ساتھ، نیت کے ساتھ۔
باور: یقین۔۔اعتبار۔
بتدریج: درجہ بہ درجہ ہونا۔۔آہستہ آہستہ ہونا۔
برانگیختہ: اُکسانا۔۔آمادہ کرنا۔
برسبیل تمیز: پہچان کے طور پر۔
بطلان: باطل ہونا۔۔جھوٹ ہونا۔
بعث وحشر: مرنے کے بعد زندہ ہونا اور قیامت۔
بعید: دور۔۔علیحدہ۔
بعید از قیاس: وہ بات جو خیال میں بھی نہ آسکے۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پراگندہ: منتشر۔۔تتر بتر۔
پَرتَوِ جمال: حسن وجمال کا سایہ اور عکس وغیرہ۔
پُرسش: دیکھ بھال۔۔پوچھنا۔
پژمردہ: کملایا ہوا۔۔مرجھایا ہوا۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تابع: ماتحت۔۔ملازم۔۔نوکر۔
تامل: شبہ۔۔شک۔۔تذبذب۔
تبر: کلہاڑی۔۔ایک قسم کا فولادی آلہ جس سے لکڑی چیرتے اور درخت کاٹتے ہیں۔
تبرعات: دینا۔۔کسی کو ذاتی منفعت کی امید کے بغیر دینا۔۔خیرات۔۔بخشش۔
تتمہ: کسی چیز کا آخرہ حصہ۔
تحریماً: حرام کرتے ہوئے۔۔ممانعت کرتے ہوئے۔
تحیر واضطراب: حیرانی وبےچینی۔
تخصیص: خصوصیت۔
تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔افاقہ۔۔آرام۔
تدارُک: تدبیر۔۔بندوبست۔۔درستی۔۔اصلاح۔
تدبر: انجام پر غور کرنا۔۔دُور اندیشی۔
ترفع وتعلّی: غرور۔۔تکبر وشیخی۔۔ڈینگ۔
تسخیر: فرمانبردار بنانا۔۔تابع کرنا
تسلط: قبضہ۔۔دخل۔
تشریع: شرع۔
تشہیر: مشہور کر۔۔شہرت دینا۔۔لوگوں کو خبر دینا۔

تصرف: قبضہ۔۔اختیار۔
تصریح: واضح کرنا۔۔صاف طور پر بیان کرنا۔
تطوع: فرض سے زیادہ کرنا۔۔ایسے حکم کی تعمیل کرنا جس کا کرنا فرض نہ ہو۔۔مستحب ونوافل کا ادا کرنا۔
تطہیر: پاک کرنا۔۔پاکی۔۔طہارت۔
تعب: محنت۔۔مشقت۔۔سختی۔۔تکلیف۔
تعریض: اعتراض کرنا۔
تعیین: مخصوص کرنا۔۔مقرر کرنا۔
تغافل: جان بوجھ کر غفلت کرنا۔۔بے التفاتی۔۔بے پرواہی۔
تغلیب:
تغلیباً:
تغیر: بدلنا۔۔پلٹنا۔۔انقلاب۔۔ایک حالت سے دوسری حالت میں جانا۔
تغیروتکون: بدلنا۔۔پلٹنا۔۔پیدا ہونا۔۔وجود میں آنا۔
تفکرات (تفکر کی جمع): سوچ بچار۔۔فکر۔۔اندیشہ۔
تقدیس: پاکیزگی۔۔پاکی۔۔تقدس۔
تقرب: نزدیکی۔۔قرب۔
تقصیریں (تقصیر کی جمع): خطا۔۔قصور۔
تقویت: طاقت۔۔قوت۔۔مدد۔
تکذیب: جھٹلانا۔
تکوین: پیدا کرنا۔۔وجود میں لانا۔
تلف: برباد۔۔تباہ۔
تمثل: مشابہ یا مطابق ہونا۔
تمثیل: مثال۔۔تشبیہ دینا۔
تمہید: کسی بات کا آغاز۔
تندہی: محنت۔۔جانفشانی۔۔سعی۔۔کوشش۔
تنزیہہ: پاکی۔
تنزیہاً: بُری باتوں سے دور رکھنے کے لیے۔۔عیب سے پاک وصاف رکھنے کے لیے۔
تنوع: قسم قسم کا۔۔ہونا۔۔مختلف رنگ کا ہونا۔۔گونا گونی۔

توارُد: باہم ایک جگہ اُترنا۔
تواضع: عاجزی۔۔انکساری۔
توثیق: تصدیق۔
توسل: ذریعہ۔۔وسیلہ۔
توقف: دیر۔۔تاخیر۔۔وقفہ۔
تونگری: دولتمندی۔۔امارت۔۔مالداری۔
توہمات (توہم کی جمع): وہم۔۔گمان۔
تہدید: ڈرانا۔۔دھمکانا۔
تہلکہ: شور۔۔غوغا۔۔کھلبلی۔۔آفت۔۔کہرام۔
تھکے: جمے ہوئے۔۔لوند۔

۔۔ ﴿ ج ﴾ ۔۔

جانبین: دونوں جانب۔۔دونوں طرف۔
جبلت: سرشت۔۔فطرت۔۔اصلی طبیعت۔۔خلقت۔
جثہ: جسامت۔۔جسم۔
جفتی: نر اور مادہ کا ملنا۔
جلق: ہاتھ کی مدد سے انزال کرنا۔۔مشت زنی۔
جلیات: روشن۔۔واضح۔۔ظاہر۔
جنابت: ناپاکی۔۔خصوصاً وہ ناپاکی جو مرد وعورت کے صحبت کرنے یا احتلام سے ہو۔
جنسیت: یکسانیت۔۔ہم جنس ہونا۔
جوارح: انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء۔
جورو: بیوی۔۔گھروالی۔۔زوجہ۔۔رفیقۂ حیات۔
جہت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔

۔۔ ﴿ ح ﴾ ۔۔

حسرت: افسوس۔۔کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس۔
حظوظ (حظ کا جمع): مزہ۔۔عیش ونشاط۔
حکم محکم: مضبوط فیصلہ۔

حکمتِ ایزدی: خدائی غرض۔۔اللہ کی مرضی۔
حیطۂ اقتدار: حکومت واختیار کا احاطہ۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خازنوں: محافظ۔۔نگہبان۔
خاطرمدارت: آؤ بھگت۔۔مہمان نوازی۔
خجالت: شرمندگی۔۔ندامت۔
خسیس: کمتر۔
خفیات: پوشیدہ۔۔چھپی ہوئی۔۔مخفی۔
خلاصی: رہائی۔۔آزادی۔۔چھٹکارا۔۔نجات۔
خلعت: تحفہ۔۔عطیہ۔
خلوت: تنہائی۔۔علیحدگی۔
خواستگار: امیدوار۔۔سائل۔

-- ﴿ د ﴾ --

دارین: دونوں جہان۔۔دنیاوعقبیٰ۔
داعیہ: خواہش۔۔مرضی
دام تزویر: مکر کا جال۔۔فریب کا پھندا۔
دخول: گزر۔۔داخل ہونا یا کرنا۔
دخولِ بے محل: غلط جگہ داخل ہونا یا کرنا۔
درشت گوئی: سخت کلامی۔۔سختی سے پیش آنا۔
درکوں: دوزخ کے خاص طبقے۔
درکے: دوزخ کے خاص طبقے۔
دعاوی (دعویٰ کی جمع): مطالبہ۔۔استحقاق۔
دغدغہ: خوف۔۔اندیشہ۔۔خدشہ۔۔کھٹکا۔
دفع الوقتی: وقت ٹالنا۔۔حیلے حوالے کرنا۔
دقائق (دقیقہ کی جمع): باریکیاں۔۔نکتے۔
دلالت: ہدایت۔۔راہنمائی۔
دلالتِ مقال: زبانی دلیل۔۔گفتگو سے ثبوت۔۔کلامی حجت۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذریت: اولاد۔۔نسل۔
ذوی العقول: عقل والے۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: قابل ترجیح۔
راسخ: پکا۔۔مضبوط۔
رحم: عورت کا عضو مخصوص جو پیڑ کی ہڈیوں کے درمیان شانے کے بیچ ہوتا ہے۔اِسی میں حمل قرار پاتا ہے۔۔بچہ دان۔
رشک: یہ آرزو کہ جو چیز دوسرے کو حاصل ہے مجھے مل جائے۔
رضاع: دودھ شریک۔
رفع: دُور کرنا۔۔نکالنا۔۔چھوڑنا۔
رفیع المنزلت: بڑی شان والا۔۔اونچے مرتبے والا۔
رنجیدہ خاطر: ناخوش۔۔دُکھی۔۔ناراض۔۔اَفسردہ۔۔اداس۔
روزنوں (روزن کی جمع): سوراخ۔۔روشن دان۔
رَوِش: طور۔۔رویہ۔۔طریقہ۔
ریلا: بھیڑ۔۔ہجوم۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زائل: دُور۔۔کم۔
زندیق: وہ شخص جو خدا کی وحدانیت کا قائل نہ ہو۔

-- ﴿ س ﴾ --

ساقط: گرا ہوا۔
ساکت: خاموش۔۔چپ۔
ساکن: رُکا ہوا۔۔بے حرکت۔۔پڑا ہوا۔
سبقت: کسی سے آگے نکل جانا۔۔پیش قدمی۔۔پہل کرنا۔
ستر پوشی: ستر یا شرم گاہ چھپانا۔
ستودہ صفات: جس میں قابل تعریف خوبیاں ہوں۔۔اچھے اوصاف والا۔

سد باب: قطعاً روک دینا۔۔بالکل ختم کر دینا۔
سرایت: تاثیر کرنا۔۔اثر کرنا۔۔سماجانا۔۔نفوذ کرنا۔
سرشت: خو۔۔خصلت۔۔عادت۔
سرنگوں: شرمندہ۔۔خجل۔
سروا خفی: بھید۔۔راز۔۔خفیہ بھید۔۔چھپا ہوا راز۔
سزاوار: لائق۔۔مناسب۔۔واجب۔
سفاحت: بے وقوفی۔۔حماقت۔
سلیم الطبع: دانش مند۔۔دُور اندیش۔
سن: عمر۔۔مقدار عمر۔۔سال۔۔برس۔
سوقیانہ: بازاری۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شاہد عدل: سچے گواہ۔
شقاوت: بدبختی۔۔بدنصیبی۔
شل: بے حس۔۔جسم کے کسی عضو کا بے کار ہو جانا۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صاحب بشرہ: چہرہ مہرہ رکھنے والے۔
صادر: جاری ہونے والا۔۔نکلنے والا۔
صادق الوعد: دعوے کا سچا۔۔وعدہ پورا کرنے والا۔
صانع: پیدا کرنے والا۔۔خالق۔۔اللہ تعالیٰ۔
صحبت: ہم بستری۔
صفاتِ تنزیہی: پاک اور اچھی صفتیں۔
صلب: نسل۔
صوامع قدس: پاک عبادت خانے (خاص طور پر فرشتوں کے لیے)۔

-- ﴿ ض ﴾ --

ضار: مارنے والا۔۔چوٹ لگانے والا۔
ضخیم: بڑے حجم والا۔۔بہت بڑا۔۔موٹا۔

ضرر: نقصان۔۔تکلیف۔
ضلالت: گمراہی۔۔گناہ۔۔خطا۔
ضیافت: مہمانی۔۔دعوت۔۔کھانا کھلانا۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طمع: لالچ۔۔حرص۔
طومار: کتاب۔۔صحیفہ۔۔دفتر۔۔لمبا خط۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظن وتخمین: خیال و اندازہ۔
ظنی: عقل کے قریب۔۔قیاس۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: غیرت۔۔شرم۔۔لاج۔۔برائی۔۔عیب۔
عاریتاً: چند روز کے لیے کوئی چیز ادھار مانگ لینا۔۔قرضے کے طور پر۔
عبث: بے فائدہ۔۔فضول۔۔بے کار۔۔ناحق۔۔بلا وجہ۔
عجلت: جلدی۔۔پھرتی۔
عدالت: برابری۔
عدم محض: بالکل نہ ہونا۔۔بالکل نیست۔۔ناپیدی۔
عسرت: تنگی۔۔مفلسی۔۔دشواری۔
عفت: پرہیزگاری۔۔عصمت۔۔پارسائی۔۔پاک دامنی۔
عقوبت: دکھ۔۔سزا۔۔تکلیف۔
عِلاقہ: تعلق۔
علَم: نام۔
عناد: دشمنی۔۔بیر۔۔عداوت۔۔کینہ۔۔نفاق۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فارغ البال: آزاد۔۔آسودہ۔۔مطمئن۔
فاسد: تباہ۔۔برباد۔۔بگڑا ہوا۔

فرج: عورت کا اندام نہانی۔۔شرم گاہ۔
فرع: وہ جس کی اصل کوئی اُور چیز ہو۔
فروتر: کمتر۔
فروتنی: عاجزی۔۔خاکساری۔
فرودگاہ: اترنے کی جگہ۔۔پڑنے کا مقام۔۔قیام گاہ۔
فصیح: خوش بیان۔۔شیریں کلام۔
فضیحت: ذلت۔۔بدنامی۔۔رسوائی۔
فضیحتی: فضیحت کا بگاڑ۔
فوقیت: بڑائی۔۔برتری۔
فہمائش: ہدایت۔۔نصیحت۔۔تلقین۔۔سمجھانا۔۔آگاہ کرنا۔
فیروز بختی: خوش نصیبی۔

-- ﴿ق﴾ --

قالب: سانچہ۔۔ڈھانچہ۔
قانع: قناعت کرنے والا۔۔جو مل جائے اُس پر راضی رہنے والا۔
قباحت وشناعت: برائی وبدی۔۔عیب، نقص گندگی۔
قبائح (قبیحہ کی جمع): برائیاں۔
قبیح: بری۔۔معیوب۔۔شرمناک۔
قذف: کسی پر زنا کی تہمت لگانا۔
قرن: اسّی یا ایک سو بیس برس کا زمانہ۔۔بڑی مدت۔
قصد: ارادہ۔۔نیت۔۔مقصد۔
قصص (قصہ کی جمع): ذکر۔۔بیان۔
قضائے مبرم: نہ ٹلنے والا حکم۔۔وہ موت جو کسی طرح نہ ٹلے۔
قضیہ: جھگڑا۔۔بحث۔۔تکرار۔
قطر یمن: یمن کا علاقہ۔

-- ﴿ک﴾ --

کثیف: دبیز۔۔موٹی۔
کجاوہ: اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں۔
کرب: تکلیف (حد درجہ)۔
کسرِ نفسی: اپنے آپ کو کم رتبہ ظاہر کرنا۔۔عاجزی۔۔انکساری۔
کفایت: کافی ہونا۔
کلفت: رنج۔۔تکلیف۔۔مصیبت۔
کمالات تمجیدی: اللہ کے کمالات جو بزرگی اور تعریف کے قابل ہیں۔
کوہستان: پہاڑی ملک۔۔پہاڑوں کا سلسلہ۔
کہرام: آفت۔۔قیامت۔شور ہونا۔۔آفت برپا ہونا۔
کہنا: پرانا۔۔دیرینہ۔۔سال خوردہ۔
کید: مکر۔۔فریب۔۔دھوکا۔۔دغا۔
کیفرِ کردار: کیے کی سزا۔۔برے کام کا بدلہ۔
کیفیت: حالت۔۔احوال۔۔حقیقت۔

-- ﴿م﴾ --

ماحضر: جو موجود ہو۔۔جو کچھ حاضر ہو۔
ماذون: اجازت دیا گیا۔
مانع: سدراہ۔۔روک۔۔روکنے والا۔
مبادا: ایسا نہ ہوا۔۔خدا نہ کرے۔۔خدانا خواستہ۔
مبارزت: لڑائی۔۔جنگ۔
مباشرت: عورت مرد کی ہم بستری۔۔جماع۔۔مجامعت صحبت۔
مبالغہ: کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔
مبداء: آغاز۔۔شروع۔۔ابتدا۔۔اصل۔۔بنیاد۔
مبغوض: قابل نفرت۔
مبنی بر میلانِ نفس: نفس کی خواہشات پر منحصر ہونا۔
مبہوت: حیران۔۔متحیر۔۔ہکابکا۔
متابعت: پیروی۔۔فرمانبرداری۔۔اطاعت۔
متجاوز: اپنی حد سے بڑھنے والا۔۔تجاوز کرنے والا۔
متحرک: حرکت میں آیا ہوا۔
متحمل: تحمل کرنے والا۔۔برداشت کرنے والا۔۔مستقل مزاج۔۔صابر۔

متحیر: حیران۔
مترتب: ترتیب دیا گیا۔
متصرف: قبضہ کرنے والا۔۔قابض۔
متصف: صفت رکھنے والا۔
متصور: خیال کیا گیا۔۔سوچا گیا۔۔تصور میں لایا ہوا۔
متضاد: برعکس۔۔خلاف۔۔الٹا۔
متعارض: ایک دوسرے کے خلاف۔
متعالی: بلند و برتر۔
متعجب: تعجب کرنے والا۔۔حیران۔۔متحیر۔۔دنگ۔
متعدد: بہت۔۔کئی۔۔چند۔۔مختلف۔
متعینہ (متعین کی تانیث): تعین کیا ہوا۔۔مقرر کیا ہوا۔
متفرق: جدا جدا۔۔الگ الگ۔۔پراگندہ۔۔منتشر۔
متکفل: ضامن۔۔ذمہ دار۔
متمیز: الگ ہونے والا۔۔جدا۔
متنبہ: خبردار۔۔آگاہ۔ہوشیار۔
متنفر: نفرت کرنے والا۔۔کراہت کرنے والا۔۔بے زار۔
مجادلہ: حجت تکرار۔۔مباحثہ۔
مجامعت: ہم بستری۔۔جماع۔۔صحبت۔۔ہم خوابی۔
مجانست: ہم جنسی۔۔ہم جنس ہونا۔
مجتمع: اکٹھا۔۔جمع کیا ہوا۔
مجروح: زخمی۔۔گھائل۔۔چوٹ کھایا ہوا۔۔جس کے زخم لگا ہو۔
مجمل: اجمال کیا گیا۔۔مختصر کیا گیا۔۔خلاصہ۔۔اختصار۔
محاذی: مقابل۔۔سامنے۔۔روبرو۔۔برابر۔
محاسبہ: حساب۔۔شمار۔۔پڑتال۔حساب کی پوچھ گچھ۔
محال: غیرممکن۔۔ان ہونی۔
محالات (محال کی جمع): ناممکن۔
محالاتِ خرد: عقلاً ناممکن۔
محذوف: حذف کیا گیا۔۔علیحدہ کیا ہوا۔۔الگ کیا گیا۔۔ نکالا گیا۔
محرکات: اُبھارنے والے۔۔اُکسانے والے۔

محل: موقع۔۔وقت۔
محل قبولیت: قبول ہونے کا موقع اور وقت۔
محو: زائل۔۔دور۔۔معدوم۔۔گم۔۔مٹا ہوا۔۔فنا۔
مختلط: نامعلوم۔
مخفی: پوشیدہ۔
مدِّ فاضل: فضول اور بے کار چیز۔
مدح وثناء: تعریف۔۔توصیف۔۔ستائش۔
مدرک: وہ چیز یا قوت جس سے انسان اشیاء کی حقیقت دریافت کر سکے۔
مذموم: برا۔۔خراب۔۔قبیح۔
مراجعت: واپسی۔۔واپس ہونا۔۔لوٹنا۔۔رجوع۔
مراسم آداب: تعلقات و میل جول کے طریقے۔
مرتکب: ارتکاب کرنے والا۔۔کسی فعل کا کرنے والا۔۔ قصوروار۔۔مجرم۔
مرکوز: گڑا ہوا۔۔محکم کیا ہوا۔
مزعومہ: گمان کیا ہوا۔۔زعم کیا ہوا۔
مَس: چھونا۔۔ہاتھ لگانا۔۔مَلنا۔۔رگڑنا۔
مستثنٰی: استثنا کیا گیا۔۔الگ کیا گیا۔۔ماسوا۔۔بجز۔
مستحضر: یاد رکھا ہوا۔۔وہ بات جو یاد ہو۔
مستطاب: مبارک۔۔خجستہ۔۔سعید۔۔نیک۔
مستغرق: ڈوبا ہوا۔۔نہایت مصروف۔
مستغنی: آزاد۔۔بَری۔۔بے پرواہ۔
مستفاد: فائدہ حاصل کیا ہوا۔۔جو چیز فائدے میں حاصل ہو۔
مستولی: غالب۔۔چھا جانے والے۔۔قابو پانے والا۔
مسئول: جس سے سوال کیا جائے۔۔جواب دہ۔
مشابہت: مطابقت۔۔موافقت۔
مشابہت تامہ: مکمل مطابقت۔۔پوری موافقت۔
مشتبہ: مشکوک۔۔جس میں شبہ ہو۔۔شبہ والا۔
مشتق: نکلا ہوا۔۔وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو۔
مشروط: شرط کیا گیا۔۔کسی شرط پر موقوف۔

مشروع: شرع کے موافق۔۔جائز کیا گیا۔
مصاحبوں (مصاحب کی جمع): ساتھی۔۔جلیس۔۔ہم نشین۔۔ ہم صحبت۔۔خاص۔
مصائب: مصیبت کی جمع۔
مصداق: آلہءِ تصدیق۔۔ثبوتِ صداقت۔
مصرفوں: خرچ کرنے کی جگہیں اور موقعیں۔۔مطلب۔۔ کام۔۔غرض۔
مصورین (مصور کی جمع): تصویر بنانے والا۔۔نقاش۔۔ آرٹسٹ۔۔رنگ بھرنے والا۔۔بیل بوٹے بنانے والا۔
مضاف: علم نحو میں وہ اسم جو کسی دوسرے اسم کے ساتھ لگایا جائے، جیسے امجد کی کتاب۔اس میں کتاب مضاف ہے اور امجد مضاف الیہ ہے۔
مضرت: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضرتیں: مضرت کی جمع: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضطرب: بےچین۔۔بےقرار۔
مضمحل: اداس۔۔دل گیر۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔
مطرود: دھتکارا ہوا۔نکالا ہوا۔۔مردود۔
مطمحِ نظر: مرکز نگاہ۔۔اصلی مقصد۔
مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔۔تابع۔۔ماتحت۔
معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔۔عقبیٰ۔۔ آخرت۔۔قیامت۔۔حشر۔
معاندین (معاند کی جگہ): عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معبد: عبادت گاہ۔۔جائے پرستش۔
معتدل: اعتدال والا۔۔درمیانی درجے کا۔۔متوسط۔
معدوم: نابود۔۔ناپید۔۔وجود میں نہ ہونا۔
معرفتِ قدم: اللہ تعالیٰ کی پہچان۔
معروضہ: عرض۔۔عریضہ۔۔گزارش۔
معزول: گناہ۔۔قصور۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔
معین: مقرر کیا گیا۔۔مقررہ۔
معیوب: قابل شرم۔۔باعث ندامت۔

مغلوب: دبا ہوا۔۔عاجز۔۔زیر۔۔شکست خوردہ۔
مفتری: افترا پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔
مفردات (مفردہ کی جمع): تنہا۔۔اکیلا۔۔علیحدہ۔۔غیر مرکب۔
مفقود: ناپید۔۔ندارد۔
مفلوک الحال: تباہ حال۔۔خستہ حال۔
مقتضاء: تقاضا کیا گیا۔۔مطلب۔
مقتضی: تقاضا کرنے والا۔
مقدرت: بساط۔۔حیثیت۔
مقدم: ضروری۔۔لازم۔
مقدور: بَس۔۔قابو۔۔دسترس۔۔اختیار۔
مُقر: اقراری۔۔معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔ تسلیم کرنے والا۔
مکافات: عوض۔۔بدلہ۔۔پاداش۔۔سزا۔
مکلف: تکلیف دیا گیا۔۔عاقل۔۔بالغ۔
ملال: رنج۔۔غم۔۔کلفت۔۔افسوس۔
ممتنع: باز رکھا گیا۔۔روکا گیا۔
مملوک: غلام۔۔بندہ۔
ممنوع: ناجائز۔۔ناروا۔۔خلافِ شرع۔
مناجات: دُعا۔۔عرض۔۔التجا۔
منادی: اعلان کر دینا۔۔ڈھنڈورا۔
مناقشے: قضیہ۔۔نزاع۔
منتشر: پھیلا دینا۔
منجنیق: ایک آلہ جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ سنگ باری کی قدیم دستی مشین۔
منحصر: موقوف۔۔مشروط۔۔انحصار کیا ہوا۔
منزہ: عیبوں سے بَری۔۔پاک۔۔مبرا۔
منسوب: نسبت کیا ہوا۔۔متعلق کیا ہوا۔
منعم: نعمت دینے والا (یہاں اللہ تعالیٰ مراد ہے)۔
منفعت: نفع۔۔فائدہ۔
منفعتوں: منفعت کی جمع۔

منقطع: اختتام کو پہنچا ہوا۔

منہمک: کسی کام میں بہت مصروف۔۔انہماک کرنے والا۔

مواخذہ: جواب طلبی۔۔گرفت۔۔باز پرس۔

موحد: خدا کو ایک ماننے والا۔۔پکا سچا مسلمان۔

موصوف: تعریف کیا گیا۔۔جس کی تعریف یا توصیف کی جائے۔

موضع: گاؤں۔۔جگہ۔

موقوف: انحصار کیا گیا۔

مہمل: چھوڑا ہوا۔۔ترک کیا ہوا۔

مَیل: رغبت۔۔رجحان۔۔میلان۔۔توجہ۔

میلان: توجہ۔۔رجحان۔۔التفات۔۔خواہش۔

-- ﴿ ن ﴾ --

ناخلف: نالائق۔۔بدچلن۔۔بدذات۔

ناعاقبت اندیش: انجام نہ سوچنے والا۔۔انجام کی فکر نہ کرنے والا۔

نافع: نفع دینے والا۔

نالش: دعویٰ۔۔حاکم کے سامنے چارہ جوئی۔

نحر: ذبح کرنا۔۔قربانی کرنا۔۔اونٹ کو ذبح کرنا۔

نزاع: تکرار۔۔تنازعہ۔۔جھگڑا۔

نسب: اصل۔۔نسل۔۔سلسلۂ خاندان۔

نسیان: بھول چوک۔

نظافت: پاکیزگی۔۔صفائی۔

نفریں: ملامت۔۔پھٹکار۔۔لعنت۔

نقب: چور کا دیوار میں بڑا سوراخ کرنا۔۔سرنگ۔۔شگاف۔

نوع: قسم۔۔جنس۔

نوید: مژدہ۔۔بشارت۔۔خوشخبری۔

نیو: بنیاد۔۔دیوار کی جڑ۔

-- ﴿ و ﴾ --

وثیقہ: معاہدہ۔۔عہد و پیمان۔

ورود: اترنا۔۔اندر آنا۔۔داخل ہونا۔۔پہنچنا۔

وساطت: وسیلہ۔۔ذریعہ۔۔واسطہ۔

وسط: درمیان۔

وصف: پہچان۔۔شناخت۔

وصفوں: وصف کی جمع۔

وضع حمل: بچہ جننا۔۔بچہ پیدا ہونا۔

وطی: جماع کرنا۔

وعید: سزا دینے کی دھمکی۔۔سزا دینے کا وعدہ۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہزلیات (ہزل کی جمع): بیہودہ باتیں۔

ہمسر: برابر کا۔۔ہم رتبہ۔

ہمہ گوش: پوری توجہ سے سننا۔

ہنکا: ہانکنا۔۔پاس سے دور کرنا۔۔بھگایا جانا۔

ہَول: خوف۔۔اندیشہ۔۔گھبراہٹ۔

ہیئت: بناوٹ۔۔صورت۔۔شکل۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمۂ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،

'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۴۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’مقالاتِ شیخ الاسلام‘ ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ‘ ﴿۳۲ صفحات﴾
’حدیث نیت‘ کی محققانہ تشریح‘

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس‘ ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’فریضہء دعوت وتبلیغ‘ ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’دین کامل‘ ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یوایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد ششم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفیکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہوجائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔علاوہ ازیں ۔۔۔کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی